

سچی کہانی

لاہور

مارچ
2015

PDFBOOKSFREE.PK

قیمت
60 روپے

ماہ مارچ کے لکی پرائز بانڈ نمبر مبارک ہوں

پاکستان بھر سے ایک لاکھ سے زائد
لوگوں کی فرمائش پر ایک خوبصورت میگزین

خوفناک مخلوق



ایڈیٹر
طاہر امین

چیف ایڈیٹر
ایم اے زاہد



عنقریب اپنی اشاعت



کا آغاز کر رہا ہے۔ قارئین نوٹ فرمائیں



دنیا کی بہترین خوفناک پراسرار دہشت ناک، حیرت ناک، طلسماتی،
وحشت ناک دل کو ہلاک دہشت ناک کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ

قیمت 50 روپے

قیمت سالانہ بمعہ

ڈاک خرچ 1000 روپے

آپ بھی پڑھیں، دوست احباب کو بھی پڑھائیں

ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے آپ ایک بار پڑھنا شروع کر دیں گے تو اسے
چھوڑنے کو دل نہیں کرے گا اور آپ اسے ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھیں گے



اس میگزین میں وہ سب

کچھ موجود ہے جو آپ چاہتے ہیں



خوفناک مخلوق 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

موبائل نمبر 03144008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور

مارچ 2014ء

قیمت = 60 روپے



ماہنامہ سچی کہانی لاہور ﴿ 1 ﴾ مارچ 2015ء

خوفناک، دہشتناک، ہیبتناک، پرہاسناک، حیرتناک جبروتانہ پر مبنی لاہور جیٹسوسٹ کہانیوں کا مجموعہ ماہنامہ سچی کہانی لاہور



چیف ایڈیٹر۔ ایم اے زاہد

ایڈیٹر۔ طاہر امین

ایڈیٹر معاون۔ محسن اور چہل (اعزازی)

لیگل ایڈوائزر۔ حبیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)

جلد نمبر 29 شماره نمبر 3

مارچ 2015ء

پبلیشرز۔ محمد امین زاہد

پرنٹرز۔ ملک عید محمد سوسائٹی رو

قیمت فی شمارہ = 60 روپے

سالانہ قیمت بمعہ رجسٹری

فیس = 1000 روپے

کچھ قلمی معاونین

..... محمد رضوان قیوم

..... مس کرن

..... رانیاجی

..... فدا شاہین بھٹی

..... رفعت محمود

..... نسیم امتیاز

مقام اشاعت۔ ماہنامہ سچی کہانی لاہور مکان نمبر 2-A، پتہ سرسبز ٹریٹ نمبر 53 قادر پارک نواں کوٹ ملتان روڈ لاہور

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں واقعات مقام اور نام فرضی ہوتے ہیں۔ کسی قسم کی مشابہت اتفاقیہ ہوگی۔ اس سلسلے میں ادارہ سچی کہانی لاہور اور پرنٹرز پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ اگر مطبوعہ کہانیوں اور واقعات کے بارے میں ہمیں کوئی تردید ملی تو ہم اسے شائع کر دیں گے۔ (ادارہ سچی کہانی لاہور)

✉ خط و کتابت و ملاقات کے لیے ①

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔ موبائل نمبر 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 3 مارچ 2015ء

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 29 شماره نمبر 3

- 7 میری باتیں ایم اے زاہد
- 8 عشق جنون محمد رضوان قیوم
- 18 روح کا عشق فیصل ندیم ساحل
- 26 بے چین روح کا انتقام فدا شاہین بھٹی
- 36 آئینے کا راز شہلا پروین
- 44 نیل کی دلہن اناصر سوری
- 54 انوکھا چراغ شاہد رفیق سہو
- 64 روح کا ہاتھ خالد جاوید
- 80 انتظار فیصل ندیم ساحل
- 86 انصاف کا راستہ ضرغام محمود
- 94 پچھتاوا علی حسنین تابش
- 100 افسانہ زندگی کا محمد بخش صابر لنگاہ
- 112 حضرت خواجہ معین الدین چشتی پرنس بابر علی

ماہنامہ سچی کہانی لاہور مارچ 2015 قیمت = 60 روپے

- 124 چاہتوں کے رنگ رفعت محمود
- 142 پیغامات ادارہ
- 187 عائمہ کے ٹوٹکے عائمہ جبین
- 145 روحانی دنیا سید راحت علی شاہ
- 156 پر از بانڈ کی دنیا چاند بانو
- 160 بیوٹی کیئر فضہ ماہین
- 161 طب نبوی سے علاج حکیم شیخ محمد امین
- 171 قلمی دوستی ادارہ
- 177 ناقابل فراموش واقعات ادارہ
- 183 شاہدہ کا دسترخوان شاہدہ پروین
- 188 میری پسند نور العین عینی
- 193 غزلیں نظمیں معیزہ سحر
- 203 گلستان روبینہ کوثر
- 207 سچی کہانی کوئٹہ ادارہ



ہے متقی وہ آج جو کل مے کشوں میں تھا سنتے ہیں ہم خدا بھی کبھی جگہوں میں تھا
 اے ہم نشین مرے یہ پرانی سی باتیں جو آج پی رہا ہے وہ گل داغلوں میں تھا
 ساقی تو میرے زہدے گھبرانہ استعد میں بھی تو تیری بزم کے بادہ کشوں میں تھا
 اب بزم غیر میں بھی وہ آنے لگے نظر حکو سکون قلب میری محفلوں میں تھا
 آج ہکو اپنے دشمنوں میں دھوٹا پڑا کل تک شمار جی کا میرے دوستوں میں تھا
 ہم نے بھی سکر کے سبھی غم پھپھاٹے ورنہ ہمارا ذکر بھی آدول جلوں میں تھا
 میں خوش ہوا تھا کھڑے آنسو نکل پڑے کہتا ہے کون رنج میرے آنسوؤں میں تھا
 جن سے زمانے والوں نے تقدیر معین لی کس کو خبر کہ میں بھی انہیں بے بسوں میں تھا

ہر ایک دل کی بات تھی اس کے کلام میں

ہو مخموت جیل بڑے شاعر دل میں تھا

فضل عظیم جیل جی





عوامی حکومت اپنے ملک سے غریبوں کا خاتمہ چاہتی ہے.....؟

موجودہ عوامی حکومت نے الیکشن سے پہلے بڑے بڑے وعدے عوام سے کیے تھے لیکن بے روزگاری، بجلی کی نوڈ شیڈنگ، گیس کا بحران ختم کرنا۔ اسی وجہ سے عوام نے ان کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے انہیں ہماری سینڈیٹ سے نوازا تھا۔ اقتدار میں آتے ہی وزیراعظم اور وزیراعلیٰ پنجاب اپنے تمام وعدے بھول گئے اور عام آدمی کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا۔ گیس کے شدید بحران نے چولہے سرد کر دیئے اور معصوم بچے بغیر ناشتہ کیے سکول جانے پر مجبور ہو گئے۔

پٹرول کی قیمت کم ہونے کے باوجود جو غریب عوام دیکھوں میں روز اپنے کاموں پر آتے جاتے ہیں ان کو کوئی ریلیف نہیں ملا۔ گاڑیوں پر کرائے ناے نئے لگے ہوئے ہیں مگر وہ عوام سے حق پرانے کرائے وصول کر رہے۔ جب لوگ ان سے کرائے میں کمی کی بات کرتے ہیں تو وہ ان سے بدتمیزی کرتے ہیں۔ ان کو روکنے والا کوئی نہیں۔ انتظامیہ نئے کرائے ناموں پر عملدرآمد کرانے پر ناکام ہو گئی ہے۔ چھوٹے علاقوں میں اس سے بھی برا حال ہے۔ میری اس بات پر یقین نہیں تو آپ خود اپنی سادہ لباس میں ٹیم کے ہمراہ دیکھوں اور بسوں میں سفر کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ اگر اس برائی کو روکنا ہے تو کرپشن کرنے والے لوگوں کو موقع پر ہی عوام کے سامنے سزا دی جائے تاکہ وہ دوسرے کرپشن کرنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بن سکیں۔ جرمانوں سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ادھر وہ جرمانہ ادا کرتے ہیں ادھر زائد کرایہ وصول کر کے جرمانے کے پیسے پورے کر لیتے ہیں۔

کچھ ایم اے زاہد

میں نے ایک ایسے شخص کو پکڑا ہے جو کہ جادو نو نہ کے عملیات کرتا ہے اور
اسی کے جادوئی عمل سے میں اس مالی خوشحالی کے دروازے میں داخل ہوا ہوں

عشق جنون

بھ..... محمد رضوان قیوم

میں کسی زمانہ میں اپنے شہر کے ایک غیر معروف اخبار کے ادبی صفحے کیلئے مضامین کہانیاں لکھا کرتا تھا۔ مذکورہ اخبار کے دفتر میں جو بزرگ چپراسی کام کرتا تھا جسے سب چاچا کریم کہا کرتے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے آخری حد تک کئے ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں جب اُن سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کیسے کئے ہیں۔ تو وہ جواباً ہی کہتا تھا کہ۔

”یہ ایک اہنی کڑ مشین میں آ کر کئے ہیں۔“ میں ایک بار اتفاق سے مذکورہ اخبار کے دفتر گیا تو وہاں تقریباً سارا دفتر وہاں کے چھوٹے بڑے اہٹکاروں سے خالی تھا۔ وہاں صرف چاچا کریم اپنی کرسی پر اونگھ رہا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ۔

”آج یہ اخبار کے کارکن کہاں گئے۔؟“ اس نے جواباً کہا کہ۔

”آج فلاں اینڈ میٹر صاحب کے والد گرامی وفات پا گئے ہیں۔ کارکن وہاں گئے ہیں۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو بتلائیں؟“ میں نے اُسے کہا کہ۔

”میں نے دراصل اپنی کہانی کا مسودہ نذیر صاحب ادبی صفحے کے انچارج کو دیتا ہے۔“

”اگر آپ مجھ پر اعتبار کریں تو میں اس مسودے کو ان تک پہنچا دوں گا۔“

”ہاں..... کیوں نہیں۔“ میں نے چاچا کریم کے ہاتھ میں مسودہ دیتے ہوئے کہا۔

”اُس نے مجھ سے پوچھا کہ۔

”آپ اس قسم کی کہانیاں لکھتے ہیں۔؟“ میں نے جواباً اُسے کہا کہ۔

”میں زیادہ تر مافوق الفطرت جتنی اوپری اثر والی کہانیاں لکھتا پسند کرتا ہوں۔“ چاچا کریم جھٹ سے اپنی کرسی سے اٹھا اور کہنے لگا کہ۔

”آپ! کیا میری کہانی لکھیں گے۔؟“ میں نے پر جس انداز میں پوچھا کہ۔

”واقعی آپ کی ذات کے ساتھ کوئی مافوق الفطرت کہانی ختمی ہے۔؟“ چاچا کریم نے مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کے کئے انگوٹھے دیکھلاتے ہوئے کہا کہ۔

”ان کی کہانی لکھو گے۔؟“ میں نے اُسے کہا کہ۔

”چاچا! یہ تو بقول تمہارے دونوں انگوٹھے کیسی اہنی کڑ مشین کے اندر آ گئے تھے۔“ چاچا کریم نے



دانشجویی کہانی اور پڑھ 9 ۴ مارچ 2015ء

میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہلی اور مجھے کہا کہ۔

”میں نے اس دفتر میں سب لوگوں کو یہی بتلایا ہوا ہے کہ میرے یہ دونوں انگوٹھے ایک اکہی کڑ والی مشین میں آ کر فارغ ہوئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔“ میں نے حیران کن انداز میں کہا کہ۔

”تو پھر چاچا! حقیقت کیا ہے.....؟ اور آپ نے اپنے احباب سے اس کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا ہے.....؟“ چاچا کریم نے کہا۔

”میں تمہارے دل میں انٹنے والے دونوں سوالات کے جوابات چائے پینے کے بعد دوں گا۔ ٹھہرو پہلے میں ذرا دفتر کے سامنے قائم چائے کے کھوکھے والے کو چائے کا آرڈر دے دوں۔“

”لیکن چاچا کریم! چائے کے پیسے میں دوں گا۔“

”ارے تم! کیوں ایسے دو گے تم اس وقت میرے مہمان ہو۔ یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمہیں چائے پلاؤں۔“ چاچا کریم نے ہانڈا کی جانب کھٹکی کھڑکی سے منڈال کر دفتر کے سامنے موجود چائے کے کھوکھے والے کو آواز دے کر ہاف سیٹ چائے کا آرڈر دیا۔ چاچا کریم نے باقاعدہ کہانی شروع کرنے سے پہلے مجھے کہا کہ۔

”اُس نے اپنے ارد گرد کے ماحول میں اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کتنے کے ہارے میں جھوٹ اس لیے بولا ہے کہ ایک تو لوگ اس کی پراسراریت سے بھرپور کہانی پر یقین نہیں کریں گے اور یہ دوسرے یہ لوگ مجھ سے طرح طرح کے بے معنی سروکھانے

والے سوال کر کے مجھے جھگ کریں گے۔“ چاچا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ۔

”رہا سوال میرے ان دونوں ہاتھوں کے کئے ہوئے انگوٹھوں کا راز کیا ہے۔ اس کے پس دیوار جو پراسرار اور ناقابل یقین موڈ کی کہانی ہے۔ وہ اب تم مجھ سے سنو۔“ میں نے چاچا کریم سے پوچھا۔

”آیا کہ میں اس کہانی کے کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دوں؟“ تو انہوں نے مجھے کہا کہ۔

”بیٹا! جب تم خود کہتے ہو کہ تم جی کہانیاں لکھتے ہو تو یہ تم مجھ سے اب یہ نہ کہو کہ تم میری جی کہانی کے کرداروں اور مقامات کو تبدیل کر دو گے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تم میری کہانی سے واسطہ کرداروں مقامات کو من و عن محج ناموں سے ملے اور ویسے بھی میں نے اگلے چند روز میں رہنا نہ ہو کر اس اخباری دفتر سے چلے جانا ہے۔“ اتنے میں نیچے ہوٹل سے چائے آگئی۔ چاچا کریم نے میرے ہاتھوں میں چائے کا کپ تھمانے کے بعد اپنی کہانی کا باقاعدہ آغاز یوں کیا کہ۔

ہمارا خاندان تقسیم ہند سے پہلے موجود بھارت کے شہر رامپور کے علاقہ کل پورہ میں رہا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں علاقہ کل پورہ رامپور شہر میں انتہائی پسماندہ اور زندگی کی ضروری سہولیات سے محروم تھا۔ یہاں کی 100% آبادی مالی لحاظ سے انتہائی پس ہوئی اور بدحال تھی۔ نائی ڈھولی موچی الغرض تیسرے درجے کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے خاندان یہاں بسا کرتے تھے۔ ہمارے علاقہ میں برٹش حکومت نے کسی کو بھی باقاعدہ رہائشی عمارت بنانے کی ہرگز

باپ اپنے غصے کے معاملہ میں بڑا ڈھیٹ تھا۔ وہ جب اماں سے اڑے لگا کر گھر میں ناراض ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو لامحالہ ہمارے گھر میں مالی پریشانی، بھوک نئے انداز سے وارد ہوا کرتی تھی۔ اس کا دکھ لفظوں میں بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ایک دن میرے ابا نے میری والدہ کو اتنا مارا کہ وہ ناراض ہو کر ہم بہن بھائیوں کو لے کر اپنے مکتے میں ہمارے نانا کے پاس پونہ چلی آئی۔ میرے ابا کے پاس صرف میری ایک بہن رضی اس کی انیسیت میرے والد سے بہت زیادہ تھی وہ ہمارے ساتھ نہ آئی۔ جب میں اور میری اماں نانا کے گھر آ گئے۔ میرے نانا محلے گیوں میں ایک ریڑھی پر جس میں مستورات کے فیشن سے متعلق سامان سجا ہوتا تھا۔ وہ فروخت کیا کرتے تھے۔ حٹا ہر سائز کی چوڑیاں پلاسٹک کے برتن پرانے ناک کی کیلیں وغیرہ شامل تھیں۔ اُن کی ریڑھی کا کام بہت اچھا تھا۔ ان کی کوئی زینہ اولاد نہ تھی یعنی میرا کوئی ماموں نہ تھا۔ صرف دو خالائیں تھیں۔ ہمیں جب اپنے نانا کے گھر آئے ہوئے تقریباً 4 سے 5 روز ہو گئے تھے۔

ایک دن نانا نے خود میری اماں کو کھانہ کر۔ ”میں کریم کو علیحدہ سے ایک مستورات کی ضروریات سے بھری ایک ریڑھی لگوادیتا ہوں۔ اب میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں کریم تم اب سیانے ہو گئے ہو۔ ریڑھی کی آمدنی سے آدھا تم کھاؤ اور آدھا مجھے دو۔“ مجھے اور والدہ کو نانا کی یہ تجویز اچھی لگی۔

دوسرے دن نانا نے مجھے مستورات کی ضروریات سے لبریز سامان کی ریڑھی میرے حوالے کر دی۔

اجازت نہ دی تھی کہ وہ یہاں اپنا پکا مکان بنائیں بلکہ انہیں گورنمنٹ کی طرف سے یہاں تک سخت تنبیہ کی گئی تھی کہ اپنے مٹی پوتانی والے گھر نہ بنائیں انہیں صرف کپڑوں سے ڈھکی پردہ والی چھونپڑیاں نما عارضی مکانات بنانے کی اجازت تھی بعض اوقات جب تیز آمدنی یا تیز بارش ہوتی تھی تو ہماری کپڑوں سے بنی چھونپڑیاں الٹ پلٹ ہو جاتی تھیں۔ دراصل ہمارے علاقے میں حکومت ایک فوجی بیرک بنانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اُس نے اس علاقہ کا سروے بھی شروع کیا ہوا تھا۔ ہمارا آبائی پیشہ حجام تھا۔ میرے ابا نے اپنے گھر کے قریب ٹانگہ شینڈ پر ایک بوڑے کے درخت کے نیچے عارضی ٹھہرہ بنایا ہوا تھا۔ ٹانگہ شینڈ کے اس پھنے پر میرا باپ گلے گلے کی شیو اور زلف تراشی کیا کرتا تھا۔ ایک تو ہمارے گھر میں انتہائی بھیا تک انداز کی غربت تھی تو دوسرے میرے ابا اعلیٰ کھانے اڑانے اور فلم بنی کے انتہائی رسیا تھے۔

ابا شام کو اپنے حجامی ٹھہرے سے جو ٹوٹی پھوٹی رقم لے کر آتے تو ہم گھر والوں کے بمشکل آدھے پیٹ سے بھرتے تھے۔ والدین اور ہم بہن بھائیوں کے جسموں میں سے بچے پرانے کپڑے اور پیروں میں پڑی رنگ برنگ ٹوٹی کٹی جوئیاں، ہماری غربت کی تصویر کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ میری ماں ہر وقت میرے باپ سے لڑتی اور چیخ کر کہتی رہتی تھی۔ بعض دفعہ کی جھنجھلاہٹ میں آکر ابا میری ماں کو نہ صرف زد و کوب کیا کرتا تھا۔ بلکہ خود ناراض ہو کر گھر میں یہ کہہ کر بیٹھ جاتا تھا کہ آج میں اپنے ٹھہرے پر نہیں جاؤں گا۔ میرے ساتھ تم بھی بھوکے مرو۔ میرا

وہاں عورتیں لڑکیاں اسے گھیر لیتی۔ میں ان گھیلوں کو چوں میں کئی کئی چکر لگاتا تھا۔ میں نے چاند رات کو اپنی ریزمی احمد مگر کے ایک مشہور بازار عورت مارکیٹ میں لگائی تھی۔ مجھے نانا نے فیروز آباد اور حیدر آباد سے جو چوڑیاں خصوصی طور پر منگوا کر دی تھیں۔ وہ میرے سوا کسی کے پاس نہ تھیں۔ حالانکہ مجھے لڑکیاں عورتیں زور دے کر کہتی تھیں کہ میں ان کے ہاتھوں میں چوڑیاں پہناؤ۔ لیکن مجھے نانا کی جانب سے سختی سے تنبیہ تھی کہ میں کسی لڑکی یا عورت کو اپنے ہاتھوں سے چوڑیاں نہ پہنائے۔

چاند رات کو میں عورت مارکیٹ میں اپنی ریزمی میں کھڑا چوڑیاں فروخت کر رہا تھا کہ اس دروازے سے تین جوان لڑکیاں میری طرف آئیں۔ ان میں سے دو تو واجبی شکل و صورت کی تھیں۔ لیکن تیسری لڑکی جس کی عمر بظاہر دیکھنے میں 20 سال لگ رہی تھی۔ وہ دونوں سے انتہائی پرکشش اور اجلی رنگت پر مشتمل تھی۔ وہ تینوں میری ریزمی پر آ کر اپنی اپنی پسند کی الٹ پلٹ کر چوڑیاں چھانٹنے لگیں۔ ان تینوں میں سے ایک سانولی رنگت والی لڑکی نے گوری رنگت والی لڑکی کو ریزمی سے سرخ چوڑیوں کا سیٹ دیتے ہوئے کہا۔

”اری سدر! یہ چوڑیوں کا سیٹ تیری گوری کلائیوں پر خوب بیچے گا۔“

”ہاں..... تو صحیح کہتی ہے۔“ شمیم نامی لڑکی نے مزاحیہ انداز میں بڑے چنچل انداز میں کہا۔

”اری کالیو! تم بھی اپنی کلاہٹ مائل سلیٹی رنگت والی کلائیوں کے لیے کوئی خاستری رنگت والی

ریزمی میں ہر قسم کی چوڑیاں رنگ برنگے پراندے سبک اپ کا سامان موجود تھا۔ نیز پہلے دن پھیری میں ہانے سے پہلے نانا نے مجھے زور دے کر چند یہ ضروری باتیں سمجھائیں کہ۔

”بیٹا کریم! تم نے انتہائی ایمان داری سے مناسب منافع کے تحت اپنا سودا فروخت کرنا ہے اور دوسرے اپنی ریزمی سے سودا سلف لینے والی عورتوں لڑکیوں سے غیر ضروری باتیں نہیں کرنی اور اپنی نگاہ کو ہر سورت میں قابو میں رکھنا ہے۔“ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ۔

”نانا جان! آپ کو میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ملے گی۔“ پھر میں گھیلوں کو چوں میں آوازیں ر مار کر ریزمی کی پھیری لگانے لگا تھا..... الحمد للہ سیرا کام بہت اچھا چلنے لگا تھا۔ مجھے دن میں اچھے نامے منافع کے میسٹل جاتے تھے۔ بعض دفعہ مجھے نانا سے زیادہ منافع حاصل ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے مطمئن ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے نانا کے گھر کے معاشی حالات میں بھی بہتری آنا شروع ہو گئی تھی۔

بقول راوی کے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں ہم مسلمانوں کی چھوٹی عید قریب تھی۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ نانا نے خصوصی طور پر ریزمی رنگ برنگی کاٹیج کی بنی حیدر آبادی فیروز آبادی چوڑیوں سے بھر دی تھی اور مجھے ہدایت کی۔

”تم! احمد مگر کی مسلمان علاقوں والی گلی محلوں میں جا کر زیادہ سے زیادہ پھیریاں لگاؤ۔“ میں ان کی ہدایت پر ایسا کرنے لگا تھا۔ میری چوڑیوں سے بھری ریزمی جیسے ہی مسلمانوں کی گھیلوں کو چوں میں کھتی تو

چوڑیاں پسند کرو۔“

نے خاموشی سے ہلکا سا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہمیں اس برائے کی مختلف رنگوں کے تین سیٹ دے دو اور ہم تینوں کے ہاتھوں میں یہ چوڑیاں پہننا ہوں۔“

”جی! ہم چوڑیاں بیچتے ہیں۔ عورتوں کے ہاتھوں میں ہم چوڑیاں نہیں پہناتے۔“ ان میں سے ایک لڑکی بولی۔

”آپ! چوڑیوں کا کام کرتے ہیں اور چوڑیاں پہناتے ہیں۔“ اُس لڑکی کی بات کا سن کر

”مجھے تو قیمت کے لحاظ سے یہ چوڑیاں مناسب لگ رہی ہیں۔ لیکن مجھے یہ شک ہے کہ یہ میری کلائیوں میں چھوٹی ہیں۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایک چوڑی فروش بھلا چوڑی پہناتا نہ چاہتا ہو۔“ اُس نے اپنی خوبصورت سی ناک کو جنبش دے کر مجھ سے منت بھرے انداز میں کہا۔

”آپ! شرمائیں نہ مہربانی کر کے آپ میری کلائیوں میں پہننا دیں۔“ میں نے اپنی جانب بڑھی اس کی گوری کلائیوں کو دیکھا تو ایک تو میرا دل کیا کہ اس کا گورا ہاتھ تمام لو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنے نانا کی وہ بات یاد آ رہی تھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ کسی لڑکی یا عورت کا چوڑیاں پہناتے کی غرض سے ہاتھ نہ پکڑنا۔ میں اپنی سوچوں کی اس شش و پنج میں ابھی گم تھا کہ ان تینوں میں سے ایک لڑکی نے جیسی آواز میں کہا کہ۔

”ارے دیکھو شمیم! یہ کتنا بیوقوف نوجوان ہے۔

ایک خوبصورت گوری لڑکی اپنی کلائیوں بذات خود کسی

”سدا! تو اتنی بھی خوبصورت نہیں ہے جتنی تو

اپنے آپ کو سمجھتی ہے۔“ وہ تینوں ایک دوسرے کو بڑے چنچل، طفلیہ انداز میں جھلکتا مار رہی تھیں۔ میں نے کن آنکھیں سے اس گوری رنگت اور خوبصورت

ناک نقشے والی سدا کو دیکھا تو سچی بات ہے دل میری لگا ہوں کو یہی اکسا تا رہا تھا کہ اسے دیکھتا ہی رہوں۔ حالانکہ اُس وقت میری ریڑھی میں لاتعداد خریدار

عورتوں لڑکیوں کا رش لگا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے چوڑیوں کی قیمتوں کے بارے میں مول تول کر رہی تھی لیکن اُس وقت میرا دل میرا دھیان لگا ہوں کو بار بار اس کے جلوے کی جانب مبذول کر رہا تھا۔

”ارے! یہ سرخ فیروز آبادی چوڑیوں کا سیٹ کتنے کا ہے؟“ سدا نامی لڑکی نے ایک چنچل مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

”جی 12 پیسے درجن۔“ اُسی ریڑھی پر کھڑی ایک بڑھیا نے درمیان میں چلاتے ہوئے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

”یہ تو! تو نے مجھے 18 پیسے درجن کہا تھا۔“ ان چوڑیوں کی قیمت واقعی 18 پیسے تھی۔ وہ کیونکہ خریدی 14 پیسے درجن تھی۔ اب مجھے سدا کی خاطر پہلی بار جھوٹ بولنا پڑا۔

”جی! چوڑیاں 12 پیسے درجن ہی آپ کو میں نے وہ سامنے پڑی چوڑیوں کی قیمت بتلائی تھی۔“

”اچھا لیکن بات ہے تو مجھے تین درجن چوڑیاں دے۔“

”اتنی سستی۔“ ان تینوں لڑکیوں میں سے ایک

سے زخمی نہ ہو جائیں۔ میں ایک نظر سردرا کے چہرے پر نظر ڈالتا اور دوسری اس کی کلائی پر اور میں دیر تک اس کا دیدار کرتا رہا۔ میں نے اگرچہ پہلی بار کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس میں چوڑیاں چڑھائیں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ساری کی ساری چوڑیاں بغیر ٹوٹنے اور اس کے ہاتھوں کی کلائیوں کو نقصان دیئے بغیر چڑھ گئی تھیں۔

”ارے! تیرا تو ہاتھ بڑا ہلکا ہے۔ چوڑیاں چڑھتے وقت مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔“ بعد میں اُن سے ایک لڑکی نے بھی مجھ سے اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں چڑھوائیں۔ اب میں بغور سردرا کے کھلے چنچل چہرے کی جانب دیکھے جا رہا تھا اور اس کے لبوں سے نکلنے والی ہلکی ہلکی مسکراہٹ کسی گلابی پھولوں سے نکلنے والی بھنی خوشبو کی طرح میرے دل میں اترنے لگی تھی۔

”چلیں اب۔“ سردرا نے جب اپنی سہیلیوں کو یہ لفظ کہا تو میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔

”ہاں چل ایسا کرتے ہیں کہ دوپٹہ والے کی دکان سے چٹاپی کا دوپٹہ لیتے ہیں۔“

”ہاں چل ہم نے ابھی، اور بھی شاپنگ کرنی ہے۔“ وہ تینوں چلی گئی۔ ان تینوں لڑکیوں نے اپنی اپنی چوڑیوں کے پیسے دیئے اور وہ پھر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ گا ہک کی صورت میں آئی ہوئی سردرا پہلی لڑکی تھی جو مجھے دلی طور پر مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ حالانکہ اُس وقت میری ریزمی پر دیگر کئی عورتوں کی لڑکیوں کا چوڑیاں خریدنے کا رش لگا ہوا تھا۔ لیکن سچی بات ہے کہ میرا سردرا کو دیکھنے کے بعد ریزمی کی گاہکی سے

نو جوان لڑکے کے ہاتھوں میں دے رہی ہے اور یہ کسی جھوٹے کی طرح اسے اپنے ہاتھوں میں لینے سے کترا رہا ہے۔“ اُس لڑکی کے اس دبے الفاظ کا طعنہ مجھے کسی نشتر سے کم نہ لگا میری مردانہ غیرت نے جوش مارا۔۔۔۔۔ میں نے جھٹ سے بغیر کسی سوچے سمجھے بغیر نانا کی وصیت کی پروا کئے بغیر اُس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”لاؤ میں تمہاری کلائیوں میں چوڑیاں چڑھا دوں۔“

”یہ تم نے ہمیں پہلے کیوں کہا کہ تم عورتوں کو چوڑیاں پہنچتے ہو ان کی کلائیوں میں چوڑیاں چڑھاتے نہیں ہو۔“ میں نے بھی ڈرتے مسکراتے ہوئے سردرا کی گوری کلائی کو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا کہ۔

”میں نے یہ کہا تھا کہ ہم عورتوں کی کلائیوں میں چوڑیاں نہیں چڑھاتے۔ لیکن آپ تو لڑکی ہیں۔“

”ارے! اب آیا نہ لائن پر۔“ ان تینوں میں سے شیم ہائی لڑکی نے یہ جملہ کہا تو تینوں ہنس پڑیں۔

میں نے سردرا کا ہاتھ پکڑا تو مجھے اس لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے مجھ غریب کے ہاتھ میں ساری دنیا کا سن و دولت ایک خوبصورت ہاتھ کی صورت میں سمٹ آیا ہے۔

”دیکھنا آرام سے یہ فیروز آبادی چوڑیاں چڑھانا ایسا نہ ہو کہ میری کلائیوں میں کچھ کچھ ٹوٹ نہ جائیں۔“ میرا ایک تو دل کیا کہ کہہ دوں کہ مجھے تو میری کٹے بھاؤ چوڑیوں کی فکر نہیں ہے دراصل فکر مجھے اس کی نازک گزار گوری رنگت پر مشتمل کلائیوں اور ہاتھ کی تھکی جو کانچ کی چوڑیوں کے ٹوٹنے کی ضرب

جزے معاملات سے دھیان اٹھ گیا تھا۔ میں نے دیگر گاہک عورتوں لڑکیوں کو بڑی بے دلی سے ڈیل کیا۔

اب چاند رات اپنے آخری اختتام پر پہنچ رہی تھی۔ فجر کی اذان ہندو سکھوں کی پراتھنا عبادتوں کا آغاز ہونے کو ہی تھا۔ میری ریزمی ویسے بھی چوڑیوں سے خالی ہو چکی تھی۔ میں نے بھی اپنی ریزمی بند کی اور میں اپنے گھر آ گیا۔ میرے نانا بھی اپنے کام سے واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے میرے کام کی پوزیشن اور آمدنی پوچھی تو میں نے انھیں بتلایا کہ۔

”میں نے آج اتنے پیسے کمائے ہیں۔“ میں نے انھیں جب اپنی سیل کے بارے بتلایا تو انہوں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”گلتا ہے آج تمہارا دماغ اپنی ریزمی پر آئی گا گاہک لڑکیوں عورتوں کی جانب مبذول ہو گیا ہوگا اور اسی وجہ سے تم نے آج چاند رات ہونے کے باوجود صحیح منافع بخش کاروبار نہیں کیا۔“ وہ اپنی جگہ صحیح تھے۔ میں نے واقعی سدرہ کے حسن کے بحر میں ڈوب کر اپنی ریزمی پر صحیح طریقے سے دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن بہر حال میں نے انھیں یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ۔

”میرے سر میں شدید درد تھا۔ اس لیے میں رات کو اپنے کاروبار پر توجہ نہ دے سکا۔“ سدرہ کے عشق حسن کا میرے دل و دماغ پر اتنا نشہ طاری ہو چکا تھا کہ میں نے اللہ معاف کرے۔ اُس صبح عید کی نماز بھی نہیں پڑھی میں سر پر شدید درد کا بہانہ کر کے بستر پر لیٹا رہا۔ بستر پر لیٹے لیٹے میرے دماغ پر کئی سوالات اٹھنے لگے تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ مجھے

یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ اس کے بارے میں باقی باتیں تو بعد کی تھیں۔ مثلاً آیا کہ شادی شدہ ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر وہ مجھے مل بھی گئی تو وہ میری جانب کا مزن بھی ہوگی کہ نہیں وغیرہ۔۔۔۔۔ میں سدرہ کے عشق میں نیم پاگل پنے اور خود ساختہ محبت بھرے خوابوں کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ میں عید کے روز دو چار گھنٹے سونے کے بعد دوبارہ اُس بازار میں گیا۔ جہاں میں نے چاند رات کو ریزمی لگائی تھی۔ میں نے وہاں اپنے ایک دوست امصر سے سدرہ اور اس کی سہیلیوں کے چلنے کے بارے میں ذکر کیا اور اسے میں نے کہا کہ۔

”اس نے میرا یہ کام ہر قیمت پر اور راز داری سے کرنا ہے۔“ وہ میرا بہت اچھا پر تکلف دوست تھا۔ امصر نے مجھے کہا کہ۔

”اول تو یہ بازار بہت بڑا ہے۔ اب جس طرح تو سدرہ نام کی لڑکی کا حلیہ بتا رہا ہے۔ اسے ڈھونڈنا بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ کسی اندھیرے کمرے میں کوئی سوئی ڈھونڈنا۔ لیکن اس کے باوجود میں ارد گرد خفیہ طور پر تیرے بتلائے ہوئے چلنے کی لڑکی کی تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔“ اُس وقت اُس نے مجھے کہا کہ۔

”اُس سراب نما عشقیہ خط میں نہ پڑ تو بہتر ہے۔“ سدرہ کا چہرہ میرے اعصاب سوچوں خوابوں میں اتنا حاوی ہو گیا تھا کہ میں خناس عشق کی خاطر روزانہ صبح شام ایک چکر عورت بازار کی مارکیٹ اور اس کی محلہ گلیوں کو چوں میں اس کی تلاش کے لیے لگانے جاتا تھا۔ اسی طرح روزانہ کی بنیاد پر اپنے دوست امصر کی

دکان پر بھی جاتا۔ لیکن وہ مجھے منفی طور پر یہی جواب دیتا تھا کہ۔

”میں نے ارد گرد سے جس چلپے کی تو نے لڑکی بتلائی تھی۔ لیکن مجھے خاص کامیابی نہیں ہوئی ہے۔“ میں سدرہ کے عشق میں اتنا فریفتہ ہو گیا تھا کہ اب مجھے سوائے اس کے تصور کے اور کچھ سچائی نہیں دے رہا تھا۔ میرا اپنے کام پر دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ میرے نانا اور دیگر گھر والے مجھ سے میری کم صمیمیت کے بارے جب پوچھا کرتے تو میں انھیں کہتا تھا کہ۔

”میری طبیعت خراب ہے۔“ نانا مجھے ایک دودھ شہر کے ڈاکٹروں کے پاس بھی لے کر گئے۔ میرے گھر والوں کو کیا پتہ تھا کہ میرے دل میں کسی کے عشق کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔

ایک دن میرے نانا شہر کے ایک مشہور حکیم کو لے آئے۔ انہوں نے میری نبض دیکھ کر صاف صاف نانا کے منہ پر یہ لفظ کہا کہ۔

”تیرے نواسہ کو کوئی جسمانی مرض لاحق نہیں ہے۔ لگتا ہے اس کے دماغ پر کسی کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔“ میرے نانا نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا کہ۔

”وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔“ بلکہ انھوں نے میری ماں کو کہا کہ۔

”میں نے ترس کھا کر اس نہ خلف کو چوڑیوں کی ریڑھی اس لیے لگا کر دی تھی کہ وہ میرے کنبے کا سہارا بنے گا اور اسے میں نے ریڑھی لگوانے سے پہلے سمجھایا تھا کہ وہ چوڑیوں والی ریڑھی کے کام میں کسی عورت لڑکی کی جانب راغب نہ ہو۔“ انھوں نے

مجھے بہت لعن طعن کی۔۔۔۔۔ جبکہ میری ماں اپنے منہ میں اپنا دودھ رکھ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد نانا نے جھنجھلاہٹ اور غصے میں ماں کو کہا کہ۔

”خدا کے لیے تو اپنی اولاد کو لے کر میری دلہیز سے چلی جائے ڈر ہے کہ تیرا یہ عاشق مزاج لڑکا میری اس علاقہ میں بنی بنائی عزت کو خاک میں نہ ملا دے۔“

ماں نے روتے ہوئے مجھے کہا کہ۔

”تجھے میری قسم ہے تو مجھے بتلا کہ کس کے ساتھ عشق میں گھل رہا ہے۔۔۔۔۔؟“ میں نے کہا کہ۔

”ماں! میں ایک سدرہ نامی لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔“

”دو کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔۔۔۔۔؟“

”میں اُس کا صرف نام جانتا اور اس سے آگے مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے۔۔۔۔۔؟ اُس کی ذات کیا ہے۔۔۔۔۔؟“ نانا نے چلاتے ہوئے مجھ سے پوچھا تو میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ۔

”میں نے آپ کو کہا نہ کہ مجھے صرف اس کا نام پتہ ہے۔“ نانا نے مجھے ایک طرف لے جا کر غصے سے کہا۔

”ارے بچے! تو تصوراتی عشق کے خناس سے نکل جا۔ یہ تیرا پاگل پن نہیں ہے تو کیا ہے۔ تجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔ اُس کا کیا عقیدہ مسلک ہے۔“ میں نے نانا سے زبان چلانا شروع کر دی۔

”میں نے سدرہ کو ہر حال میں حاصل کرنا ہے۔“

ماں نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا کہ۔

”دفع ہو جا میری نظروں سے۔“ میں انتہائی جذباتی انداز میں اپنے کمرے میں آ گیا میرے پیچھے اماں اور نانا بھی آ گئے۔ نانا نے مجھے سمجھایا کہ۔

”بیٹا! تم قل الجال اپنے کاروبار پر توجہ دو اور یہ بے کار میں اپنے ذہن سے اس کا تصور اتنی عشق کا خناس نکال دو۔“ نانا نے مجھے یہ بھی کہا کہ۔

”تم کل سے میرے ساتھ میری ریزمی پر پھیری لگاؤ گے اور تم کل سے عورت بازار نہیں جاؤ گے۔“ میں گم صم سدا کے چہرے کو اپنے تصور عشق میں لائے پڑا رہا۔

اگلی صبح ناشام نانا نے مجھے عورت بازار سے دور مخلقہ گلیوں کو چوں میں رکھا۔ میں ولی طور پر بود ہو رہا تھا۔ میرا کام پر دل نہیں لگ رہا تھا۔ میں حالانکہ اپنے ذہن سے سدا کے عشق کے بھوت کو گرانا چاہ رہا تھا۔ لیکن دل تھا وہ پھر حاوی ہو کر بار بار سدا کے تصور کو میرے ذہن میں سوار کیے جا رہا تھا۔ تین چار دن یونہی گزر گئے۔ میں اگر چاہی ریزمی نانا کے بتائے ہوئے پوائنٹ پر لگا رہا تھا۔

میرے نانا نے ایک دن میری خاموشی اور حالت کو بھانپتے ہوئے خود ہی کہا کہ۔

”بیٹا کریم! تم اپنے آپ کو سنبھالو۔“ انھوں نے مجھے اپنی جیب سے ایک روپیہ دیتے ہوئے کہا۔

”لو اس سے ٹوشکی دیکھ آؤ۔“ (میلہ) میں نے دل میں سوچا کہ میں اصغر کے ساتھ اُس کی دکان پر جاتا ہوں اور اُسے کہتا ہوں کہ وہ بھی میرے ساتھ ٹوشکی دیکھنے چلے۔ میں اس کی دکان پر گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی دکان کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ اُس نے

چند روز میں بڑی خلاف توقع ترقی کر لی تھی۔ اس کی دکان نئے سامان سے لبا لب بھری پڑی تھی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی دکان کو دیکھنا شروع کیا تو اُس نے مجھ سے پوچھا۔

”یار! یہ تو میری دکان کی تقدیر کو یوں اپنے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا؟“

”یار! یہ تیری دکان کی تقدیر کیسے چمک گئی اور ماکھوں کا اثر وحام کہاں سے آ گیا.....؟“ اُس نے مجھے کہا کہ۔

”جی بولوں..... میں نے ایک بڑا عجیب نہ قابل تھیں شارٹ کٹ مارا ہے۔“

”کیسا شارٹ کٹ.....؟“ میں نے اُس سے حیرانگی سے پوچھا۔ انھوں نے اپنے سیل مین کو آواز دے کر کہا کہ۔

”وہ اس کی جگہ بیٹھے۔“ اور پھر وہ مجھے اپنی دکان کے ایک کونے میں لے گیا۔ اُس نے مجھے کہا کہ۔

”تو میرا جگری دوست ہے اور میں تجھ سے بالکل جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ جو تو میری دکان کی چمک دمک گا کھوں کا درس اور میری ترقی دیکھ رہا ہے۔ اس کے لیے میں نے ایک ایسے شخص کو پکڑا ہے جو کہ جادو نو نہ کے عملیات کرتا ہے اور اسی کے جادوئی عمل سے میں اس مالی خوشحالی کے دروازے میں داخل ہوا ہوں۔ یار! مجھے تو اُس شخص پر پورا اعتماد ہے۔ تو دیکھنا مجھے اس کے جادوئی عمل سے اور بھی بہت کچھ ملے گا۔“ (جاری ہے)

ۛۛۛ

مجھے ابھی بھی خود پر یقین نہیں آرہا تھا کہ میرے ایک
روح سے بات چیت کی ہے لیکن یہ سچ تھا اور مجھے ماننا پڑا۔
میں اپنے بستر پر دوبارہ لیٹ گیا مگر نیند مجھ سے کوسوں دور تھی

روح کا عشق

کچھ..... فیصل ندیم ساحل۔ موبائل نمبر 0346-4752726

(آنچل) (H-36)

نے کچھ شادی کے ضروری کام نمٹا لیے۔

رات ہوتے ہی دوستوں کی محفل جمی اور ڈھیروں
باتیں ہونے لگیں..... باتوں کے دوران شیراز کے
ایک دوست نے اسے یاد دلایا کہ شیراز نے وعدہ کیا
تھا کہ وہ رات کو اپنی زندگی کا وہ سچ سنائے گا جو اسے
آج بھی یاد آتا ہے۔ اس پر شیراز نے کہا۔

”ہاں..... ضرور تو سنو دوستو!“

جب میں کام کے سلسلے میں شیخوپورہ گیا ہوا تھا تو
جہاں میں کام کرتا تھا وہاں نزدیک کوئی رہائش وغیرہ
کا بندوبست نہیں تھا۔ اس لیے مجبوراً مجھے رہائش کا
انتظام گاؤں میں ہی کرنا پڑا۔

وہاں پہ مجھے خدا خدا کر کے ایک چھوٹا سا مکان
مکان کیا بلکہ ایک گزارے کے لیے ایک کمرہ مل گیا۔
میں حیران تھا کہ یہ گھر ابھی تک خالی کیسے پڑا ہے اور
اتنی آسانی سے مجھے مالک مکان نے کرائے پر دے
دیا ہے اور وہ بھی بازار کے حساب سے قدرے کم
کرائے پر۔ میں نے سوچا کہ میں بہت قسمت والا
ہوں جو مجھے اتنی اچھی حالت کا کمرہ مل گیا ہے۔

شیراز کئی سالوں بعد اپنے گھر لوٹا تو اس کے
دوستوں نے اسے گھیر لیا۔ کافی سارا وقت ساتھ بتانے
کے بعد اور حال احوال پوچھنے کے بعد شیراز کے ایک
دوست نے شیراز سے پوچھا۔

”شیراز! تم نے اتنے سال اپنے گھر سے دور
گزارے ہیں تو کوئی ایسا واقعہ تو سناؤ جو سچ میں
تمہارے ساتھ پیش آیا ہو اور جسے تم آج بھی یاد کرتے
ہو۔“ شیراز نے ایک ٹھنڈی آؤ بھری اور کہا۔

”ہاں..... یاد ہے مجھے ایک ایسا واقعہ جو میرے
ساتھ حقیقت میں پیش آیا ہے۔ جسے میں آج بھی یاد
کرتا ہوں اور شاید کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔ سن وہ
واقعہ اس وقت نہیں سناؤں گا۔ رات کو جب سب
دوست دوبارہ مل کر بیٹھے گے تب سناؤں گا کیونکہ یہ
واقعہ تھوڑا لمبا ہے اور مجھے اپنی شادی کی بھی کچھ تیاری
کرنی ہے۔ اس لیے شام کو ملیں گے۔“ شیراز یہ کہہ کر
وہاں سے چلا گیا اور باقی دوست بھی شام تک کے
لیے اپنے گھروں کو چل دیے۔ شام ہونے تک شیراز



مکان ذرا آبادی سے ہٹ کر تھا۔ مگر اس میں سہولیات ساری تھیں۔ میں نے تنہائی کی فکر نہ کرنے ہوئے وہاں رہنا شروع کر دیا۔ بعد میں مجھے وہاں کے مقامی لوگوں سے پتہ چلا کہ۔

”وہاں تو کوئی رہنے کو تیار ہی نہ تھا میں نے کیسے رہائش اختیار کر لی؟“ تو میں نے ان سے کہا کہ۔

”اتنا اچھا گھراٹے کم پیسوں میں کرائے پر ملا ہے وہ اس موقع کو ہاتھ سے بھلا کیسے جانے دیتا۔“

تب لوگوں نے بتایا کہ۔

”اس گھر میں کسی آسیب کا سایہ ہے۔ وہاں کوئی تک ہی نہیں پاتا۔ اسی لیے یہ گھر برسوں سے ویران پڑا تھا۔ اس سے پہلے بھی جو لوگ یہاں رہنے کے لیے آئے تو بھاگ گئے یا پھر خوف سے مارے گئے۔“ مقامی لوگوں کی ان باتوں سے میں خاصا پریشان ہوا اور سوچنے لگا۔

”کہیں یہ سچ ہی نہ ہو۔“ مگر میرے پاس کوئی

اور راستہ نہیں تھا دور دور تک رہائش کا کوئی انتظام نہ تھا اور میں اپنے خرچ کے حساب سے مالک مکان کو پیشگی کرایہ دے چکا تھا۔ جب مجھے کوئی راہ نظر نہ آئی تو میں نے خدا کو یاد کر کے کہا۔

”کوئی بات نہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ خدا سب بہتر ہی کرتا ہے۔“ میں نے اپنے دل کو مضبوط رکھا اور اس گھر میں رہائش اختیار کر لی۔ مجھے پہلی آنے والی رات کی فکر تھی جو بالکل صحیح طرح گزر گئی۔ اس رات کے گزرنے کے بعد میرا آدھا خوف تو جاتا رہا۔ میں کافی حد تک اسے جھوٹ اور لوگوں کی من گھڑت کہانیاں کہتا رہا۔ اگلے دن میں کام کرتا رہا اور رات کو آکر اس کرائے کے گھر میں آکر آرام سے سو گیا۔

دوسری رات بھی جب کوئی انوکھی بات نہ ہوئی تو میں نے یہ بات جانی کہ کچھ بھی نہیں ہے یہاں اگر کچھ ہوتا تو اب تک اسے کوئی نہ کوئی انوکھی بات تو ضرور دیکھنے سننے کو ملتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا اس کا مطلب ہے یہ مجھ سے لوگ جھوٹ کہہ رہے تھے اور اس کے بعد بھی کئی دن تک کچھ انوکھا نہ ہوا۔ میں تو جسے بھول ہی چکا تھا۔ اب کہ یہاں پر میرے علاوہ بھی کوئی اور رہتا ہے۔

پھر ایک رات اچانک سے مجھے خیال آیا تو میں نے گھر کی گیلری میں دیکھا اور ساتھ ہی میں یہ کہا۔ ”کچھ بھی ہو یہاں پر میرے علاوہ اگر کوئی ہوتا تو مجھے دکھائی دیتا اور ویسے بھی اس ویران گھر میں کون رہے گا میرے سوا۔“ میں یہ کہہ کر سو گیا۔ نہ جانے رات کے کس پہر کسی نے مجھے بازو

سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ میں اس اندھیرے میں اپنے آپ کو کسی کے اچانک تھام لینے سے خفا ہو کر رہ گیا۔ میں فوراً ہی بلب روشن کرنے کے لیے سوئچ کی طرف بڑھا۔ اپنے اندازے کے مطابق میں نے سارے بٹن دبائے مگر بلب روشن نہیں ہوا۔ یہ پہلے پہ دھلے والی بات میرے ساتھ ہوئی۔ میں ابھی اسی کرب میں مبتلا تھا کہ اچانک ہی ایک موم بتی روشن ہوئی۔ میں نے مڑ کر فوراً اس جانب دیکھا تو مجھے ایسا لگا میری روح شکنجے میں آگئی ہو..... مجھے لگا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں مگر اپنی آنکھوں کو مسٹنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ جس کا سامنا میں آج کرنے والا ہوں۔

اس موم بتی کی روشنی میں میں نے دیکھا ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی اپنے ہاتھ میں موم بتی اٹھائے کھڑی ہے اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ میرے حلق سے تو جیسے آواز نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جبکہ میں اس سے پوچھنا بھی چاہ رہا تھا کہ ”آ خر کون ہو تم۔؟“

میرے پوچھنے سے پہلے ہی اس کے لب کھلے اور اس نے کہا۔

”ڈرومت میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی اور تم یہی جاننا چاہتے ہوں کہ میں کون ہوں.....؟ تو میں وہی ہوں جس کے بارے میں تم نے لوگوں سے سنا ہے اور جسے تم کچھ دنوں سے محسوس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آج رات جب تم نے گیلری میں دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ اس گھر میں تو کوئی بھی نہیں ہے میرے سوا تو میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں کہ اس گھر میں

صرف تم ہی نہیں میں بھی رہتی ہوں اور اس وقت سے رہتی ہوں جب یہاں پر آبادی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس کے نرم الفاظ اور پیار بھرے لہجے سے مجھے کچھ حوصلہ ہوا۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ۔

”تم سچ بتاؤ تم کون ہوں.....؟ کہیں تم چڑیل یا کوئی بدروح تو نہیں ہو.....؟“ اس پر وہ کھل کر ہنسی اور بولی۔

”نہیں..... میں کوئی چڑیل نہیں ہوں میں تو ایک آزاد روح ہوں جو برسوں سے اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”مگر میں نے تو لوگوں سے سنا ہے کہ تم بہت ظالم ہو اور یہاں پر کسی کو بھی نہیں رہنے دیتی۔ تم نے کئی لوگوں کو مار ڈالا ہے۔ کیا تم مجھے بھی مارنے آئی ہو.....؟“ وہ پھر مسکرائی اور بولی۔

”میں ظالم نہیں ہوں ہاں مگر مجھے اپنے سوا یہاں کسی اور کی موجودگی برداشت نہیں۔ میں نے صرف ان لوگوں کو ہی مارا ہے جنہوں نے میری بات نہیں مانی۔ گھبراؤ نہیں میں تمہیں نہیں ماروں گی۔ میں تو بس تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ تمہارے علاوہ بھی یہاں کوئی رہتا ہے اور وہ میں ہوں۔ اب تم نے مجھے دکھایا ہے تو تم یہ کبھی نہیں کہو گے کہ میں اس گھر میں اکیلا رہتا ہوں۔“ میں نے پوچھا کہ۔

”تم نے لوگوں کو کیوں مارا ہے.....؟ اور کیا تم مجھے بھی مار دو گی۔ اگر میں نے تمہاری بات نہیں مانوں گا تو۔“ وہ یہ کہہ کر غائب ہوئی گئی۔

”میں تمہیں کل بتاؤں گی۔“ اس کے ساتھ ہی سوہتی بجھ گئی جو کچھ دیر پہلے اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ

میرے لیے ایک بالکل نیا امر تھا اور میں دم سادھے کھڑا تھا۔ مجھے ابھی بھی خود پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے ایک روح سے بات چیت کی ہے لیکن یہ سچ تھا اور مجھے ماننا پڑا۔ میں اپنے بستر پر دوبارہ لیٹ گیا مگر خیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ میں رہ رہ کر اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ خیر دن ہوا میں کام پر چلا گیا مگر اس روح کے بارے میں جاننے کے لیے میں آج رات کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا اور خدا خدا کر کے رات آتی گئی۔ کھانا بنانے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اب میری آنکھیں اس چہرے کی تلاش تھیں۔ جس نے میرے وہم و گمان کو جکڑا ہوا تھا۔

رات آئی اور میں لپٹے ہی سو گیا۔ پھر وہی ہوا کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھا دیا اور میں پاگلوں کی طرح اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آج پھر میں لائٹ جلانے کے لیے اٹھا مگر آج پھر لائٹ نے دھوکا دیا اور پھر اس روح نے موم بتی جلائی اور کہا۔

”کیسے ہو تم؟“ میں نے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ وہ کہنے لگی۔

”میں تمہیں دن کی روشنی میں یا بجلی کی روشنی میں نہیں بلکہ موم بتی یا لائٹیں کی روشنی میں ہی نظر آ سکتی ہوں کیونکہ روحوں کا ایک اپنا جہاں ہے اور اپنا طرز زندگی ہوتا ہے۔“ میں نے اس سے پوچھا کہ۔

”اے روح! آپ کا نام کیا ہے؟“ تو اس نے جواب میں کہا۔

”میرا نام آئیل ہے۔“ پھر اس نے مجھ سے

میرا نام پوچھا۔ تو میں نے اسے اپنا نام بتا دیا۔

اس نے بتایا کہ کس کس کو اس نے مارا ہے آج تک..... میں اس کی باتیں سننے لگا..... وہ کہنے لگی کہ۔

”سب سے پہلے جو لوگ یہاں رہتے تھے وہ اچھے لوگ تھے میں نے انہیں کبھی تنگ نہیں کیا مگر ایک ذلیل انسان نے ان غریبوں کو دھکے مار مار کر یہاں سے باہر نکال دیا اور خود اپنے گھر والوں کو لیے اس گھر میں رہنے لگا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ اور بہت غصہ بھی آیا۔ میں نے اس شخص کے بیٹے کو اپنی موجودگی ظاہر کرائی اور کہا کہ اپنے باپ سے کہو یہاں سے جن لوگوں کو نکالا ہے۔ انہیں واپس یہاں لا کر رہنے دے۔ ورنہ میں تم سب کو بھیا تک موت مار ڈالوں گی۔ اس کے بیٹے نے جب اپنے باپ سے یہ کہا تو وہ بدکردار یہ کہنے لگا کہ کہاں ہے وہ چیل بھوت مجھے تو نظر نہیں آ رہی۔ اس نے اس گھر سے جانے سے انکار کر دیا اور مجھے گالیاں بھی دیں۔ مجھے بہت غصہ آیا اور پھر میں نے اسے اس کے گھر کی سزا دی۔ اس طرح باقی لوگوں کو بھی اس کی حقیقت کا علم ہو گیا میں نے سب سے پہلے اس شخص کی بیوی کے جسم میں داخل ہو کر اسے اپنے اختیار میں کرتے ہوئے چھری کے وار سے اس شخص کے سامنے اس کی دونوں بیٹیوں کا گلا کاٹ کر مار ڈالا اور پھر اس کی بیوی کو بھی اپنے گلے پر چھری چلانے پر مجبور کر دیا۔ اس شخص نے جب یہ دیکھا تو حیران و پریشان ہو کر رہا مگر میں نے اسی پر ختم نہ کیا بلکہ اس کے بیٹے کو اس کی آنکھوں کے سامنے دل سے محروم کر کے آگ میں پھینک دیا۔ اس پر وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا مگر میں نے اس

کے حواس اس سے چھین لیے اور صرف اسے اتنا یاد رہنے دیا کہ اس نے کسی پر ظلم کیا تھا وہ کبھی گلی میں سب کو یہی کہتا پھرتا ہے میں بہت ظالم ہوں۔ میں پاگل ہوں۔ اس کی یہی سزا کافی ہے کہ وہ نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں بلکہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔ اس کے بعد چند ماہ تک تو یہ گھر ویران پڑا رہا۔ پھر بعد میں ایک دو لوگ اور آئے جو نہایت ہی برے تھے۔ وہ جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر لگائے رکھتے تھے اور ہر وقت لڑتے رہتے۔ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہتے تھے۔ میں ان کی وجہ سے پریشان ہو جاتی تھی۔ اس لیے میں نے ان کو نہایت ہی بھیا تک شکل و صورت کا روپ دھار کر ڈرایا تو وہ اپنا سامان بھی یہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد ایک شخص اور یہاں آیا۔ جو تنہائی کے باعث ہی یہاں سے چل بسا۔ پھر لوگ اس گھر کو منحوس اور آسب زدہ کہنے لگے اور جیسے جیسے یہ بات پھیلتی گئی۔ لوگ اس طرف آنے سے بھی ڈرنے لگے مگر ایک بات تو اچھی ہوئی کہ مجھے سکون سے رہنے کا موقع نصیب ہوا۔ اس کے بعد تم آئے تو مجھے لگا تھا کہ تم بھی ان انسانوں کی طرح ہو گے جو یا تو بھاگ گئے یا مارے گئے..... مگر تمہاری عادات اور تمہارے رہن سکن کا طریقہ مجھے بہت پسند آیا ہے اور تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ اس لیے میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا اور نہ کہنا چاہتی ہوں۔ میں تو شاید تمہارے سامنے بھی نہ آتی مگر تم نے مجھے آنے پر مجبور کر دیا۔“ میں نے اس سے پوچھا کہ۔

”کیا تم واقعی اتنی حسین ہو یا پھر تم نے اپنا روپ بدلا ہوا ہے؟“ تو وہ کہنے لگی۔

میا۔ پھر آدمی رات کو کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھا دیا۔ آج مجھے کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی تھی بلکہ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ آگئی ہے اور میں اب بے چین تھا کہ کب میں اس کا اصلی روپ دیکھوں گا..... پھر جب موسم بتی روشن ہوئی تو جو منظر میں نے دیکھا..... خدا کی پناہ میں تو دہیں چچ مار کر بے ہوش گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا اس آنچل نامی روح نے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ میرے بہت ہی قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اسے اپنے اتنا قریب پا کر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس پر اس نے مجھ سے کہا۔

”ڈرو نہیں میں نے اپنا روپ بدل لیا ہے۔ دیکھو! میں وہی حسین لڑکی کی طرح بن گئی ہوں۔“ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے تھوڑا سکون کا سانس لیا..... پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ ”میں نے کہا تھا تاں کہ قدرت کے اس راز کو دیکھنا اور برداشت کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں..... وہ اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ وہ ان سب چیزوں کی اصلیت کو اپنی آنکھ سے دیکھ سکے۔“ میں نے اس سے کہا۔

”اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اتنا خوفناک منظر ہو گا تو میں تمہیں کبھی نہ کہتا۔“ اس کے بعد اگلی رات وہ نمودار ہوئی تو مجھے صاف الفاظ میں کہنے لگی۔

”شیراز! مجھے تم بہت اچھے لگتے ہو۔ پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ کاش! میں بھی انسان ہوتی..... انسان کتنے حسین ہوتے ہیں مگر کچھ برے بھی ہوتے

”روح کا اصل روپ اس کے ظاہری روپ سے الگ ہوتا ہے تمہیں میں اس روپ میں اس لیے دکھائی دے رہی ہوں کہیں تم میرا اصلی روپ دیکھ کر ڈر نہ جاؤ..... کیونکہ جن ہو یا پری، بھوت ہو یا چڑیل اور یا پھر کوئی آزاد روح ان کا اپنا اور صحیح روپ بڑا بھیا تک ہوتا ہے۔ انسان اسے دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا وہ ڈر جاتا ہے۔ اسی لیے میں اس روپ میں تم سے بات کرنے کے لیے آتی ہوں۔“ میں نے اصرار کیا کہ۔

”نہیں..... میں نہیں ڈرتا تم مجھے اپنا اصلی روپ دکھاؤ..... میں تمہارا اصلی روپ دیکھنا چاہتا ہوں کہ روح کا اصلی روپ کیسا ہوتا ہے۔“ اس نے مجھ سے کہا کہ۔

”یہ تمہارے بس کی بات نہیں..... تم میری ذرا بھی جھٹک برداشت نہیں کر پاؤ گے کیونکہ وہ روپ بڑا خوفناک ہے۔“ جب میں نے بہت اصرار کیا تو اس نے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے کل میں تمہیں اپنا اصلی روپ دکھاؤں گی اپنا خیال رکھنا تم مجھے اچھے لگتے ہو۔“ وہ یہ کہہ کر غائب ہو گئی۔ موسم بتی بھی بجھ گئی اور میں بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

صبح ہوئی میں اپنے کام پر چلا گیا۔ آج مجھے پچھلے دن سے بھی کئی زیادہ رات ہونے کا انتظار تھا کیونکہ میں وہ دیکھنے والا تھا جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

آخر کار رات ہو گئی اور میں کھانے سے فراغت حاصل کر کے اپنے بستر پر لیٹے ہی نہ چاہتے ہوئے سو

کہا۔

”دیکھو! نچل! میں جانتا ہوں تم مجھے بہت چاہتی ہو میں بھی تم سے دور نہیں جانا چاہتا لیکن تم نے ہی تو کہا تھا کہ قدرت کا قانون ہے اب تم خود ہی بتاؤ کیا میں اور تم کبھی ایک ہو سکتے ہیں.....؟ ایک انسان اور روح کا ملن ممکن ہے کیا.....؟ نہیں! آجکل! یہ قدرت کا قانون ہے اسے ہم بدل نہیں سکتے..... جس طرح ارواح کی کئی ضروریات ہیں اس طرح انسانوں کی بھی بہت ساری ضروریات ہیں اور ان میں سے ایک شادی بھی ہے۔ ذرا سوچو کیا ہم ایک دوسرے کی خواہشات کبھی پوری کر سکتے ہیں۔“ آجکل یہ سن کر فوراً وہاں سے غائب ہو گئی اور پھر اگلی رات میرے بہت قریب آکر کہنے لگی۔

”جاؤ چلے جاؤ اپنے گھر شیراز! اور کرلو شادی میرا کیا ہے میں تمہیں پہلے بھی چاہتی تھی اب بھی چاہتی رہوں گی اور تمہیں سوچ کی پہلی کرن کے ساتھ اجالے کی طرح یاد کرتی رہوں گی۔“ میں۔۔۔ اسے کہا کہ۔

”آجکل! قدرت کا قانون ہے ہر کسی کو جانا ہے تم بھی میری خاطر اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤ۔“ وہ یہ کہہ کر چلی گئی۔

”جب تم اپنے گھر واپس جاؤ گے تو میں بھی اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“ میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جب میں گھر سے نکلا اور وہ مجھے دیکھتے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے غائب ہو گئی۔

موبائل نمبر 0304-4811142

جی

ہیں۔ میں تمہیں چاہنے لگی ہوں۔ شیراز! مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا۔ میں تمہارے بغیر رہ نہیں پاؤں گی۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں عادت ہو گئی ہے۔“ میں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ دیکھو! تمہارے پاس ہی ہوں۔“

اس کے بعد آئے دن میری ترقی پہ ترقی ہوتی گئی کیونکہ وہ جس رات یہ کہتی تھی کہ۔

”کل تمہیں ایک اچھی خبر ملے گی۔“ تو اگلی صبح

میری ترقی ہو جاتی تھی اور اب میں جان چکا تھا کہ یہ

سب وہی کر رہی ہے۔ میں رات کو اس کا شکریہ ادا

کرتا اور اسی طرح ڈھیروں باتیں کرتے رہتے.....

وہاں رہتے رہتے میرے پاس اتنا پیسہ آ گیا تھا کہ میں

ایک نہیں چار چار گھر خرید سکتا تھا مگر میں اس کرائے

کے گھر سے نہیں گیا کیونکہ مجھے بھی اس سے دور رہنا

اب اچھا نہیں لگتا تھا۔

اسی طرح دن مینے اور کئی سال گزر گئے پھر ایک

روز گھر والوں کا مجھے خط ملا جس میں لکھا تھا کہ۔

”بیٹا! جلدی سے گھر آ جاؤ ہم نے تمہاری شادی

مٹے کر دی ہے اور کچھ ہی دنوں بعد تمہاری شادی کا

دن ہے۔“ یہ چانک خبر مجھے پریشان کر گئی۔ میں سوچ

رہا تھا کہ آخر کروں تو کیا کروں..... پھر میں نے اس

بات کا ذکر آجکل نامی روح سے کیا تو وہ یہ خبر سن کر

اداس ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔

”نہیں..... شیراز! تم میرے علاوہ کسی اور کے

نہیں ہو سکتے میں تمہیں اپنے سے کبھی اور نہیں کروں

گی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔“ میں نے اس سے

دشمنی نہ بنائی۔ اور نہ ہی۔

دنیا کی بہترین خوفناک، پراسرار، دہشت ناک،
حیرت ناک، وحشت ناک دل کو ہلا کر رو نگٹے
کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ

”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“

ماہنامہ سچی کہانی لاہور نے بہت جلد قارئین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اب ملک بھر میں ”سچی کہانی“ قارئین کا پسندیدہ میگزین بن چکا ہے۔ سچی کہانی کا ہر شمارہ بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پروڈکٹس عوام میں مقبولیت حاصل کرے تو اپنی مصنوعات کو شہرت کی بلندیوں پر لانے کے لیے آپ ”سچی کہانی“ میں اشتہار دیجئے۔

نرخ اشتہارات

30000 روپے

24000 روپے

20000 روپے

8000 روپے

4000 روپے

بیک صفحہ کلر اشتہار فل صفحہ

ان سائیز کلر اشتہار فل صفحہ

بیک ان سائیز کلر اشتہار فل صفحہ

بلیک اینڈ وائٹ فل صفحہ

بلیک اینڈ وائٹ آؤٹ صفحہ

❁ اگر آپ ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ میں اپنے اشتہارات شائع کرانا چاہتے ہیں تو ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ کے نام ذرا فٹ بنا کر ہمراہ اپنا اشتہار ہمیں ارسال کریں۔ اپنے اشتہارات ہر ماہ کی یکم تاریخ تک ارسال کریں۔

ایک سال کے لیے اشتہارات پر 20% فی صدر عایت دی جائے گی۔

📞 رابطہ۔ ماہنامہ ”سچی کہانی“ 29 حبیب بینک بلڈنگ چونک اردو بازار لاہور

📞 رابطہ نمبر 0314-4008530



تیسری اور آخری قسط

اچانک ایک سفید روشن لکیر فضاء میں تیرتی ہوئی
اس کے ناک کے راستے اس کے جسم میں داخل ہو گئی

بے چین روح کا انتقام

کچھ..... فدا شاہین بھٹی۔ موبائل نمبر 0332-7306640

جواد: زیبا کو لیے اپنے کمرے میں داخل
ہوتے ہوئے حیرت سے بولا۔
”لگتا ہے کہ ابو اور امی کہیں گئے ہوئے ہیں۔“
پھر جواد خنجر لینے اوپر والی منزل پر چلا گیا۔ اس نے
جلدی سے الماری کھولی اور کپڑے میں پٹختے ہوئے
خنجر کو احتیاط سے سنبھالتے ہوئے نیچے زیبا کے پاس
لے آیا۔
زیبا نے خنجر کو غور سے دیکھا تو بری طرح چونک
پڑی۔ جواد بھی اس کے بدلے ہوئے چہرے کے
تاثرات دیکھ رہا تھا۔
”کیا تم نے پہچان لیا ہے کہ یہ کس کا خنجر ہے؟“
جواد نے پوچھا۔
”زیبا حیرت اور الجھنے میں مبتلا تھی۔ اس کے
چہرے کے تاثرات سے کبھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خنجر
اور اس کے مالک کو پہچان چکی ہے۔ لیکن اس شخصیت
کے بارے میں وہ متشابہ تھی۔ تاہم اس نے جواد کی
بات کا چھوٹا سا جواب دیا۔
”جواد! کیا یہ خنجر تم مجھے دے سکتے ہو.....؟ بعد
میں تم بے شک مجھ سے لے لیتا۔“

”ہاں..... تم بے شک اسے اپنے ساتھ لے
جاؤ لیکن خدا کے لیے کچھ تو بتاؤ..... کیا تم نے اس خنجر
کے مالک کو پہچان لیا ہے.....؟“ جواد نے کہا۔
”یہ میں نہیں کل بتاؤں گی۔ ویسے یہ خنجر میں
نے پہچان لیا ہے کہ کس کا ہے۔ لیکن پہلے میں اپنے
طور پر تسلی کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد میں اسے
زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ جس نے تمہیں ختم کرنے کی
کوشش کی۔“ یکا یک زیبا کی آنکھوں میں چنگاریاں
سی کوندنے لگی تھیں۔
زیبا اب جواد کے پاس زیادہ دیر نہیں رکی اور
جواد کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتی ہوئی وہاں سے چلی
آئی۔
زیبا اپنی حویلی پہنچی تو سخت تذبذب کا شکار
تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ۔
”آپا وہ اسی خنجر کے بارے میں جو وہ جواد سے
لے کر آئی تھی کھلے بندوں اس شخص سے پوچھیں یا پھر
سردست خاموش رہے اور محتاط انداز میں اس شخص کی
نگرانی کرتی رہے۔“ پھر اسے اپنا دوسرا خیال زیادہ
بہتر محسوس ہوا۔ کیونکہ وہ اس شخص کو خنجر کے حوالے



قتل کرنا چاہتا ہے..... اس کی جواد سے کیا دشمنی ہے؟
 اسی اثنا میں چوہدری اسد نے اسے اپنے پاس بلایا۔
 ”زیبا بیٹی! تم نے دوبارہ جواد سے ہمیں نہیں
 ملوایا۔ آخر تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کیا تم واقعی اس سے
 شادی کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہو.....؟“ چوہدری
 اسد نے پوچھا۔ تو نہ جانے کیوں زیبا کو اپنے باپ کی
 بات سے سازش کی بو محسوس ہوئی کیونکہ اسے ابھی تک

سے پہچان چکی تھی اور اسے سو فیصد یقین تھا کہ یہ خنجر
 اسی شخص کا ہے۔ لیکن اگر اس نے صاف انداز میں
 اس سے خنجر کے بارے میں پوچھ لیا تو وہ نہ صرف
 صاف صاف مکر جائے گا بلکہ محتاط بھی ہو جائے گا اور
 اس سے نہ پوچھ کر قاتل کو بے خبر رکھا جائے۔ اسے
 رنگے ہاتھوں پکڑنے کی وہ کوشش کرے گی اور پھر اس
 پر اسرار راز سے پردہ اٹھائے گی کہ آخر وہ جواد کو کیوں

لے آؤ بلکہ کوشش کرو کل ہی لے آؤ۔“ یہ سن کر زیبا نے اثبات میں اپنا سر ہلانے لگی۔

اب فیصلہ کن کھڑی آن پہنچی تھی۔ قاتل رینگے ہاتھوں پکڑا جانے والا تھا۔ اگرچہ اس میں جواد کی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ لیکن مستقل خطرناک اور جان لیوا صورت حال کا سامنا کرنے سے بہتر تھا کہ ایک ہی مرتبہ اس سے نمٹ لیا جائے۔

زیبا نے نندو پر اب کڑی نظر رکھنا شروع کر دی۔ اس لیے کہ وہ خنجر بھی اسی کا تھا۔ جسے ایک دن زیبا نے حویلی کے عقب میں بنے ہوئے اس کے کمرے میں دیکھ چکی تھی۔

پہچان میں نندو کو زیبا جادوگر چاچا کہا کرتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے کمرے میں جانے کے لیے اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اس کا شبہ اب یقین میں بدل گیا تھا۔ کہ نندو اور اس کے ابو (چوہدری اسد) کی ملی بھگت سے ہی جواد کے لیے موت کی سازش تیار کی جا رہی ہے۔ اس کے پیچھے کیا راز تھا..... کہ وہ دونوں معصوم جواد کی جان کے کیوں درپے تھے..... زیبا یہی بات معلوم کرنے کے لیے اگلے دن ہی جواد کو لے کر اپنی حویلی آن پہنچی۔

چوہدری اسد کی آنکھوں میں جواد کو دیکھ کر ایک خاص چمک سی لہرائی تھی۔ پھر وہ اس کے قریب آکر رسی کلمات کے تبادلے کے بعد بڑے شفقت بھرے لہجے میں بولا۔

”دیکھو بیٹے جواد! گھبرانا نہیں۔ تم پر ایک گندی بدروح کا سایہ ہے۔ وہ کسی بھی وقت تمہیں یا زیبا کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔“ اسی اثنا میں نندو بھی وہاں

یاد تھا کہ جواد جب پہلی بار یہاں آیا تھا اور اس کے ابو جواد کے سامنے آئے تھے تو ایک انتہائی ڈراؤنا واقعہ پیش آیا تھا جس سے بری طرح خائف ہو کر اس کے ابو نے اسے صرف جواد سے ملنے سے روکنے چاہا تھا۔ لہذا آج اپنے ابو کے منہ سے یہ سن کر وہ حیران رہ گئی کہ وہ دوبارہ جواد سے ملنا چاہتے ہیں۔ آخر کیوں؟ زیبا بڑی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

زیبا کو گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر چوہدری اسد نے دوبارہ قدرے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔
”بیٹی! چپ کیوں ہو.....؟ میں اس کی وجہ جانتا ہوں.....؟ میری بات غور سے سنو.....“ چوہدری اسد چند لمحوں توقف کر کے بولا۔

”بیٹی! جواد پر کسی بدروح کا سایہ ہے۔ اس میں جواد کا یقیناً کوئی قصور نہیں ہے۔ لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے..... میں اس لیے اسے یہاں بلانا چاہ رہا ہوں کہ اس پر سے بدروح کا سایہ اتارا جائے اور تم جانتی ہو کہ یہ کام نندو سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔“ چوہدری اسد کے منہ سے نندو کا نام سن کر اچانک ہی زیبا کے اندر نفرت کا الاؤ سا بھڑکنے لگا..... تاہم اس نے اپنی کیفیت پر قابو پائے رکھا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کے ابو اور نندو اس کی کسی سازش کے تانے بانے بننے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور جواد کو حویلی بلانا اسی سازش کی ایک کڑی اسے محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن پھر بھی زیبا نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تو چوہدری اسد بولا۔

”شاباش بیٹی! بس جلد سے جلد اسے یہاں

فرانس کی حالت میں کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر زیبا زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔۔۔۔۔

”جواد! جواد! دروازہ کھولو یہ کیا بے وقوفی“

کر رہے ہو تم۔ نندو تمہیں جان سے مارے دے گا۔۔۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔۔۔ جواد!۔۔۔۔۔ مگر اندر سے کسی قسم کی آواز سنائی نہ دی۔ تھوڑی دیر میں ہی ڈرتے ہوئے چوہدری اسد بھی وہاں آن پہنچا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مگر زیبا نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی اور اپنے ابو (چوہدری اسد) سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

”ابو خدا کے لیے نندو سے کہیں کہ وہ جواد کو چھوڑ دے۔ وہ اسے اندر لے گیا ہے۔“ پھر زیبا پر اچانک دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ صورت حال یوں اچانک ہی پلٹا کھ جائے گی۔

”خود کو سنبھالو زیبا! یہ کیا بچکانہ پن ہے۔ جواد پر بدروح کا سایہ ہے اور وہ نندو اس سائے کو اس پر سے اتارنا چاہتا ہے۔ کیا تم نہیں چاہتی کہ جواد بدروح سے نجات حاصل کر لے۔“ چوہدری اسد نے درشت لہجے میں اسے سمجھایا۔ مگر زیبا کو تو کسی اور ہی سازش کی بو آ رہی تھی۔

اچانک اندر سے جواد کی ایک دلروز چیخ سنائی دی۔۔۔۔۔ جس نے زیبا کو سرتاپاؤں تک لرزا کر رکھا دیا۔ پھر متواتر جواد کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ جنہوں نے زیبا کا دماغ خراب کر دیا۔ اس نے پوری قوت سے دروازے کو دھکا مارا تو دروازہ کھلتا چلا گیا اور خود

آن موجود ہوا۔ وہ بغور جواد کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ نندو کو دیکھتے ہی زیبا نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔۔۔۔۔ زیبا اب نندو کو سخت نا پسند کرنے لگی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ نندو کا خاتمہ کر دے۔

ادھر نندو بڑی عجیب نظروں سے جواد کو دیکھے جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں جواد کو اپنے تابع کرنا چاہتا ہو۔۔۔۔۔ پھر نندو ہولے سے جواد کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”جواد! آؤ میرے ساتھ۔“ یہ کہتے ہی نندو واپس مڑا تو پاس کھڑی زیبا نے دیکھا کہ جواد کسی مشینی انداز میں حتیٰ کہ اس سے بھی لا تعلق ہو کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا نندو کے پیچھے ہوتا۔ زیبا نے چونک کر جواد کو آواز دی۔ تو چوہدری اسد نے فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن جواد کو اس طرح بے یار و مددگار نندو جیسے مکار قاتل کے رحم و کرم پر زیبا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ لہذا وہ اپنے والد (چوہدری اسد) کی پرواہ کیے بغیر جواد کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ تو غصے سے چوہدری اسد نے چلاتے ہوئے کہا۔

”زیبا! رک جاؤ۔ نندو کو اپنا کام کرنے دو۔“ لیکن زیبا اپنے ابو (چوہدری اسد) کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی جواد کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔۔۔۔۔ نندو اپنے پیچھے جواد کو لیے ہوئے حویلی کے عقب میں بنے ہوئے اپنے کمرے میں لے کر آ گیا۔

زیبا نے بھی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر وہ یہ دیکھ کر بری طرح چونک گئی کہ جواد نے مکمل

زیبا اندر جا گری۔

بولی۔

”ابو! نندو کو کہیں کہ یہاں سے چلا جائے ورنہ.....“ زیبا غصے سے بولی۔

چوہدری اسد نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نندو کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔

❦ ❦ ❦

مشتاق احمد بالائی منزل کے کمرے سے باہر کا جائزہ لے رہا تھا۔ رات کے تقریباً ایک بجے کا وقت تھا کہ اچانک اس کی نگاہ اپنے بیٹے جواد کے کمرے میں کھلنے والی کھڑکی پر پڑی۔ کوئی انسانی ہیولہ نقب لگا

کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ مشتاق احمد کو اپنا دل زور سے دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ تین دن کی ٹکرائی کے بعد آج اسے اپنی محنت با آور ہونے کی امید ہونے لگی تھی۔ اسے جواد کی طرف سے اطمینان تھا کیونکہ اس نے اس دن کے بعد جب اس پر حملہ ہوا تھا اس کا کمرہ بدل دیا تھا۔ البتہ اس کے کمرے میں اس کے بستر پر چادر اور تھیکے ملا کر یوں رکھ دیئے تھے جیسے کوئی سوراہا ہو۔

خیر دے بے قدموں چلتا ہوا وہ اپنے مطلوبہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا اور اس نے دروازے کی جھری سے آنکھ لگائی۔ کیا دیکھا کہ وہ ہیولہ جواد کے بستر کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اسی اثناء میں مشتاق احمد آہستگی سے دروازہ کھولنے لگا اس کی پہلی کوشش یہی تھی کہ قاتل کیے بغیر اسے قابو کر لیا جائے تاہم کسی خطرے کے پیش نظر اس نے پستول بدستور تھامے رکھا۔

اندر کا منظر دیکھتے ہی وہ دل گئی۔ نندو جواد کی گردن اپنے ہاتھوں میں لیے دبوچے جا رہا تھا اور جواد اپنے آپ کو نندو سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر زیبا جیسے پاگل ہو گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی دائیں ٹانگ کی ایک بھر پور ضرب نندو کے پہلو میں رسید کر دی تو اگلے ہی لمحے نندو کے حلق سے تیز چیخ ابھری اور فوراً ہی جواد کی گردن اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ زیبا نے اس پر بھی بس نہ کیا اس پر تو جیسے جنون سوار ہو چکا تھا۔

ادھر نندو اس اچانک صورت حال پر ششدر رہ گیا تھا۔ وہ زیبا کو خوشی لگا ہوں سے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر گھٹکھٹا۔

”چوہدری صاحب! یہ..... یہ آپ کی بیٹی کو کیا ہو گیا ہے۔ مم..... میں تو جواد کو بدروح..... ٹکرائی کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ کیونکہ زیبا نے اسے ایک اور زوردار ٹھوکرا دی تھی۔

”میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ زیبا پر جیسے خون سوار ہو گیا تھا۔ مگر عین دقت پر چوہدری اسد نے بیچ میں آ کر اپنی بیٹی کو سنبھالتے ہوئے چلا کر کہا۔

”ہوش میں آؤ زیبا بیٹی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”نہیں..... ابو! یہ جواد کو مارنے لگا تھا۔“ زیبا ہانپتے ہوئے بولی۔ پھر جواد کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو اپنا گھاد میرے دیرے دیرے مسل رہا تھا۔

”تم ٹھیک تو ہو جواد.....!“

”ہاں..... میں ٹھیک ہوں۔“ وہ دھیمی آواز میں



چوہدری اسد اپنی حویلی میں بیٹھا دلاور کا خطرہ تھا۔ جسے اس نے نندو کی جانب سے جواد کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں ناکامی پر پھر دوبارہ جواد کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا اور زیبا جو اپنے باپ سے ناراض ہو کر اپنی سہیلی کے گھر چلی گئی تھی۔ چوہدری جانتا تھا کہ زیبا خود ہی ایک دوروز میں لوٹ آئے گی۔ لہذا اس سلسلے میں اسے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔

ایک ملازم نے چوہدری اسد کو اطلاع دی کہ مشتاق احمد آئے ہیں۔ یہ سن کر چوہدری اسد کے ذہن پر ایک جھٹکا سا لگا۔ کئی خیالات اس کے اندر گڑبڑ ہونے لگے۔ تاہم اس نے ملازم سے مشتاق احمد کو اندر آنے کا کہہ دیا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ مشتاق احمد جواد کا والد ہے۔ لہذا وہ سوچے لگا کہ۔

”آخر وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے؟“ اتنے میں مشتاق احمد اس کے سامنے آن موجود ہوا۔ اور آتے ہی بولا۔

”چوہدری صاحب! آپ کی جاگیر میں میرے ساتھ قلم ہوا ہے کسی ظالم نے میرے بیٹے جواد کو قتل کر دیا ہے۔ میں اسے دفن کر رہا ہوں۔“ مشتاق احمد نے بدستور غم سے غڑغڑا لہجے میں بولا۔

مشتاق احمد کی آہ وزاری سے چوہدری کو سکون محسوس ہوا اور وہ خاصا مطمئن و مسرور ہوا۔ اب وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ دلاور نے اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے دیا ہے۔ تاہم وہ بڑے درشت لہجے میں بولا۔

ادھر وہ اجنبی مسہری کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس کی ساری توجہ بستر کی جانب تھی یہی وجہ تھی کہ مشتاق احمد کو اندر داخل ہوتے دیکھ نہ سکا۔ جو کہ اب دروازہ کھول کر اندر آ چکا تھا۔

”خبردار! حرکت مت کرنا ورنہ بھون کے رکھ دوں گا۔“ اجنبی مشتاق احمد کے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔

”میں اپنے بیٹے کے دشمن سے کسی طرح کی رعایت سے کام نہیں لوں گا۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیوں میرے بیٹے کو مارنا چاہتے ہو؟“ مشتاق احمد چند قدم آگے بڑھ کر پستول والا ہاتھ ہلاتے ہوئے درشت لہجے میں بولا۔

اجنبی چند لمحوں کے بعد تذبذب کا شکار رہا پھر بولا۔
”صاحب! ام..... میں..... مجھے معاف کر دو۔ اگر میں نے آپ کو بتا دیا تو چوہدری اسد مجھ سمیت میرے پورے خاندان کو مار دے گا۔“

”اگر تو نے میرے سامنے اپنی زبان نہ کھولی تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ مشتاق احمد نے پھٹکارے ہوئے اور اس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اس میں تیری ہی بھلائی ہے کہ اگر تو مجھے سب کچھ سچ بتا دے گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ تو میں کوئی ایسی صورت حال نکال لوں گا کہ تیری جان بچ جائے۔“ یہ سن کر اجنبی قاتل کے چہرے پر رضا مندی کے آثار ابھرے پھر وہ بتانے لگا۔

”میرا نام دلاور ہے۔“

چودھویں رات کو ہی ممکن تھا۔ جس میں اب ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ لہذا اس سب باتوں کے تناظر میں مشتاق احمد نے اب یہ چال چلی تھی کہ چوہدری اسد کو چاند کی چودھویں رات تک بے خبر رکھا جائے۔ اس لیے جواد کی موت کی جھوٹی خبر اس تک پہنچائی۔ ورنہ چوہدری اسد جواد کو چاند کی چودھویں رات سے پہلے ہر ممکن طریقے سے قتل کرنے کو شش کرتا۔ لہذا اب چوہدری اسد جواد کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا اور مشتاق احمد بھی اطمینان سے واپس اپنی حویلی لوٹ آیا تھا۔

دوسرے جواد کو بھی اصل حقیقت سے آگاہی ہو چکی تھی۔ اسے اب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ مشتاق احمد کا حقیقی بیٹا نہیں ہے وہ یہ سب جان چکا تھا۔ کہ کن درد ناک حالات میں وہ مشتاق احمد کو ملا تھا اور اپنی ماں کنول کے اوپر ہونے والے ظلم پر بھی اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ لیکن وہ ایک ماحصلہ نوجوان تھا۔ وہ یہ جان گیا تھا کہ اس کی ماں کی بے چین روح کو طاقت ملنی والی ہے۔



چوہدری اسد اس بات پر حیران تھا کہ آخردلاور اپنا کام کر کے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ پھر وہ یہ سوچ کر خود ہی مطمئن ہو گیا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی چند روز کے لیے کہیں غائب ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ اکثر اس کے کہنے پر قتل کرنے کے بعد چند دنوں کے لیے گاؤں سے باہر چلا جاتا تھا۔



چودھویں رات کا چاند بھرپور انداز سے منجھن آباد

”تو میں کیا کروں۔۔۔۔۔ میں کوئی تھانیدار ہوں یہاں کا۔۔۔۔۔ پھر بھی یہ سب کچھ میری جاگیر میں ہوا ہے۔ اس لیے میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم اب جا سکتے ہوں۔ میرے آرام کا وقت ہو رہا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ بڑے پر غرور انداز میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”ظالم تو بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔“ مشتاق احمد نے چوہدری اسد کے وہاں سے جاتے ہی دل ہی دل ہی کہا۔۔۔۔۔ اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔

اس کی چال کامیاب رہی تھی کیونکہ اس نے دلاور سے سب کچھ اگلو کر اسے اپنی حویلی کے ایک کمرے میں قید کر دیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ۔

”چاند کی چودھویں رات کو جب ظالم چوہدری کنول کی بے چین روح کے انتقام کا نشانہ بن جائے گا تو وہ اسے چھوڑ دے گا۔“ دراصل دلاور کے ذریعے اسے اصل حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ۔

”چوہدری اسد کیوں اس کے بیٹے جواد کی جان کا دشمن ہے۔“ اگرچہ اسے ان ساری باتوں پر مشکل سے یقین آیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن گزشتہ حالات و واقعات کی روشنی میں اسے یہ سب درست ہی نظر آ رہا تھا۔ جواد کی اصل ماں کنول آج سے 20 سال پہلے انتہائی جان کنی کے عالم میں جواد کو تڑپا چھوڑ کر چوہدری اسد کے عبرتناک ظلم و ستم کا نشانہ بن کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی اور اب اس کی بے چین روح اپنے بیٹے کے جسم کی طاقت حاصل کر کے چوہدری اسد سے اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ یہ سب کچھ چاند کی

پرائی روشنی نچھاور کر رہا تھا۔ گاؤں کے تمام بایسوں کو نہ جانے کیوں آج رات کا چاند زبردست جوہن پر محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج چاند کی آخری رات ہو..... تمام لوگ آج وقت سے پہلے ہی سو گئے۔ ادھر مشتاق احمد پر اس وقت انتہائی عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج کی رات خونی ہے اور پراسرار ڈرامے کا ڈرامہ سین ہونے والا ہے۔ لیکن یہ کیا سب ممکن ہوگا..... وہ یونہی آہستگی سے چلتا ہوا جواد کے کمرے میں آیا تو اس نے اسے گہری نیند میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کسی بھی لمحے پراسرار کھیل کی ابتداء ہونے والی تھی اور وہ یہ سب اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرسی پر بیٹھے ہی اس پر غنودگی کے حملے ہوئے شروع ہو گئے..... اس نے بہت کوشش کی کہ وہ نہ سوئے مگر چند ہی لمحوں بعد وہ نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا.....

باہر چاند اپنے جوہن پر تھا۔ شعلہ سی ہوا برآمد کے درختوں کے درمیان سے جب گزرتی تو پتے پراسرار تماشاخیوں کی طرح تالیاں بجاتے ہوئے محسوس ہوتے..... جواد گہری نیند میں تھا کہ اچانک ایک سفید روشن لکیر فضاء میں تیرتی ہوئی اس کے ناک کے راستے اس کے جسم میں داخل ہو گئی۔

جواد نے یک دم اپنی آنکھیں یوں کھول دیں جیسے بجلی کا سوکچ اچانک ہی آن کر دیا گیا ہو۔ پھر وہ مسہری سے اٹھ کر یوں چل دیا جیسے کسی نے اس کے جسم میں بجلی بھری ہو..... وہ بلا خوف و خطر ننگے پاؤں

اپنی حویلی سے باہر آ گیا۔ اب اس کا رخ چوہدری اسد کی حویلی کی جانب تھا۔

ادھر چوہدری اسد اپنے کمرے میں شاندار مسہری پر گہری نیند کے مزے لے رہا تھا کہ اچانک کسی کھٹکے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے جواد کسی زندہ لاش کی طرح کھڑا اسے انگارہ برساتی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ چوہدری اسد کی جواد کو دیکھ کر کھٹکی بندھ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ کنول کی روح اس سے انتقام لینے آن پہنچی ہے۔ اتنے میں جواد کا چہرہ یکا یک تیز روشنی میں جیسے نہا گیا..... آنکھیں پھیل کر سرخ انگارہ ہو گئیں اور ساتھ ہی اس کے حلق سے خرخراتی ہوئی خوفناک آواز چیخ کی صورت میں برآمد ہوئی..... چوہدری اسد پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے نند کو آوارہ رہنے لگا۔

”اور چیخ..... اور زور سے چیخ چوہدری! آج تیری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔“ کنول کی روح جواد کے جسم سے بول رہی تھی۔ ساتھ ہی جواد کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل کر چوہدری اسد کی طرف بڑھیں اور پھر چوہدری زمین سے اوپر اٹھنے لگا..... وہ ہوا میں معلق ہو گیا۔ اس کی زبان لمبی ہو کر اس کے منہ سے باہر نکل آئی اور پھر چوہدری اسد کی کریناک آوازیں کمرے کی فضاء کو منتشر کرنے لگیں..... چوہدری کی تکلیف ناقابل برداشت اور اذیت پر مبنی تھی۔ چند لمحوں بعد چوہدری اسد کی زبان سمت کر اپنی اصلی حالت میں آگئی تو اس کی منہ سے آواز نکلی۔

”مجھے معاف کر دو..... مجھے معاف کر دو۔“
”نہیں..... چوہدری تو..... تو اس سے زیادہ

دوسری رات مشتاق احمد اپنی بیوی سلمیٰ کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا کہ اچانک کمرے کے روشندان سے سفید رنگ کا دھواں اندر آنے لگا..... جسے دیکھ کر دونوں میاں بیوی اچنبھے میں پڑ گئے۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں نے ایک انسانی بیولے کا روپ دھار لیا اور پھر بیولہ ان سے مخاطب ہوا۔

”مشتاق احمد! میں وہی بد نصیب اور ستم زدہ

کنول کی روح ہوں جسے ظالم چوہدری نے اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر موت کے حوالے کر دیا۔ میرا معصوم بچہ میری لاش کے قریب بلکتا رہا لیکن اس ظالم کو ذرا برا برا بھی اس پر رحم نہ آیا۔ مشتاق احمد میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے معصوم بچے کو اپنے سینے سے لگایا اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ سلمیٰ!

میں تمہاری بھی بہت بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر اسے اپنی ممتا کا پیار دیا۔ آج میری روح بڑی پرسکون ہے کیونکہ چوہدری اسد اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ میں نے اس سے اس کے ظلم کا انتقام لے لیا ہے۔ اب میں سکون سے اپنی آخری منزل کی طرف جا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ دونوں میاں بیوی آئندہ بھی میرے جواد کو اپنے سینے سے لگائے رکھیں گے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔“ اور اس کے ساتھ ہی وہ بیولہ سفید دھواں بن کر اوپر کو اٹھا اور کمرے کے روشندان سے باہر نکل گیا۔

موبائل نمبر 0341-8334093

(ختم شد) ❦❦

بڑی سزا کا مستحق ہے۔ یہ سزا تو تیرے لیے کچھ بھی نہیں۔“ کنول اپنا خوفناک چہرہ چوہدری اسد کے سینے سے لے آئی اور غراتے ہوئی بولی۔

”چوہدری! اب تیرے ظلم و گناہوں کا گھڑا بھر چکا ہے۔ تو نے کسی پر رحم نہیں کیا..... تو انسانی شکل میں بھیڑیا ہے۔ تیرا وقت اب پورا ہوا۔ اب تیرا دنیا میں رہنا بے سود ہے۔“ ساتھ ہی چوہدری اسد کی ایک دردناک چیخ پوری حویلی میں گونجی اور پھر اس کے بعد گہرا سکوت چھا گیا۔

اگلے دن منجھن آباد میں کہرام مچ گیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی کہ۔

”رات کسی خونخوار درندے نے چوہدری اسد کو اس کے کمرے میں چیر پھاڑ کر رکھ دیا ہے کیونکہ چوہدری اسد کی لاش بہت ہی بھیا تک حالت اس کے کمرے سے ملی ہے۔“

چوہدری اسد کی بیٹی زیبا کو جب یہ خبر ملی تو وہ بھی وہاں پہنچ گئی اور اپنے باپ کے بھیا تک انجام پر اسے ذرا بھی دکھ نہ تھا کیونکہ جواد سے سب کچھ بتا چکا تھا۔ زیبا نے نندو کو حویلی چھوڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ نندو حویلی چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گیا۔

اگلے دن یہ اطلاع ملی کہ نندو کی بھی اسی طرح موت ہوئی ہے جس طرح چوہدری اسد کی ہوئی تھی۔ نندو کی لاش جنگل میں بہت ہی مخدوش حالت میں پائی گئی تھی۔

مشتاق احمد نے زیبا کو اپنی حویلی میں بلایا اور زیبا کو مشتاق احمد اور سلمیٰ نے اپنے بیٹے کے لیے قبول کر لیا۔

دلالت چھوٹا قدم

- کیا چھوٹا قدم آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے؟
- چھوٹے قدم اور کمزور صحت کی وجہ سے اکثر بچے پچھلوں کے رشتے نہیں ہو پاتے۔
- چھوٹے قدم اور کمزور صحت کی وجہ سے نوکری نہیں مل پاتی۔
- چھوٹے قدم کی وجہ سے لڑکیاں سسرالیوں اور شوہر کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہیں۔
- چھوٹا قدم اور کمزور صحت بچوں کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے۔ تو پریشان ہونا چھوٹے

آپ میڈلین کا ساتھ دیں • میڈلین آپ کا ساتھ دے گی

بچوں کے چھوٹے قدم سے پریشان نہ ہوں 30 سال تک لڑکے لڑکیاں اپنے قدم میں اضافہ کر سکتے ہیں جوان ہونے والے لڑکے لڑکیوں کو پروٹین کی بہت ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی کی وجہ سے قدم بڑھنا رک جاتا ہے صرف 10 فیصد ہارمونز کی کمی پیشی سے ایسا ہوتا ہے اس دوران لمبیاں زیادہ

کریں۔ تاکہ
بڑھوترے
جلد ممکن
ہو سکے۔

(Ideal Height)
آئیڈیل ہائٹ کورس

قدم بڑھانے کا شیڈول

12 سے 18 سال تک عمر: قدمیں 6 انچ اضافہ
19 سے 24 سال تک عمر: قدمیں 4 انچ کا چانس
25 سے 30 سال تک عمر: قدمیں 2 انچ اضافہ

اب سے قدم بڑھانا بے حد آسان

قدم میں یقینی اضافہ

چھوٹے قدم والوں کے لئے لمبی خوشخبری ہے

کورس 1 ماہ قیمت 1600 روپے

گرتے بال، مسکری غشکی، چہرے پر کیل
چھائیاں، داغ، دھبے، فالٹویاں، کالی
رنگت، جھوڑوں کا درد، گردہ پتھری، معدہ
دہرہ ہر قسم کی کمزوری کا مکمل علاج

کورس بذریعہ V.P روانہ کیا جاتا ہے خرچہ 50 روپے
صبح 11 بجے سے 6 بجے تک کر کے VP منگوا سکتے ہیں

0313-5022903-0334-0700800

WWW.deva Pk.Com

0313-5022903

اپنی صحت کے بارے میں مفت کتابچہ منگوانے کیلئے اپنا نام SMS کریں

آئینے میں وہ نہیں تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور تھا۔ چہرہ اسی کے جیسا مگر نہایت مکروہ ہیبت ناک آنکھیں بڑے بڑے ہاتھ 'وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی

آئینے کا راز

کچھ... شہلا کرن

احمد آج صبح بیدار ہوا۔ کمڑی کی شکل 7 بجا رہی تھی اور اسے اپنے نحوس الارم سے اٹھنے کی تکلیف دے رہی تھی۔ مگر بغیر تکلیف کے کسی چیز میں تاثر کہاں.....؟ چنانچہ اس الارم کی ٹرن ٹرن ٹرن نے آخر اس کی کروٹوں کا تسلسل توڑ دیا۔ نیند کی پردار دیوی کو اس نے اداس انداز میں دیکھا جو آہستہ آہستہ آنکھوں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے اپنے لباس پر نظر ڈالی۔ ایک پرانی چٹلون اور کوٹ۔ کیا وہ اسی میں رات بھر سو رہا.....؟ کل رات شاید اس نے اپنے لباس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

مگر لباس سے شخصیت ظاہر ضرور ہوتی ہے۔

اگر کسی پر رعب ڈالنا ہے تو کچھ تو لباس میں بھی ہونا چاہیے۔ یہ چار گزر کا کپڑا ہی سہی 5 فٹ کے انسان کو چھپانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ یا انسان کی کوشش میں مدد کرتا ہے۔ حیدر کر سکتا ہے۔

وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا اور اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں بہت سے خواب دیکھے تھے۔

سوئے میں جو خواب دیکھے جاتے ہیں۔ ان کا تو اکثر انسان کوئی مطلب نہیں نکال پاتا مگر دل کی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھے گئے سپنوں کا وہ کوئی نہ کوئی مطلب نکال ہی لیتا ہے۔ وہ ملازمت کے باوجود اپنے حالات سے مطمئن نہیں تھا۔ اطمینان زندگی میں کہاں ہے مگر دل پھر بھی سکون چاہتا ہے، عیش چاہتا ہے



مشتعل ہو گیا اور بولا۔

”مہارانی جی! میرے پر نہیں اڑ کر آسمان پر پہنچ جاؤں۔ آٹھ ہزار تو میری تنخواہ ہے۔ اس مہنگائی کے زمانے میں۔“

”پر لگائے بھی جاسکتے ہیں میاں!“ نازیہ کا لہجہ اور بھی ٹیکھا ہو گیا۔ اس نے اس کی سندرا آنکھوں میں جھانکا اور پھر لکھتے بولا۔

”بی بی! اڑنے کی کوشش میں کہیں زمین پر ہی نہ بھگ جاؤں۔ زمین سے صرف آسمان نظر آتا ہے۔ آسمان کو جانے والا راستہ نہیں۔“

”مگر میں نے کہہ دیا مجھے قدوس کی شادی میں جانا ہے اور یہ ردی کپڑے پہن کر نہیں جاسکتی۔“ نازیہ کے تئیر بڑھتے دیکھ کر احمد نری سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”اچھا مجھے فون تو سننے دو۔ تم نے مجھے بے وجہ الجھا لیا۔“ احمد جلدی سے فون پر آیا۔

”نیس باس پور سرورنٹ۔“

”احمد اتنی دیر کیوں لگا دی فون پر آنے میں۔ ایک بہت ضروری خبر دینی ہے تمہیں۔“

”وہ سرا! بس کیا کردوں۔ کچھ گھریلو جھنجھواں میں پڑ گیا تھا۔ آپ فرمائیے۔“

”تمہاری پرموشن ہو گئی ہے۔ اب تم میرے اسٹنٹ ہو۔ پہلے والا اسٹنٹ چلا گیا ہے۔“

”واٹ سرا! مجھے سمجھ نہیں آرہا۔ آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔“ احمد رک رک کر بولا۔

”مگر تنخواہ آہستہ آہستہ بڑھے کی تمہاری۔“ رضا عابدی (باس) نے کہا۔

آرام چاہتا ہے اور یہ خواہشات صرف اپنے آپ سے منسوب نہیں ہوتیں جلد ہی ان میں کوئی اور بھی شریک ہو جاتا ہے۔ جیسے اس کی بیوی نازیہ اس کی شریک سفر بن گئی تھی۔ مگر سفر ابھی تک کسی خوشگوار موڑ کی تلاش میں تھا۔ نازیہ بھی خود تھی اور احمد کو اسے پسند کرنے کی وجہ شاید یہی تھی۔ آنکھ حسن سے ہی مرعوب ہوتی ہے۔ جب تک ایک اور آنکھ نہ کھل جائے تو جو جسم کی آنکھ سے زیادہ دیکھ سکتی ہے۔ اس نے اپنی شیردانی ٹیگر سے اتاری جو نیلے رنگ کے ہلکے شید کی تھی۔

”ہاں یہ مناسب رہے گی۔“ اس نے خود کلائی کی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے غسل خانے میں گھس کر غسل لینے کے بعد شیوہ بتایا۔ آج پانی کچھ زیادہ ٹھنڈک آمیز تھا۔ شاید موسم سردیوں کی آمد کا عندیہ دے رہا تھا۔ آج اسے نہانے میں بڑا لطف آیا۔ اس کی کوئی وجہ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے غسل خانے سے نکلتے ہی نازیہ کی کھنک دار آواز اس کے کان کے پردوں سے ٹکرائی۔

”ادھر آؤ ذرا۔ فون آیا ہے تمہارے پاس گا۔“

”اوہ..... اچھا۔“ احمد نے چونک کر کہا۔

”اور وہ برتن کب آئیں گے جو سجدہ کے گھر دیکھتے تھے میں نے۔ تم تو بس پونہی وقت برباد کرتے ہو۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک آسمان کو چھو چکا ہوتا۔“ وہ ناک سکیڑ کر بولی اور خنکھی لگا ہوں سے احمد کے سر اے کو دیکھا۔ جس پر نیلے رنگ کا ہلکا سا لباس جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔ احمد کو اس اچانک حملے کی توقع نہ تھی۔ وہ یوں بھی جذباتی نوجوان تھا۔ اس لیے جلد

”او کے سر!“ اس نے کہا اور پھر فون رکھ کر نازیہ کو یہ خوشخبری سنائی۔

”یا اللہ تیرا شکر یہ ہے۔“ نازیہ کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے۔

”اچھا اب جلدی سے چائے بنا دو۔ رضا صاحب نے مجھے جلدی بلایا ہے۔“ نازیہ مسکرا کر ہاں میں سر ہلاتی چلی گئی۔



احمد جلدی جلدی آفس پہنچا جہاں رضا عابدی بے چینی سے اس کے انتظار میں ٹہل رہے تھے۔

”اسلام علیکم سر!“

”وعلیکم السلام۔ احمد بیٹھو بیٹھو مجھے تم سے کچھ خاص اور ذاتی قسم کی باتیں کرنی ہیں۔“

”جی ضرور۔“ وہ بولا۔

”احمد! تم جانتے ہو کہ سلور سٹار کمپنی کا بزنس آج

کل خسارے میں جا رہا ہے۔ مہنگائی اور خرچ بہت زیادہ ہے اور منافع کم ہو رہا ہے۔ میں نے پچھلے اسٹنٹ

کو اسی لیے نکال دیا کہ وہ اچھی طرح بزنس چلا نہیں رہا تھا۔ اب بزنس ڈیپلنگو زیادہ تر تمہارے ہاتھ میں ہوں

گی یعنی تم اسٹنٹ منیجر ہو۔ تمہاری تنخواہ کا دار و مدار کمپنی کو ہونے والے منافع پر ہوگا۔ اب یہ تمہارا کام

ہے کہ منافع زیادہ اور خرچ کس طرح کم کرتے ہو۔۔۔۔۔ او کے گڈ لک۔“ یہ کہہ کر رضا عابدی نے

گو مجوشی سے احمد سے ہاتھ ملایا۔

اب احمد کے دن رات بدل چکے تھے۔ فوری طور پر اسے خرچ کم کرنے کا جو طریقہ سمجھ میں آیا وہ

یہی تھا کہ سستی چیزیں خریدی جائیں اور مال میں

ملاوٹ کی جائے اور چیزوں کی قیمت بڑھادی جائیں۔ سلور سٹار کمپنی کا نام بڑا تھا اس لیے اس کی اس حرکت

سے اسے کوئی بڑا دھچکا نہیں لگا کیونکہ دوسری کمپنیاں بھی اسی قسم کے کام کر رہی تھیں۔ مال میں ملاوٹ

کر کے اس نے کافی منافع کمایا اور رضا عابدی کو کمپنی چھڑی باتوں سے بہلا لیا۔ اب اس کی حالت بدلنے

لگی تھی۔ دن اور رات کے معمولات کروٹ لے رہے تھے۔۔۔۔۔ جب اسے ڈھیر سا منافع ملا تو اگلے

ی دن وہ اپنی مہارانی کے لیے ڈھیر سارے کپڑے رپور اور بہترین کراکری بازار سے لے آیا۔ اس کی

کمپنی کی مصنوعات کی قیمتیں بھی اب بڑھ گئی تھیں۔ نازیہ کی خوشی دیکھنی تھی وہ بار بار اٹھ اٹھ کر اسے

شباباش دے رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں چودھویں شب کے چاند کی ٹھنک تھی اور آفتاب کے بادل

میں چھپ جائے کا حسن۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے اچھے ہو گئے ہو۔“ وہ بولی۔

”تو تمہارا اندازہ کیا تھا میں کتنا اچھا ہوں گا؟“ احمد نے مسکرا کر کہا تو نازیہ ہنس کر جھینپ گئی۔

رات ہو گئی تو اس نے نازیہ سے کہا۔

”اب تو کاروباری مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔ کل صبح مجھے جلد جگا دینا۔ نیند زوروں کی آرہی تھی۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور کمرے میں زیر و کابلج جلا کر لیٹ گیا۔ جلد ہی نیند

کی دیوی نے اپنے خوابوں کا جادو جگا دیا اور وہ اس میں کھو گیا۔

اگلے دن جب احمد صبح کی کرنوں سے بیدار ہوا

اور آنکھوں کا پردہ اٹھایا تو اس نے دیکھا نازیہ اس کے سر ہانے گھڑی تھی۔

”اب اٹھ بھی جاؤ احمد!“ وہ اس کا شانہ پکڑ کر ہلار رہی تھی۔

”اوں ہوں۔ کیا وقت ہوا ہے؟“ اس نے روز کی بات کو نئے انداز سے کہا اور اس کے ساتھ ہی گھڑی کی سوئیوں نے ٹک ٹک کر کے اس کے سوال کا جواب دیا۔ سات بجے اور اس کے ساتھ ہی وہ گھڑی پر ایک ہاتھ مار کر اٹھا اور نازیہ سے بولا۔

”نازا! اب مجھ پر معمولی کپڑے اچھے نہیں لگ رہے ذرا الماری سے میرا نیا سوٹ اور ٹائی لادو۔“ نازیہ اندر چلی گئی۔ احمد نے کپڑے تبدیل کیے اور شیو بنانے کے بعد اپنے کمرے میں گئے قد آدم آئینے میں خود کو دیکھا تو ایک دلروز چنچ اس کے منہ سے نکل گئی۔

چنچ بن کر نازیہ دوڑتی ہوئی آئی۔

”ارے کیا ہوا.....؟ کیا ہوا.....؟“ وہ بوکھلا کر بولی۔

”یہ کون ہے.....؟“ یہ کون ہے.....؟“ احمد کی آنکھوں میں سارے جہاں کی وحشت سمٹ آئی۔ نازیہ نے جیسے ہی آئینے پر نظر ڈالی۔ وہ بھی چنچ اٹھی۔ آئینے میں احمد کی جگہ ایک سیاہ رنگ کی شبیہ تھی۔ اس کا حلیہ احمد کے خیلے جیسا ہی تھا۔ وہی بھورے بھورے بال، کرنچی آنکھیں، سڈول بدن، لمبا قد، گردانت ایسے نوکیلے جیسے کوئی وحشی درندہ، سیاہ رنگت جیسا جیسے جلا ہوا کوئلہ..... کسی جانور کی طرح بڑھے اور بکھرے کچھر۔ بے بال اور مکروہ چہرہ، احمد نے کئی بار اسے کی

”یہ آئینہ دیکھو نازی! اسے کیا ہوا ہے.....؟“ نازیہ نے اپنے خوبصورت سراپے کو آئینے کے رویرو کیا اور وہ بھی چنچ پڑی۔

آئینے میں وہ نہیں تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور تھا۔ چہرہ اسی کے جیسا مگر نہایت مکروہ حلیت، ناک آنکھیں بڑے بڑے ہاتھ وہ چنچ مار کر پیچھے ہٹی۔

”یہ کیا ہے.....؟“ میں ایسی کیسے ہو گئی.....؟“ وہ فوراً پلٹی اور گھر کے غسل خانے میں گئے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ وہی نارمل شکل اور خوبصورت خند و خال..... احمد کی شبیہ بھی خود تھی۔

”آف میرے خدایا! کیا ہم نے کوئی بھیا ٹک خواب دیکھا تھا؟“ نازیہ بولی۔

”مگر ایک ہی خواب ہم دونوں ایک ساتھ کیسے دیکھ سکتے ہیں.....؟“ احمد بولا۔

”تب پھر یہ ضرور کوئی آئینی پتھر ہے۔“ نازیہ بولی۔

”ٹھہرو“ یہ کہہ کر احمد نے اپنے کمرے کے اس آئینے پر ایک گھونٹہ مارا۔ اسی لمحے اس کی مکروہ شبیہ نے بھی ایک گھونٹہ مارا اور پھر احمد کی بھرپور چنچ نے دیواروں کو لرزادیا۔ وہ اپنا منہ پکڑ کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

”آف اس آئینے میں موجود شخص نے تو میری ہڈی توڑ دی۔“ وہ بولا۔

”درد کے آثار ہلکے ہلکے اور گہرے ہادلوں کی طرح اس کے چہرے پر آ جا رہے تھے۔“

نازیہ نے اس خوف پر کچھ کہہ کر تلو پاٹکی تھی۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے اس کی طرف نظر نہ کیا۔

توروشنی بولی۔

”صاف صاف کسی آسیب کا سایہ معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے گھر میں بہن! ہمارے بھائی سائیں کہتے ہیں حلال کی روزی کھایا کرو۔ حرام کی وجہ سے بڑی خوشی ہوتی ہیں۔ یہ آسیب وغیرہ بھی اسی لیے سایہ کرتے ہیں۔ ویسے اب تو تمہارے میاں کی اچھی خاصی تنخواہ ہے مکان بدل لو۔“ روشنی بولی۔

”ہاں..... میں نے بھی احمد سے یہی کہا تھا۔ ابھی گئے ہیں کسی سے بات چیت کرنے اسی سلسلے میں۔“ نازیہ نے جواب دیا۔

”ویسے تمہارے شوہر کا رد بار کیا کرتے ہیں۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں کرتے.....؟“

”یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ نازیہ چونکی۔

”بھئی..... تمہارا بہت بھیر پھیر تو چلتا ہی رہتا ہے۔ صرف جائز آمدنی میں گزارا کہاں ہوتا ہے؟“

”ہوں..... بات تو ٹھیک ہے۔“ بھئی سائیں کو بلا کر لاؤں گی۔ جب تک تم یہیں رہو۔“ روشنی نے غلصانہ مشورہ دیا۔

احمد جب واپس آیا تو بولا۔

”ابھی نئے مکان کا بندوبست کرنے میں دقت لگے گا میرا ایک دوست کریم الدین میری مدد کرے گا۔ تب تک ہمیں یہیں رہنا ہوگا۔“ جشتی صاحب کے گھر۔

جشتی ایک اچھے کھانا پچھنے لگا۔ احمد نے سربراہ توڑ کر دیا۔

”ابھی گئے ہیں کسی سے بات چیت کرنے اسی سلسلے میں۔“ نازیہ نے جواب دیا۔

”ویسے تمہارے شوہر کا رد بار کیا کرتے ہیں۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں کرتے.....؟“

”یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ نازیہ چونکی۔

اس کی مکروہ تصویر کے ہاتھ میں بھی چھری نظر آئی اور اس کے ساتھ ہی تراخ کی آواز کے ساتھ لکیریں آئینے پر ابھرنے لگیں۔ جیسے وہ ترخ گیا ہو۔ نازیہ نے دو تین وار اور کر دیئے۔ آئینے کی کرچیاں بکھر گئیں۔ نازیہ پیچھے ہٹی اور بولی۔

”ختم ہو گیا یہ آسیب۔ بس اب آرام سے اپنا کام کرو۔“

احمد دوبارہ جا کر تیار ہونے لگا۔ مگر جب وہ واپس آیا تو اس کی سراسیمگی میں ڈوبی ہوئی آواز نے ماحول کو ایک ہنگامہ دیا۔

”نازیہ! دیکھو آئینہ۔“

وہ آئینہ ایک بار پھر اسی طرح صحیح و سلامت موجود تھا اور ان دونوں کی کرپہ شمشیں بھی اسی طرح موجود تھیں۔ وہ دونوں آپس میں لپٹ گئے۔

”اس..... اس مکان سے چلو۔“ نازیہ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر بولی۔

”مگر جائیں گے کہاں..... ہاں ایسا کرو تم ساتھ والی روشنی کے گھر چلی جاؤ۔ میں کچھ کرتا ہوں۔“

نازیہ روشنی کے گھر چلی گئی۔ روشنی نے اسے بٹھا کر معاملہ پوچھا۔ تو نازیہ نے ڈری ڈری آواز میں اسے معاملہ سنایا۔

”ارے ہائیں..... یہ تم کیا کہہ کر رہی ہو..... مجھے تو صاف صاف کسی بدروح کا چکر لگتا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔“

نازیہ پہلے تو بہت گھبراہٹ تھی۔ مگر پھر روشنی کے اصرار پر اسے گھر لے آئی۔ روشنی نے بھی آئینہ دیکھ کر حیرت مندی۔

”ابھی گئے ہیں کسی سے بات چیت کرنے اسی سلسلے میں۔“ نازیہ نے جواب دیا۔

”ویسے تمہارے شوہر کا رد بار کیا کرتے ہیں۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں کرتے.....؟“

”یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ نازیہ چونکی۔

”بھئی..... تمہارا بہت بھیر پھیر تو چلتا ہی رہتا ہے۔ صرف جائز آمدنی میں گزارا کہاں ہوتا ہے؟“

”ہوں..... بات تو ٹھیک ہے۔“ بھئی سائیں کو بلا کر لاؤں گی۔ جب تک تم یہیں رہو۔“ روشنی نے غلصانہ مشورہ دیا۔

”سوال یہ ہے کہ ہم ایسے مکان کا کیا کریں گے؟ ایسے مکان کو خریدے گا بھی کون.....؟“ نازیہ نے تشویش سے کہا۔

”ہاں..... پہلے یہ منحوس اثرات ختم ہونے چاہیں۔ پھر دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔“ احمد بولا۔

آخر اسی طرح ایک ہفتہ اور گزر گیا۔

”اب ہمیں دیکھنا تو چاہیے کہ مکان کا کیا حال ہے؟“ چشتی بولا۔ سب نے تائید کی تو وہ لوگ سب

اٹھ کر احمد کے مکان میں جمع ہوئے۔ ان کی ماسی ٹوبہ

بھی پیچھے پیچھے آگئی۔ شاید اسے بھی تجسس ہو رہا تھا۔

چشتی نے اللہ کا نام لے کر اسی آئینے میں اپنی

فصل دیکھی مگر اس کی حسیہ بھی نہایت کریہہ شکل

میں موجود تھی۔ وہ بھی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ روشنی نے بھی

دیکھا اور اس کا بھی وہی حال ہوا۔

”سمجھ نہیں آتی یہ کیسا آسیب ہے.....؟“ چشتی

بولا۔

”آپ لوگ تو حق حلال کی کھاتے ہیں۔ پھر

آپ کا عکس ایسا کیوں.....؟“ نازیہ بولی۔

”کیا یہ آئینہ تمام امیر لوگوں کی شکل ایسی ہی

دکھاتا ہے؟“ روشنی نے کسی خیال کے تحت کہا۔

اچانک چشتی بولا۔

”ٹوبہ ذرا ادھر آؤ۔“

”ہاں..... یہ تو بڑی مسکین اور اچھی لڑکی ہے۔“

روشنی نے اپنی ماسی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

ٹوبہ اپنا دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے ہاتھ میں

جھاڑو لیے کھانسی..... گلا صاف کرتی ہوئی آئی اور

آکر اس آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

مالک تھا۔ غریبوں کو خیر خیرات دیتا، ملازموں کا خیال رکھتا، پڑوسیوں کی عزت کرتا۔ سارا زمانہ اس کے گمن گاتا تھا۔ روشنی نے اپنے ایک حیر سائیں سے بھی

رجوع کر لیا تھا۔ جب سب لوگ کھانے کی میز پر جمع

تھے تو روشنی بولی۔

”حیر سائیں کہہ رہے ہیں حلال روزی کا انتظام

کرو۔“

”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ۔ ہم تو زکوٰۃ

خیرات بھی نکالتے رہتے ہیں۔ سبھی اعتراف کرتے

ہیں ہمارے کردار و شخصیت کا۔ ہو سکتا ہے تم لوگوں

سے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو۔“ کریم الدین نے

کہا۔

صحن کے ایک طرف ماسی ٹوبہ جھاڑو لگا رہی

تھی۔ ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔

”مگر پھر روشنی کی حسیہ خراب کیوں دکھائی دی؟“

نازیہ نے نکتہ نکالا۔

”ہاں..... یہ بات تو ہے۔“ احمد بولا۔

”بھئی آپ کے گھر میں منسلک اثرات جو ہیں وہ

ہر ایک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔“ روشنی بولی۔

”نئے مکان کا بندوبست کب تک ہوگا؟“

نازیہ نے اپنے شوہر احمد سے پوچھا۔

”مالک مکان سے بات تو کر لی ہے۔ ابھی کچھ

دن تو لگیں گے۔“

”ویسے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وقت کے ساتھ

نئے اثرات خود بخود ختم ہو جائیں۔“ چشتی نے سوچتے

ہوئے کہا۔

”تو ابھی کچھ دن انتظار کر لیں۔“ روشنی نے کہا۔

دفعتا اس کی بھی چیخ کوئی..... تو اس کا بھی وہی حال ہوا۔ تازیہ نے نتیجہ نکالا۔

”یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں۔ روشی اتم پیر سائیں کو یہیں بلاؤ۔“ چشتی نے ہدایت دی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ روشی بولی۔

پیر سائیں ایک سادہ صوفی منش بزرگ تھے۔

انہوں نے مکان کا ہر طرف سے جائزہ لیا۔ انہوں گھر

کے کونے کونے میں جھانکا۔ پھر اس آئینے میں کھڑے

ہو کر دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے ان کی بھی گہری ہوئی

شکل آئینے میں نمودار ہوئی..... مگر آہستہ آہستہ ان

کے کچھ پڑھتے ہی دھڑلے لگی اور پھر آئینہ معمول پر

آ گیا۔ سب لوگ پیر سائیں کی طرف دیکھ رہے تھے

اور ان کی آواز سننے کے منتظر جو تھے۔ آخر ان کے لب

ہلے۔

”یہ آئینہ دراصل انسانی نفس کی علامت ہے۔

انسان کا نفس بڑا عکروہ اور غبیٹ ہے۔ جو انسان میں

موجود ہوتا ہے۔ برائی اور بوس اس کو طاقتور کرتی ہیں

لیکن یہ مرتا کبھی نہیں۔ ہم میں سے ہر انسان میں کوئی

نہ کوئی برائی موجود ہوتی ہے۔ اگر ہم اس کا ادراک

کریں تو نفس آہستہ آہستہ دہتا چلا جاتا ہے۔ حضرت

داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں لکھا

ہے کہ ایک روز میں نے راہ سلوک کے دوران ایک

پیلے کتے کو دیکھا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارا نفس ہوں۔

تب میں نے چاہا کہ اسے جان سے مار دوں اور

میرے نفس کا قصہ ہی پاک ہو جائے۔ مگر جب میں

نے اسے مارنا چاہا تو اس نے کہا۔ میں خدا کا فکری

ہوں۔ تم مجھے نہیں مار سکتے۔ میں مومن کو غرور سے

بچاتا ہوں۔ پھر وہ میرے کپڑوں میں کھس کر غائب

ہو گیا۔ آپ میں جس نے بھی آئینہ دیکھا وہ کسی نہ کسی

برائی کا مرتکب ہوا یا پھر اس نے اپنی نیکی پر غرور کیا۔

یہ بات میں اپنے علم کی روشنی میں بتا رہا ہوں۔“

”مگر ماسی نے کیا کیا تھا.....؟“ روشی نے پیر

سائیں سے سوال کیا۔

”یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔“ پیر سائیں بولے

اور پھر سب ماسی ٹوبیہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے

کے بعد وہ بولی۔

”یہ ٹھیک ہے کہ آپ لوگ ہمیشہ میری مدد

کرتے رہے ہیں مگر مجھے لالچ آ گیا تھا۔ میں نے

آپ سے چھپ کر سب سے پیسے چرا لئی رہی ہوں۔“

”آپ نے دیکھا کہ برائیوں کی ایک زنجیر بن

جاتی ہے۔ نفس کی اصلاح ایک ہمیشہ جاری رہنے والا

عمل ہے۔ نفس کی آلائشوں سے پاک صرف خدا اور

اس کے فرشتے اور انبیاء ہوتے ہیں۔ لہذا انہی کے نام

سے اسے قابو کیا جاسکتا ہے۔“ پیر سائیں بولے۔

”آپ لوگ سب نیکی کو اختیار کریں اور نیکی پر

غرور نہ کریں اور ہمیشہ اپنی اصلاح میں رہیں تو یہ آئینہ

معمول پر آ جائے گا۔ یہ بس خدا کی ایک نشانی ہے جو

اسی طرح ظاہر ہوتی ہے۔“ یہ کہہ کر پیر سائیں نے

آئینے پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور آئینے پر دھند سی جھانے

لگی۔ دھند ختم ہونے لگی اور آئینہ آہستہ آہستہ شفاف

سے شفاف ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آئینے کا راز سامنے آ رہا

تھا۔



نیل کی لہریں

کچھ..... الناصر سوری

اس وقت تک حضرت عمرو بن العاص کی آنکھوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اسے یکا یک قاسم نے کھینچ کر ہٹا دیا۔ اور انھوں نے اس پردے کے پیچھے وادی نیل کے انگور اور سیب کے باغات دیکھے گیسوں جوار پیاز اور بسن کے لہلہاتے کھیت ان کی نگاہوں کے سامنے آئے۔ فراعنہ کے عظیم الشان شہر منصف اور اسکندریہ کے علمی مرکز نیل سے نکلی ہوئی نہروں کا شفاف پانی بھی کچھ انھیں دکھائی دیا۔ اور وہ حیرت کے ساتھ سوچنے لگے کہ اطر بیون کے پر ختم چھوڑتے ہی انھوں نے یہ بات کیوں نہ سوچی کہ وادی نیل بھی ان کے نعروں کا انتظار کر رہی ہے۔

ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے امیر المومنین سے مصر کی طرف پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ "اللہ سرزمین مصر میں بھی اسی طرح فتح عطا فرمائے گا جس طرح شام اور فلسطین میں ہماری مدد کی ہے۔"

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "نہیں میں مسلمانوں کو اتنی دور بھی نہیں بھیجوں گا۔ ایک مسلمان کی زندگی مصر کی حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ فلسطین میں اسن واماں کا قیام صحیح مزہ سے

حضرت عمرو بن العاص نے کہا۔ "فلسطین میں اسن واماں قائم رکھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم مصر کی جانب بڑھیں۔ اس طرح یہاں کی عیسائی آبادی ہم سے مرعوب ہو جائے گی اور بغاوت کا خیال دب جائے گا۔ انشاء اللہ مصر بہت آسانی کے ساتھ ہمارے لیے اپنے دروازے کھول دے گا۔"

امیر المومنین نے بہت غور سے سپہ سالار کے مشورے کو سنا۔ وہ ایک حد تک قائل بھی ہو گئے لیکن احتیاط سے خیال سے فیصلہ دیا کہ وہ مدینے جا کر اس کے بارے میں لکھیں گے۔ فی الحال عمرو بن العاص مفتوحہ علاقوں میں اسن واماں قائم رہیں اور جگہ جگہ پڑے ہوئے روی فوجوں کے منتشر دستوں کو سرزمین فلسطین سے باہر نکال دیں۔

قصر شمع میں مقوقس ایک قیدی کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ ملک مصر آج بھی مصائب میں گرفتار تھا۔ قیصر نے جبرانیانہ سبب نافذ کر دیا تھا۔ مصری کلیسا میں اسی عقیدے کی تعلیم دی جا رہی تھی جو رومن کلیسا کا عقیدہ تھا۔ مخالفت کی ہر آواز کو قیصر نے دبا دیا تھا۔ "ضبط و ضبط" اور "تعلیم و تعلیم" کے نام پر۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "نہیں میں مسلمانوں کو اتنی دور بھی نہیں بھیجوں گا۔ ایک مسلمان کی زندگی مصر کی حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ فلسطین میں اسن واماں کا قیام صحیح مزہ سے



مقوس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ تنگی لگائے ہوئے اس منظر کو دیکھتا رہا۔

ارمانوسہ آہستہ آہستہ آئی اور اپنے باپ کی پشت پر کھڑی ہو گئی۔ مقوس نے ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

”ابا۔“ ارمانوسہ نے اپنی سریلی آواز میں کہا۔

مقوس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ بیٹی کو جواب بھی نہیں دیا۔

ہمارے نئی کہانی لاہور 45 مارچ 2015ء

چکی مصری قوم کو نہیں رہی تھی۔ اور مقوس خاموشی کے ساتھ اپنی قوم کی بے بسی کو دیکھ رہا تھا۔ اور خون کے آنسو بہا رہا تھا۔

قصر شمع کے ایک کمرے میں وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور وادی نیل کا شفاف پانی سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس پار حد نظر تک کھیت اور باغ پھیلے ہوئے تھے اور افق کے قریب جہاں دھواں دھواں سا نظر آ رہا تھا مصر کے ابوالہول سر اٹھائے ہوئے طلوع آفتاب کا منظر دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

جتنا برداشت کیا ہے اب اس میں کوئی اضافہ ہونے والا نہیں ہے چند روز بعد تو اجنادین چلی جائے گی۔ تیرا کام ہوگا کہ قسطنطین کو اہل مصر کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کرے۔ یہ وار زیادہ کارگر ہوگا۔ تو اس طرح مصریوں کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتی ہے۔“

اس بات کا جواب نہ دے کر امانوس نے پوچھا۔ ”کیا ایرانی پھر حملہ کر رہے ہیں؟“
”نہیں یہ ایرانی نہیں ہیں۔“ مقوقس نے جواب دیا۔ ”یہ عرب ہیں۔ سنا ہے شام کے کئی شہر انھوں نے فتح کر لیے ہیں۔ وہ ایک نیا دین لے کر نکلے ہیں نہ یہودی ہیں نہ عیسائی۔ اپنے کو ابراہیم کے دین کے پیروں بتاتے ہیں۔ ان کے دین کا نام اسلام ہے۔“

ارمانوس بہت غور سے سنتی رہی۔ پوچھا۔ یہ مسیح کو نہیں مانتے ہیں؟“
مقوقس نے جواب دیا۔ ”خدا کا بیٹا نہیں مانتے رسول مانتے ہیں۔“
”پھر وہ کون ہیں۔“ ارمانوس نے کہا۔ ”مسیح کے ابن اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔“

مقوقس ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”ان کے رسول محمد کا ایک اچھی میرے نام ایک خط لے کر آیا تھا۔ میں نے ان کے لیے سوغات بھیج دی تھی۔ اس وقت عرب گنہگار تھے وہ اپنے علاقوں میں فقر و فاقہ میں گرفتار تھے۔ ان کا ملک ایرانیوں کا غلام تھا۔ اب انھوں نے شام کے اندر گھسنا شروع کر دیا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہو سکتا

ارمانوس باپ کے قریب آگئی۔ اس نے جھک کر اپنے باپ کے سر کے بالوں کو چوم لیا اور آہستہ سے پوچھا۔

”کیا کچھ خفا ہیں پیارے ابا؟“
”نہیں بیٹی۔“ مقوقس نے نیل کے سینے پر تیرتی ہوئی رومی سپاہیوں کی کشتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات ضرور ہے۔“ ارمانوس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کیا قیصر نے کوئی نیا قلم ڈھایا ہے؟“
ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد مقوقس نے کہا۔ ”یہ قلم کس پر ڈھائے گا سب نے سر جھکا دیئے ہیں۔ مصریوں میں سر اٹھا کر چلنے کی ہمت نہیں رہی ہے۔ ان کے بادشاہ میں بھی نہیں۔“ اور مقوقس کی آواز کا پتہ لگی۔

ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد ارمانوس نے کہا۔ ”مجھے اجازت کیوں نہیں دیتے آخر میں نے کس دن کے لیے تیر چلانا دیکھا ہے۔ قیصر نہ توں کو قتل کر کے فرعون بن گیا ہے۔ ابھی اس نے شمشیر کی چمک نہیں دیکھی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”پیارے ابا آپ دیکھ لیں گے کہ اسکندر یہ کے سوا ہر دمیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ پورا مصر ان کی گرفت سے آزاد ہو جائے گا۔“

باپ نے بیٹی کا سر کھینچ کر گود میں رکھ لیا۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”یہ راستہ نہیں ہے۔ تیرے باپ نے دس سال سے

ہے۔ سنا ہے خود شہنشاہ ہرقل بھی شام میں ہیں اور مشہور رومی جنرل اطربون بھی وہیں گیا ہے۔ کسریٰ کو شکست دینے والا ہرقل اس چھوٹی سی قوم کے لیے اتنا پریشان کیوں ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔“ مقوقس ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا۔ ”میں چاہتا ہوں اگلے ہفتے تمہیں اجنادین بھیج دوں۔“

ارمانوسہ نے شرما کر کہا۔ ”آپ کی خوشی۔“ اور پھر مقوقس نے دو ہزار مصری سپاہیوں اور خدمتگاروں کا ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستہ کی سردار خود ارمانوسہ تھی جس نے مردانہ لباس پہن رکھا تھا۔ مقوقس نے اظہار غم نہیں کیا۔ بنی کو گلے لگا کر مسیح کے حوالے کیا اور ایک مرتبہ پھر تاکید کی کہ وہ اپنے مقصد کو نہ بھولے۔

ارمانوسہ باپ کے شانے پر سر رکھ کر روتی رہی اور پھر نیل کی یہ حسینہ روم کے عظیم الشان محلوں کی زینت بننے کے لیے اجنادین روانہ ہو گئی۔

وادئ نیل کو کشتیوں کے ذریعے طے کرنے کے بعد انھیں بلیس میں گھوڑے ملے جو پہلے سے تیار کھڑے تھے۔ مصر میں ارمانوسہ کی سواری کے گزرنے کا اعلان ہو چکا تھا اور اہل مصر اپنی شہزادی کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

وادئ سینا سے پہلے ہی ان بھگوڑوں کا ایک دستہ ملا جو اجنادین سے شکست کھانے کے بعد یروشلم کے بجائے مصر روانہ ہو گئے تھے۔ ارمانوسہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

”ان رومیوں میں سے کسی کو ہمارے سامنے لاؤ۔ ممکن ہے یہ شام سے آرہے ہوں۔“

ارمانوسہ کے سپاہیوں نے ان کے سردار کو ملکہ کے سامنے پیش کیا۔ ملکہ نے پوچھا۔ ”تم لوگ کہاں سے آرہے ہو؟“

”شام سے۔“ رومی سردار نے جواب دیا۔

”شام کے کس علاقے سے؟“ ارمانوسہ نے پوچھا۔

”اجنادین سے۔“ جواب ملا۔

”اچھا۔“ ملکہ نے پوچھا۔ ”کیا تمہیں شہزادہ قسطنطین نے بھیجا ہے؟“

رومی سردار نے کہا۔ ”وہ بھی وہاں تھے لیکن اب نہیں ہیں۔“

”کہاں چلے گئے؟“ ملکہ نے سوال کیا۔

اس نے جواب دیا۔ ”اجنادین پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور شہزادہ قسطنطین سمندر کے راستے روم چلے گئے۔“

بہت ہی حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر ملکہ نے پوچھا۔ ”مسلمانوں نے قبضہ کر لیا؟ عرب کے مسلمانوں نے؟“

”ہاں ملکہ۔“ رومی نے غمگین لہجے میں کہا۔

”انھوں نے اجنادین فتح کر لیا۔ اور چند دنوں بعد یروشلم پر بھی انھیں کا قبضہ ہو جائے گا۔“

”کیسی عجیب بات ہے۔“ ملکہ نے کہا۔ ”خانہ بدوش عربوں نے تمہیں شکست دے دی۔ روم کی ناقابل شکست فوجوں کو۔“

رومی نے شرما کر جواب دیا۔ ”ہماری سمجھ میں نہیں آتا وہ عجیب قوم ہے نہ موت سے ڈرتی ہے اور نہ دنیا کی طرف رغبت رکھتی ہے۔ ایک سیلاب

قیرس نے ایک قید خانہ بنا رکھا تھا جس میں اس کا باپ بھی قید تھا اور وہ خود بھی وادی نیل سے نکل کر صحرا کی آزاد زندگی کی لہافتوں میں کھو گئی اور سادہ دل مصری کسان اور زمیندار آ کر اسے ایک دیوی کے احترام کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لینے لگے اور ارمانوسہ نے باتوں باتوں میں انھیں رومیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ رومیوں کے خلاف اور قیرس کے خلاف۔

ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ یروشلم کے جھوڑے بھی مصر میں داخل ہوئے۔ اطربون بھی صحرائے سینا کی خاک چھانٹا ہوا نیل کی وادی میں آ کر اتر پڑا۔ اور پورے مصر کو معلوم ہو گیا کہ مسلم فوجوں نے رومیوں کو شام اور فلسطین سے نکال کر تاریخ کا سب سے بڑا کام انجام دیا ہے۔

دوسرا سال شروع ہو گیا۔ جزیرۃ العرب میں قحط اور وبائے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ریگستان عرب کے لوگ مدینہ میں گھس آئے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے شاہی ایرانی اور فلسطینی سپہ سالاروں کو مدد کے لیے پکارا لیکن اس مدد کے بعد بھی نو ماہ تک قحط رہا اور جب قحط ذرا کم ہوا تو شام میں طاعون پھیل گیا جو عراق تک پہنچ گیا۔

اس پوری مدت میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسلمانوں کی زندگیاں بچانے کی جدوجہد میں لگے رہے اور سپہ سالار عمرو بن العاص اس دن کا انتظار کرتے رہے جب امیر المومنین انھیں مصر کی طرف بڑھنے کا حکم دیں گے۔

کی طرح ہر مقابلہ کرنے والے کو بہاتی چلی جاتی ہے۔ یروشلم قیساریہ اجنادین ہر جگہ ہم نے ان کا مقابلہ کیا لیکن فتح انھیں کو حاصل ہوئی۔ ہمارے سپہ سالار اعظم اطربون نے بھی اجنادین میں شکست کھائی۔ اس نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہا۔ ”اور چند روز بعد وہ یروشلم بھی چھوڑ دیں گے۔ مسیح کا مقدس شہر بھی۔“

ارمانوسہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے آنکھیں پونچھ کر سوال کیا۔ ”کیا قسطنطین روم چلے گئے؟“

”ہاں۔“ رومی سردار نے کہا۔ ”ہم نے انھیں غازیہ سے جہاز پر سوار کر دیا کیونکہ شام ہمارے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور فلسطین بھی چند روز کا مہمان ہے۔“

ملکہ نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔ ”کیا عرب مصر بھی آئیں گے؟“

رومی سردار نے جواب دیا۔ ”اگر فتوحات کا یہی حال رہا تو پوری دنیا میں پھیل جائیں گے۔ روم اور ایران کے بعد کوئی طاقت انھیں روک نہیں سکتی۔“

ملکہ خاموشی کے ساتھ سوچنے لگی۔ اس نے کتنی عجیب بات سنی تھی۔ عرب بہت ہی کمزور اور وحشی قوم کا نام تھا۔ ایران اور روم کی مہذب حکومتیں انھیں انہی ناموں سے جانتی تھیں۔

ارمانوسہ نے رومی کو رخصت کر دیا اور خود پیچھے ہٹ کر ایک قصبہ میں قیام کیا کیونکہ اب اجنادین جانا بیکار تھا۔ وہ مصر بھی جانا نہیں چاہتی تھی جہاں

لیکن یہ حکم ملنا آسان نہ تھا جب بھی حضرت عمرؓ نے فتح مصر کا خیال ظاہر کیا مدینہ کے اصحاب مشورہ نے مخالفت کی۔ حضرت عثمانؓ مخالفوں کے سرغنہ تھے۔ پھر جب قحط ختم ہو گیا اور وبا بھی باقی نہیں رہی تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنینؓ کو وہ وعدہ یاد دلایا جو فتح مصر کے بارے میں انھوں نے بیت المقدس میں کیا تھا۔ جواب میں حضرت عمرؓ نے انھیں مصر کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔

قیصراریہ میں ہرقل نے سمندر کے راستے مدد بھیج دی تھی۔ اور ایک مرتبہ پھر رومی اس بندرگاہ پر قابض ہو گئے تھے جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ اس کا محاصرہ کر چکے تھے لیکن جیسے ہی حضرت عمرؓ کے قاصد شریک بن عبیدہؓ نے انھیں مصر کی پیش قدمی کا حکم سنایا وہ قیصراریہ کا محاصرہ حضرت عبیدہؓ کے سپرد کر کے صرف ساڑھے تین ہزار مسلمانوں کو لے کر اسطیقہ کوچ کر گئے اور شریک بن عبیدہؓ کے ہاتھ امیر المومنینؓ سے مکہ کی درخواست کر دی گئی۔

ساڑھے تین ہزار کا لشکر مصر فتح کرے گا جب کہ مصر میں ایک لاکھ رومی لشکر موجود ہے ساتھ ہی اطربون کا سازیریک اور قیرس کا سا قہار بھی وہاں موجود ہے۔ اگر یہ خبر سن کر مدینے کے مسلمان بے چین ہو جاتے ہیں تو کوئی تعجب کی کوئی بات نہیں اور اگر حضرت عثمانؓ جوش میں یہ کہہ گزرتے ہیں کہ ”امیر المومنینؓ عمرو بن العاصؓ نذر اور بے دھڑک آدمی ہیں اور انھیں اقتدار و حکومت کی بھی خواہش ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مصر کے حالات کا صحیح

اندازہ کیے بغیر ناکافی فوج لے کر نکل کھڑے ہوں گے اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔“ تو ہم ان کی رائے کو نامناسب نہیں کہہ سکتے۔

ہوا بھی تو یہی ہے کہ شریک بن عبیدہؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عمرو بن العاصؓ ایک چھوٹا سا لشکر لے کر روانہ ہو گئے ہیں۔ اس راستے پر جس سے یوسفؑ اور یعقوبؑ گزر چکے تھے۔ جس پر موسیٰؑ اور بنی اسرائیل نے سفر کیا تھا جس سے اطربون ایسا ہوا تھا اور جس پر آگے پیچھے مسلم شہسوار نے گزرنے والے تھے۔ شریک بن عبیدہؓ نے اس لشکر کا حال سب کو سنا دیا تھا اور مدینہ بے چین ہو گیا تھا۔ ”عمرو بن العاصؓ کو واپس کرو۔ واپس کرو۔“

مدد رک گئی لیکن عمرو بن العاصؓ مصر کی سرحد میں داخل ہو کر واپس ہو گئے تو اطربون کی ہمت بڑھ جائے گی اور ممکن ہے وہ یروشلم کی طرف بڑھ آئے۔ ساتھ ہی جس لشکر کی روایات یہ ہوں کہ وہ آگے بڑھ کر کبھی پیچھے نہ ہٹا ہوا اس کی اس روایت پر بھی برا اثر پڑے گا۔ اس لیے وقت کے اس مدبر عمر فاروق اعظمؓ نے اپنے مصری سپہ سالار کو لکھا۔

”اگر یہ میرا خط مصری سرحد پار کرنے سے پہلے وصول ہو تو جہاں سے چلے ہو وہیں لوٹ جاؤ اور اگر سرحد پار کر چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو میں تمہارے لیے کمک بھیجوں گا۔“

قاصد مقام ریح میں سپہ سالار کو ملا جب کہ وہ مصر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قاصد کے پاس خط تھا۔ کمک کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ کمک نہ ہونے پر خط کا مطلب یہی تھا کہ واپس ہو

اشان طاقت نہیں چھپی ہوئی ہے تاکہ جب رومی سپہ سالار ریٹن میں اپنی فوجیں لے کر نکل آئے تو اسے اسی طرح چل کر رکھ دے جس طرح اجنادین میں چل دیا تھا۔

”اب کے ایسا نہیں ہوگا۔ مصر میں اطربون دھوکا دے گا کیونکہ جنگ احوئے کا نام ہے۔“
اطربون نے عریش بھی خالی کر دیا اور مضبوط قلعہ ہلیس میں مقابلی کی تیاری کرنے لگا۔

”جب وہ اپنی بجھڑیں لے کر ایک ٹیلے سے اتر رہا تھا تو مشرق کی طرف کچھ سوار دیکھے جو مسیح تھے اور جنوب کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے کرتے سفید اور غلامے پشت کی طرف لٹکے ہوئے تھے۔ داڑھیاں ہونی اور رنگ سانولے تھے۔“

آسیہ نے بے ساختہ کہا: ”وہ عرب تھے شاید مصر میں داخل ہو گئے ہیں۔“
ملکہ کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس نے گڈریے سے پوچھا: ”ان کی تعداد کیا ہوگی؟“

”میں کے قریب ہوں گے۔“ گڈریے نے جواب دیا۔
”وقت کیا تھا؟“ ملکہ نے سوال کیا۔

”شام ہو رہی تھی۔“ پرواہ نے جواب دیا۔
ملکہ نے آسیہ سے مخاطب ہو کر کہا: ”اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کہیں قریب ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔“
پھر اس نے گڈریے کو رخصت کر دیا اور اسی وقت روانگی کی تیاری شروع کر دی۔

آسیہ نے اس کی پریشانی دیکھ کر پوچھا: ”لیکن

جاؤ۔ جبکہ مدینہ میں فتح مصر کے مخالف بھی موجود تھے۔ حضرت عمرو بن العاص سمجھ گئے کہ خط میں واپسی کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

وہ چھپتے رہے اور قاصد سے مدینہ کے حالات پوچھتے رہے۔ خط وصول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جو رفع اور عریش کے درمیان تھا۔ تب انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ گاؤں والوں نے بتایا کہ یہ گاؤں مصر میں ہے۔ حضرت عمرو بن العاص اتر پڑے اور قاصد سے خط لے کر پڑھا۔ پھر مسلمانوں کو سنا کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

”اللہ کی برکت اور اعانت پر بھروسہ کر کے بڑھے چلو۔“

ساڑھے تین یا زیادہ سے زیادہ چار ہزار مسلمانوں کے ساتھ عمرو بن العاص اب اپنے جانی دشمن اطربون کے مقابلہ کے لیے جا رہے تھے۔ جو عہد فراغ اور رومن امپائر کے مضبوط اور سنگھار قلعوں کے اندر بیٹھا ہوا تھا جس کی نفرت اور جھلناہٹ کے ساتھ شام اور فلسطین کی طرف تباہ رہا تھا کہ کب مدینہ کا شاہین بے خبر ہوا اور روم کا چڑی مار اسے اپنا شکار بنالے لیکہ ایک اسے معلوم ہوا کہ عرب کا گھاگ سرزمین مصر میں اسی طرح پیش قدمی کر رہا ہے جیسے اپنی ریاست کے دورے پر نکلا ہو۔

لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی اور سپہ سالار ہوتا تو اطربون یقین بھی کر لیتا۔ عمرو بن العاص کیسے ایسی غلطی کر سکتے تھے۔ یقیناً اس میں کوئی چال ہے اور اس چھوٹے سے لشکر کے پیچھے عربوں کی عظیم

تم تو ان کا انتظار کر رہی تھیں ملک؟“

ارمانوس نے جواب دیا۔ ”ہاں انتظار کر رہی تھی مجھے ان لوگوں کو دیکھنے کا اشتیاق تھا لیکن معلوم نہیں وہ کیا برتاؤ کریں۔ فاتح ہر جگہ یکساں سلوک نہیں کرتے۔“

آسیہ نے آہستہ سے کہا۔ ”وجہ زورتو میں جا کر دیکھوں ممکن ہے کوئی جان پہچان والا مل جائے۔“

ملکہ نے جواب دیا۔ ”لیکن میں انتظار نہیں کروں گی۔ آج ہی مصر کے لیے روانہ ہو جاؤں گی۔ اگر زندہ رہی تو مصر آتا میں تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔“

لیکن ملک دور نہ جا سکی جن لوگوں کا خوف تھا انہوں نے اسے گھیر لیا۔ شاید یہ وہی ہیں عرب تھے جنہیں چرواہے نے دیکھا تھا۔ انہوں نے ملکہ راستہ روک لیا پوچھا۔

”تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟“

”مصر۔“ ملکہ نے جھوڑا آواز بڑھایا لیکن اس کے الفاظ کانپ رہے تھے۔

”تم اطربون کے فوجی معلوم ہوتے ہو۔“ ایک عرب نے کرخست لہجے میں سوال کیا۔ ”مسلم لشکر کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہوا ہے؟“

ملکہ نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ”ہم فوجی نہیں ہیں۔ اور ایران سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم شاہ مقتوس کے سپاہی ہیں اور ملکہ ارمانوس کو روم پہنچانے کے لیے نکلے تھے۔“

عرب نوجوان نے بے چینی کے ساتھ پوچھا۔

”ارمانوس کیلئے ملک روم چلی نہیں؟“

”ہاں۔“ ارمانوس نے جواب دیا۔ ”شاہ نے انہیں رخصت کر دیا۔ وہ چلی گئیں۔“

”تم لوگ انہیں رخصت کر کے آ رہے ہو؟“ نوجوان عرب نے پوچھا۔

”ہاں۔“ ملکہ نے جواب دیا۔

عرب مسکرایا بولا۔ ”لیکن یہ راستہ بیت المقدس کی طرف جاتا ہے روم کی طرف نہیں۔ تمہارا فریب کھل گیا ہے۔ اس لیے یا تو اپنے بارے میں سچی بات بتا دو ورنہ ہم تمہیں گرفتار کر لیں گے۔“

ملکہ نے خبردار عرب کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی غلط بات کہہ رہی تھی۔ روم کے لیے اسکندر یہ راستہ جاتا ہے اور مشرق کی طرف بہت آگے بڑھ آئی تھی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

عرب نوجوان نے پھر کہا۔ ”تم لوگ جنگ کرو گے یا ہتھیار رکھو گے؟“

اب ملکہ نے سوچا کہ اس کے دل کی مضبوطی ہی اسے اس مصیبت سے بچا سکتی ہے۔ اسی لیے اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”ہم نہ جنگ کریں گے نہ ہتھیار رکھیں گے۔“

نوجوان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”لیکن تمہیں دونوں میں سے ایک کام کرنا ہوگا۔“

”تم مجبور نہیں کر سکتے۔“ ملکہ نے اسی طرح خود اتہادی سے کہا۔ ”نہ تم نہ تمہارا سردار ہم وہ لوگ ہیں جن کا ہمیں احترام کرنا ہوگا۔“

نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہم

شاہوں کا احترام نہیں کرتے۔ ان کا احترام کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ تم وہ لوگ نہیں ہو۔“

ملکہ نے کہا۔ ”لیکن مقوقس دوسرے بادشاہوں کی طرح نہیں ہیں۔ انھوں نے تم پر احسان کیا ہے۔“

ایک لمحے کے لیے نوجوان خاموش ہو گیا۔ اس سے جواب دیتے نہ بن پڑا۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ہاں ہم شاہ مقوقس کے احسان مند ہیں۔ اس نے ہمارے نبی کے خط کا سب سے اچھا جواب دیا تھا اور ان کی طرف تھے بھی بھیجے تھے۔ لیکن ہم تمہاری بات پر یقین کیسے کر سکتے ہیں جبکہ تم ابھی ہم سے فریب کر چکے ہو۔“

”یقین چاہتے ہو؟“ ملکہ نے پوچھا۔

”ہاں۔“ نوجوان نے کہا۔ ”اگر ہمیں یقین آ گیا تو تمہارے ساتھ عزت کا برتاؤ کریں گے۔“

ملکہ نے ایک لمحہ نوجوان کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے ڈھیلے ڈھالے چننے کے جن کھول لیے اور اسے اتار کر ساتھ کے سپاہی کی طرف پھینک دیا۔

یہ ایک ایک حسینہ اپنی لامبی لامبی زلفوں کے ساتھ نوجوان کے سامنے کھڑی ہوئی اور نوجوان حیرت کے ساتھ اپنے سامنے کی فرعون کی حسینہ کو دیکھنے لگا۔

ملکہ نے کہا۔ ”مجھے دیکھ لو میں سرزمین مصر کی ملکہ ارماتوسہ ہوں۔ شاہ مقوقس میرے والد ہیں۔ اب تم میرا رستہ نہیں روک سکتے۔“

نوجوان مبہوت کھڑا تھا۔ وہ بیت المقدس سے

ایک نقشہ اپنی آنکھوں میں لے کر چلا تھا۔ آسمان کی دکھائی ہوئی تصویر اس کے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ آج وہ تصویر زندہ ہو گئی تھی اور اگر ملکہ اپنا تعارف نہ کراتی تو بھی وہ بے اختیار چیخ اٹھتا۔ تم ملکہ ارماتوسہ ہو۔ میں بہت دن سے تمہیں جانتا ہوں۔

نوجوان کی محویت ختم ہوئی۔ اس نے کمزور لہجے میں کہا۔ ”ہاں تم ملکہ ارماتوسہ ہی ہو میں نے تمہاری تصویر دیکھی ہے۔“

”کیا تم۔۔۔۔؟“ ملکہ کہتے کہتے رکی۔ اس نے نوجوان کی طرف دیکھا۔ ”کیا تمہارا نام قاسم ہے؟“

”ہاں۔“ قاسم نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں قاسم ہوں اور ملکہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آج یہیں تیار کریں تاکہ ہمارے سردار عمرو بن العاص انھیں احترام کے ساتھ شاہ مقوقس کی طرف رخصت کر سکیں۔“

”ہمیں منظور ہے۔“ ملکہ نے کہا۔ اور ساتھ والوں کو حکم دیا۔ ”خیمے لگاؤ ہم ان کے بارے میں معلوم کر کے شاہ کے پاس چلیں گے۔“

جب ملکہ نے قیام کر دیا تو قاسم نے دو ساتھیوں کو حضرت عمرو بن العاص کے پاس بھیجا تا کہ وہ تیزی کیساتھ وہاں آجائیں۔

دونوں طرف اشتیاق تھا۔ قاسم کو ایک ایسی حسینہ کے دیکھنے کا جس کا نمونہ وہ بچپن میں دیکھ چکا تھا عروس نیل کی شکل میں اور ملکہ ارماتوسہ ایک ایسے عرب کو دیکھنا چاہتی تھی جو روئے زمین کے فاتح ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ اس شام کو

دونوں نے پھر ملاقات کی۔

پوچھا۔

ارمانوسہ نے جواب دیا۔ ”میں اپنے ابا جان کے پاس جاؤں گی فیصلے کا حق انھیں کو ہے۔“

قاسم نے کہا۔ ”میری بڑی تمنا تھی کہ تم بھی اسلام قبول کر لیتیں۔ اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہارے دل کو حق کے لیے کشادہ کر دے۔“

ارمانوسہ نے مسکرا کر کہا۔ ”آمین۔“

دوسرے دن امیر مصر عمرو بن العاص نے ارمانوسہ کو چند بہترین تحائف کے ساتھ شہر مصر روانہ کر دیا اور ساتھ ہی خط بھی دیا۔ جس میں لکھا تھا۔

”وہ تقویٰ میں تمہیں رسول اللہ کا پیغام پھر یاد دلاتا ہوں اسلام قبول کر لو امن سے رہو گے۔“

سرزمین مصر پر عرب کے مجاہدوں کی تلواریں پھر بے نیام ہوئیں۔ رومی اس نئی کوہنہ پر تازہ دم لشکر لے کر مقابلے پر نکلے۔ لیکن انھیں فرما کے مقام پر پہنچی شکست ہوئی اور اطربون ایک رات جان سے عاجز ہو کر شب خون مارنے آیا۔ اور اس کی بوجھل اور بارندامت سے گراں بار زندگی کا فیصلہ ہو گیا۔ کسی مسلم سپاہی کی تلوار نے اس کی زندگی کا رشتہ منقطع کر دیا۔

(جاری ہے)

(بشکریہ الناصر سوری)



”تم مجھے کیوں دیکھنا چاہتے تھے؟“ ملکہ نے کہا۔ اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

قاسم نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”رسول اللہ کے اپنی حاطب میرے والد تھے۔ وہ شاہ متوقس کے نام رسول اللہ کا خط لائے تھے۔ میں کسن تھا اور اپنے باپ کے ساتھ مصر کی سیر کے لیے آیا تھا۔ اسی زمانے میں میں نے ایک مصری حسینہ کو دیکھا تھا جسے عروس نیل بنا کر غرق کر دیا گیا تھا۔“ ایک ٹھنڈی سانس لے کر قاسم نے کہا۔

”میں اس حسینہ کو بھول نہیں سکا۔ بچپن کی وہ یاد میرے حافظے میں رہ گئی۔ اور دل کسی مصری حسینہ کو دیکھنے کے لیے بے چین رہنے لگا جو عروس نیل ہی کی طرح ہو۔“

ملکہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ”ہم رومیوں کے غلام ہیں۔ ابا جان بھی ایک طرح سے قیرس کے قیدی ہیں کیا تم لوگ مصریوں کی مدد کرو گے؟“

”ہاں۔“ قاسم نے کہا۔ ”جو لوگ اسلام قبول کر لیں گے وہ ہمارے بھائی اور حکومت میں برابر کے شریک ہو جائیں گے لیکن جو اسلام قبول نہیں کریں گے ہم انھیں بھی امن اور مذہبی آزادی دیں گے۔“

ملکہ نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ ”اگر عربوں کا یہی کردار ہے جو تم نے بتایا تو ایک نہ ایک دن پورا مصر تمہارے دین کو قبول کر لے گا۔“

”اور تم؟“ قاسم نے اس کی طرف دیکھ کر



مرکان بنایا تو یہاں ایک جھونپڑی میں ایک بوڑھا شخص
 رہتا تھا جو بالعموم نیم مریاں حالت میں دکھائی دیتا تھا۔
 تو اپنی جھونپڑی ہی میں گزارتا تھا اور جیسے ہی شام کی
 تاریکی فضاؤں میں بھیلے لگتی تھی بابا صاحب کے مزار
 پر جاتا اور تمام رات وہیں گزار دیتا تھا۔ بابا صاحب

کے ماننے والے لوگ مزار پر کچھ نہ کچھ نذر چڑھاتے رہتے تھے۔ یہ شخص اس میں سے تھوڑا سا حصہ وصول کر کے باقی زائرین ہی میں بانٹ دیتا تھا اور یوں اس کے لیے قوت لایموت کا سامان مہیا ہوتا تھا۔ گاؤں کا نام اسی شخص کی نسبت سے مشہور ہوا تھا۔ اس کا حقیقی یا پیدائشی نام کیا تھا کسی کو بھی معلوم نہیں تھا اور نہ وہ کسی کو اپنے بارے میں معلومات بہم پہنچانے کا خواہش مند تھا۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ وہ ہر دوسرے فقرے پر ”جی جی“ کہتا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ”جی جی“ اس کا تکیہ کلام تھا۔ اس کے پاس عقیدت سے آنے والوں نے اسے بار بار جی جی کہتے سنا تو اس کا نام ہی جی جی میاں پڑ گیا اور اسی طرح یہ گاؤں جی جی پور مشہور ہو گیا۔“

گاؤں والے جی جی میاں کا بہت احترام کرتے تھے اور جو کچھ وہ کہتا تھا اسے صحیح تسلیم کر لیتے تھے۔ جی جی میاں نے گاؤں کے خاص خاص لوگوں کو بتایا تھا کہ بابا صاحب بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے۔ مگر طبیعت کے لحاظ سے بہت جلالی تھے۔ بڑی جلدی جلال میں آجاتے تھے اور بڑے سے بڑے آدمی کو بھی بلا تکلف جھڑک دیتے تھے۔ انہی جی جی میاں نے شاید بتایا تھا۔ بابا صاحب کے مزار پر ہر جمعرات کو جب آخری چراغ جلایا جائے گا تو چراغ جلانے والی کی دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ چراغ جلایا جاتا تھا مگر ابھی اسے مزار پر رکھائی جاتا تھا کہ شمالی پہاڑوں کی طرف سے آنے والی ہوائیں اسے بجھا دیتی تھیں۔ گاؤں میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ساتویں جمعرات کو چراغ جلانے والے

کی آرزو ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس آزمائش پر پورا اترنا تقریباً ناممکن تھا۔ اول اگر پہلے دو تین چراغ صحیح سلامت مزار تک پہنچ بھی جاتے تھے تو ان کے بعد جو چراغ جلایا جاتا تھا وہ ضرور بجھ جاتا تھا۔ عام یقین یہ تھا کہ اب تک کوئی شخص یکے بعد دیگرے سات چراغ جلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تو اس کی وجہ بابا صاحب کی جلالی طبیعت کی کارفرمائی ہے ورنہ شمالی پہاڑوں کی بلند یوں سے آنے والی سرد ہواؤں کا یہ حوصلہ کہاں کہ وہ عین اسی لمحے دیوار کے روزنوں سے اندر آئیں جب مزار کے قریب چراغ جلایا جا رہا ہو۔ یوں ساتواں چراغ جلانے کی بھی نوبت نہیں آتی تھی البتہ بعض لوگوں کی زبانی یہ بات سنی جاتی تھی کہ خاصی مدت ہوئی ہے کہ ایک دھوبین نے مزار پر ساتواں چراغ بھی جلادیا تھا اور اس کی مراد پوری ہوئی تھی۔ اس کا بیٹا جو قتل کے مقدمے میں ماخوذ تھا پھانسی کی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ اس حقیقت کی تصدیق اس وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ ماں اور بیٹا دونوں اب دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اگر کوئی شخص مقبرے کے اندر جانے کے بجائے اس کے ارد گرد گھومتا تھا اسے بے شمار نئے ہوئے مٹی کے چراغ نظر آتے تھے۔ یہ وہ چراغ تھے جو مزار پر دو دو تین تین یا زیادہ سے زیادہ چار چار کی تعداد میں جلتے تھے اور چونکہ یہ چراغ جلانے والے سات جمعرات کی شرط پوری نہیں کر سکے تھے۔ تاکہ نئے مرادیں مانگنے والے کو قسمت آزمائی کا موقع ملتا رہے۔ یہ چراغ باہر کون پھینک دیتا تھا اس سوال کے مختلف جواب دیے جاتے تھے۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ بابا

صاحب کا واحد مرید جی جی میاں جو ایک روز چپ چاپ اپنی جھونپڑی چھوڑ کر اس طرح غائب ہو گیا تھا کہ پھر کبھی نہیں دکھائی دیا۔ وہی آدمی رات کو باقاعدہ یہاں آتا ہے اور چراغ باہر پھینک دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ شمال سے آنے والی سرد ہوائیں ہی ان چراغوں کو دھکیلتی ہوئی دروازے سے باہر لے جاتی ہیں اور یہ چراغ اس عمل کے دوران ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔

جی جی پور کا سب سے معقول آدمی ناصر خان تھا جس کی زرعی اراضی میں مربوں پر مشتمل تھی اور جس کی حویلی کے دLAN میں سو کے قریب چار پائیاں بچھائی جاسکتی تھیں۔ ناصر خان ان آبادکاروں میں سے تھا جو سب سے پہلے یہاں آئے تھے۔ آدمی تجربہ کار اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے حال کے آئینے میں مستقبل کے واضح خدوخال دیکھ لیے تھے۔ وہ کشتیاں جلا کر یہاں آیا تھا۔ یعنی اس نے اپنی تھوڑی سی شہری جائیداد فروخت کر دی تھی اور ہمیشہ کے لیے اس اجاڑ مقام پر رہائش پزیر ہو گیا تھا۔ اس نے وقت سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اراضی پر اپنی ملکیت بچالی۔ پیسہ پاس تھا۔ غریب لوگوں کو اپنا مزارعے بنا لیا اور اس طرح اس کی دولت اور ذاتی وجاہت میں دن رات اضافہ ہونے لگا۔

گاؤں کی بیشتر آبادی اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ بابا صاحب کے مزار پر جا کر چراغ جلانے کی شرط پوری کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے وہ لوگ ادھر کا رخ ہی نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھار کسی کے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہو جاتی تھی تو وہ اپنے کٹھن سفر

پر روانہ ہو جاتا تھا لیکن چوتھے یا پانچویں چراغ کے بجھ جانے پر اس کی اپنی طبیعت اس طرح بجھ جاتی کہ وہ پھر زندگی بھر ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔ البتہ شہر سے کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا تھا۔ جو بھی آتا وہ سیدھا ناصر خان کی حویلی کی طرف جاتا تھا۔ ناصر خان اس کے رہنے سہنے کا بندوبست اپنی حویلی میں کر دیتا۔ پہلے دن کے بعد اس سے ٹکسے بے نیاز ہو جاتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ مہمان دو تین جمعات میں ہی یہاں بسر کرے گا اور جاتے ہوئے ملے گا بھی نہیں۔ مہینے میں ایک دو قسمت آزمایہ ضرور آ جاتے تھے۔ کوئی مرد تو شاید ہی آتا تھا۔ عام طور پر عمر رسیدہ عورتیں آتی رہتی تھیں۔ مگر ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ تین مہینے گزر گئے اور ناصر خان کی حویلی کے بڑے پھانک پر کسی مسافر نے دستک نہ دی۔ نجانے گاؤں والوں کو اس سے اپنی اجتماعی زندگی میں ایک خلا کیوں محسوس ہونے لگا تھا۔ چوپال میں جب بھی کچھ لوگ بیٹھتے تو ہیرا رانچھایا زینوں نامہ سننے سے پہلے اس ہی بات کا تذکرہ ضرور کرتے۔ ناصر خان کے منشی کو تو یقین ہو گیا تھا کہ اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اس نے حویلی کے چوکیدار سے کہہ دیا تھا۔ چاچا رات کو سو جایا کرو۔ بابا صاحب کے مزار پر اب کوئی نہیں آئے گا۔ چوکیدار چاچا نے یہ بات پلے باندھ لی تھی۔ وہ اس امر سے بے نیاز ہو گیا کہ جمعات کو کوئی شخص مٹی کا چراغ اور ماچس لے کر حویلی سے نکلے گا اور آدھی رات سے پہلے پہلے لوٹ آئے گا۔ وہ پھانک کے پہلو میں رکھے ہوئے بیچ کے اوپر سینے بیٹھنے اور گھٹنے لگتا اور پھر اوجھنے اوجھتے سو جاتا تھا۔

اسلامی چوتھے مہینے کے آغاز کا ذکر ہے۔ شام
نی ہوتی جارہی تھی کہ جاگیردار ناصر خان اپنی سفید
زمی سے نیچے اترے اور اسے چوکیدار کے حوالے
کے پھانک کی طرف بڑھا کہ ایک بڑھیا نے جس
اس میلا پکیلا تھا اور جس نے ہاتھ میں ایک تھیلی
کھا تھا پھانک کے پاس ہاتھ کے اشارے سے
روک لیا۔ ناصر خان باہر ہائیسے لوگوں سے پھانک
سامنے مل چکا تھا اس لیے یہ اندازہ لگانے میں
بہت دقت نہ ہوئی کہ یہ عورت کس مقصد کے ساتھ
آئی ہے اور اس سے کیا توقع رکھتی ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ ناصر خان نے رٹاٹا جملہ بڑھیا
کی طرف پھینک دیا۔ ناصر خان جب یہ جملہ زبان
بانتا تھا تو اسے کچھ اور کہنے سننے کی ضرورت نہیں
آتھی۔ چوکیدار مہمان کو ساتھ لے کر اسے حوٹلی
ایک خاص کمرے میں پہنچا دیتا اور اسی وقت اس
کیام تک کھائے پینے کا بھی بندوبست کر دیتا تھا۔
ناصر خان پھانک کے اندر چلا گیا۔ معمول کے مطابق
میا کو چوکیدار کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھا
پیسے تھا مڑوہ دیں کھڑی رہی۔ ایسا پہلے بھی نہیں
تھا تو اب کیوں ہو رہا تھا۔ ناصر خان چند قدم چل
رک گیا۔ چوکیدار نے بڑھیا کو چلنے کا اشارہ کیا اور
چلنے لگی۔ ناصر خان نے پھانک کے اوپر چلے ہوئے
سب کی روشنی میں بڑھیا کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر
سے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا۔

”تو کون ہے؟“ جاگیردار کے لہجے میں
خستگی تھی۔

”میں میں۔“ بڑھیا نے جواب دیا۔

کراسے دیکھ رہا تھا۔

”اماں! تو کیا کرتی ہے؟“

”پتر! میں دھوین آں۔“ ناصر اس کے قریب
آگیا۔ تو بھی بڑھیا اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

”اماں! تو بھی ساتواں چراغ جلا لے گی؟“

بڑھیا کا چہرہ جو پہلے ہی تذبذب کا نشانہ بن چکا تھا
اس پر ایک ایسا نور جھلکا کہ لگا۔ جو طلوع آفتاب

کے وقت مشرقی افق پر تھوڑی دیر کے لیے برقرار رہتا

ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ ناصر خان چند لمحوں

میں غور کر چلا گیا۔ بڑھیا کمرے میں داخل ہوئی تو

اس کی نظر سب سے پہلے میز کے چند چراغوں پر پڑی

جو ایک طرف ایک چھوٹی سی میز کے اوپر پڑے

تھے۔ چراغوں کے پاس کچھ روٹی بھی نظر آ رہی تھی۔

میز کے علاوہ کمرے کے اندر چار پانی چیتوں کا ایک

ٹونا، ایک دھبھی اور اس قسم کی گھر میں استعمال کی کچھ اور

چیزیں بھی موجود تھیں۔ چوکیدار اب روٹن کر کے باہر

نکل گیا۔ بڑھیا دروازے کے قریب رک کر کمرے کا

جائزہ لیتی رہی اس کے دل میں ایک بیجان سا پرپا

ہو گیا۔ اس نے اپنا تھیلہ میز کے اوپر رکھ دیا اور اس کی

انگلیاں ان چراغوں کو چھونے لگیں جن میں تیل کی

ایک بوند بھی نہیں پڑی تھی۔ اسے یکا یک خیال آیا کہ

جو بھی یہ چراغ لایا ہو گا وہ کتنی آس کے ساتھ آیا اور پھر

میاوس ہو کر چلا گیا ہو گا۔ اسے اپنا خیال آ گیا۔ وہ ایک

ایسے کپڑے کی طرح تھی جسے دھو کر پوری طرح نچوڑا

گیا ہو اور اسی حالت میں سبز گھاس پر بکھیر دیا گیا ہو کہ

دھوپ کی شدت کپڑے کے اس باقی پانی کو بھی چوس

دیتی۔ چراغ ابھی گھر سے دور ہی ہوتا کہ وہ صدمہ تے جاواں واری جاواں ورد کرتی اس سے جا کر لپٹ جاتی تھی۔ مگر پچھلے نو سال سے اس کے گھر میں اور اس کے دل میں تاریکیاں ہی تاریکیاں چھا چکی تھیں۔ اپنے بیٹے کو پانے کی خاطر اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ سیانوں نے جو کچھ کہا وہ کر چکی تھی۔ مگر اب وہ تھک گئی تھی۔ بالکل مایوس ہو چکی تھی کہ اس نے بابا صاحب کی کرامت کا حال سنا اور وہ اسے آخری سہارا سمجھ کر جاگیردار کے یہاں آگئی۔ اس کی آنکھیں دروازے پر جمی تھیں اور انگلیاں متواتر حرکت کر رہی تھیں۔ اس کے سامنے بیٹوں کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا۔

”اتنی ساری بتیاں.....! چار ڈالنا ہے ان کا؟“
یہ الفاظ جاگیردار ناصر خان نے کہے تھے۔ جو شاید جب سے حویلی آئی تھی تیسری مرتبہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بڑھیا نے ایک نظر بیٹوں پر ڈالی اور پھر ناصر خان کو دیکھنے لگی جس کی مونچھوں کے بال جھک کر تھوڑی کوچھونے کی کوشش کر رہے تھے۔

”میں نے سنا ہے تمہارا بیٹا نو سال سے غائب ہے۔“ بڑھیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ناصر خان چار پائی پر بیٹھ گیا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے بڑھیا سے پوچھا۔
”فاطمہ“ ناصر خان نے چند سیکنڈ بڑھیا کو گھور کر دیکھا اور پھر یوں سر ہلانے لگا جیسے اس کے دل میں کسی بات کی تصدیق ہو گئی ہو۔

”کوئی تکلیف؟“ بڑھیا نے نفی میں سر ہلا دیا۔
کمرے کے باہر ناصر خان کا خوشی ہاتھ میں حساب کتاب کے لیے لیے رجسٹر لیے اپنے مالک کے فارغ

ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ ناصر کی اس پر نظر پڑی تو دروازے کی طرف جانے لگا۔

جمہرات کی شام کو جھکڑ چلنا شروع ہو گیا تھا۔ بڑھیا نے چراغ میں بتی اور تیل ڈالا۔ دوسرے ہاتھ میں ماچس پکڑی اور بس اللہ کہہ کر تہمازار کی طرف روانہ ہو گئی۔ کسان کھیتوں سے لوٹ رہے تھے ان کے بیلوں کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ بڑھیا کے قدموں میں تیزی آگئی۔ سنان راستوں سے گزرتی وہ مقبرے کے اندر داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہوتے وقت بھی اس کے کانوں میں بیلوں کی گھنٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ موسم سرما کی ان ہواؤں سے بے نیاز تھی جن کے جھونکے مقبرے کی دیواروں سے ٹکرا کر مسلسل شور برپا کر رہے تھے۔ اس نے تیلی کو ماچس کے کنارے پر رکھ کر آہستہ سے اپنی کوئی کی طرف بڑھیا۔ ایک ہلکی سی روشنی پھوٹ پڑی۔ جلتا ہوا چراغ اس نے مزار کے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور چند لمحوں بعد انگلیوں سے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو خشک کر کے جلتے ہوئے چراغ پر آخری نظر ڈال کر باہر نکل آئی۔ وہ قدم اٹھا رہی تھی مگر اسے احساس نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے..... کہاں جا رہی ہے..... یکا یک حویلی کے چوکیدار نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

”کیا ہوامائی صاحب؟“ بڑھیا نے اپنی شہادت کی انگلی اوپر اٹھائی اور پچانک عبور کر گئی۔ کمرے میں جا کر اس نے ماچس میز پر رکھی اور چار پائی پر جا بیٹھی۔ کمرے کے اندر آتے وقت اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ بند دروازہ دیکھ کر اس کے ذہن میں نہ جانے کیا

شادی شدہ احسن بھبی خاص استعمال کمزور مرد

سفر جیل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ جیل اسپین، لبنان اور عرب کے اکثر علاقوں میں پایا جاتا ہے جو بہت لذیذ اور بہت لطیف ہوتا ہے قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کر دی ہے جس سے پورے مرد بھی جوان ہو جاتے ہیں اور کئی برسوں کیلئے ناکھ ہے۔ سفر جیل ایک ایسا تابیاب پھل ہے جسکے متعلق رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے کہ سفر جیل کھا تو سہ دل کو طاقت دیتا، دل کے نور کو روکتا، دل کو مضبوط کرتا، دل کی بیماریوں کو خشک کرتا، سانس کو خوشبو دار کرتا اور سینہ کا لو جو آتا رہا ہے پھر حضور نے سفر جیل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: سفر جیل کھاؤ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نئی نہیں مامور فرمایا جسے جنت کا پھل سفر جیل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مرد کی قوت کو چالیس افراد کے برابر کر دیتا ہے حکمہ قدیم کے نزدیک یہ دل و جگر کی بیماریوں اور قوت خاص کیلئے اکیس کا درجہ رکھتا ہے۔ سفر جیل کے متعلق حکیم عبدالغنی مرحوم (قمری اپنی کتاب میں لکھتا ہے اس پھل میں قوت مطلق نے وہ قوت رکھ دی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور حکیم اسرار اردوی (مرحوم) لکھتے ہیں کہ یہ پھل بیحد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ حکیم نذیر احمد قرانی (مرحوم) سفر جیل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قدرت نے اس پھل میں وہ قوت خاص رکھی ہے جو کسی اور پھل میں نہیں۔ نہ جانے اس پھل میں اور کیا قوتیں موجود ہیں جو انسان کیلئے یقینی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ سفر جیل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپ کے سامنے وہ قیمتی نازد کھاتا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرنے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے، سرعت خزاں کو دھڑ کرنے اور قوت خاص میں تحریک پیدا کرنے کیلئے بالکل چیز ہے جس کی صرف ایک ہی خود اک کھانے سے مرد میں اتنا کڑھٹ آجاتا ہے کہ مرد چار شاویاں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کا نام احسن بھبی خاص ہے جو کہ گریوں کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ 30 گولی قیمت 1500 روپے بذریعہ TCS یا VP منگوائیں۔

راوی دواخانہ دکنی • مشفق دواخانہ غازی	بادشاہ دکنی، یوہڑ بازار، لاہور ڈی	ڈیلرز
خالد دواخانہ صراف بازار ایبٹ آباد محمد علی دواخانہ اسلام آباد - 2278463 خالد پرویز، مدنی سٹریٹ، سکھ نعیم دواخانہ گوجرانوالہ روڈ حافظ آباد ناصر دواخانہ، نوبہ صحت دواخانہ، سید دواخانہ حق سائیں دواخانہ صدر پشاور عاشی دواخانہ ایم اے جٹ روڈ گلبرگ	حکیم صوفی نور محمد، احمدیٹ چوک، جہلم قدیر چینی دواخانہ، کچھری بازار، سرگودھا حماسین دواخانہ، قلعہ چوں، سہیل بھڑ پشاور شیخ شہزاد دواخانہ، ملت دواخانہ، عابد رحمانیہ، گنڈہ گھر، پشاور حکیم جمیل، مینا بازار، میانہ پورہ سید محمد دواخانہ، عزائم دواخانہ، گلگت	خواجہ مشور بالاعمال ایم پی سی مارکیٹ کراچی محمد علی میڈیکل سٹور، آرام باغ، کراچی مستطی دواخانہ رسالہ روڈ حیدر آباد شانی دواخانہ، شاہی بازار، بہاولپور علی ہوشیو سٹور، کچھری روڈ، ملتان علی ہوشیو سٹور، لاہور ڈی 37560713 جناب ہوشیو سٹور، چنیوٹ بازار فیصل آباد

تمام کے طلب کریں اپنے علاقے کے کٹر طے کا نام دیتے معلوم کرنے یا گھر منگولنے کیلئے مشورہ بھی کر سکتے ہیں 7 بجے 7 بجے کلنگ

0334-0700800 - SMS کریں - 0345-700088
www.deva.pk.com

ایک روح..... جو اپنا کنا ہوا ہاتھ مر
جانے کے بعد بھی حاصل کرنے لیسے جین تھی

روح کا ہاتھ

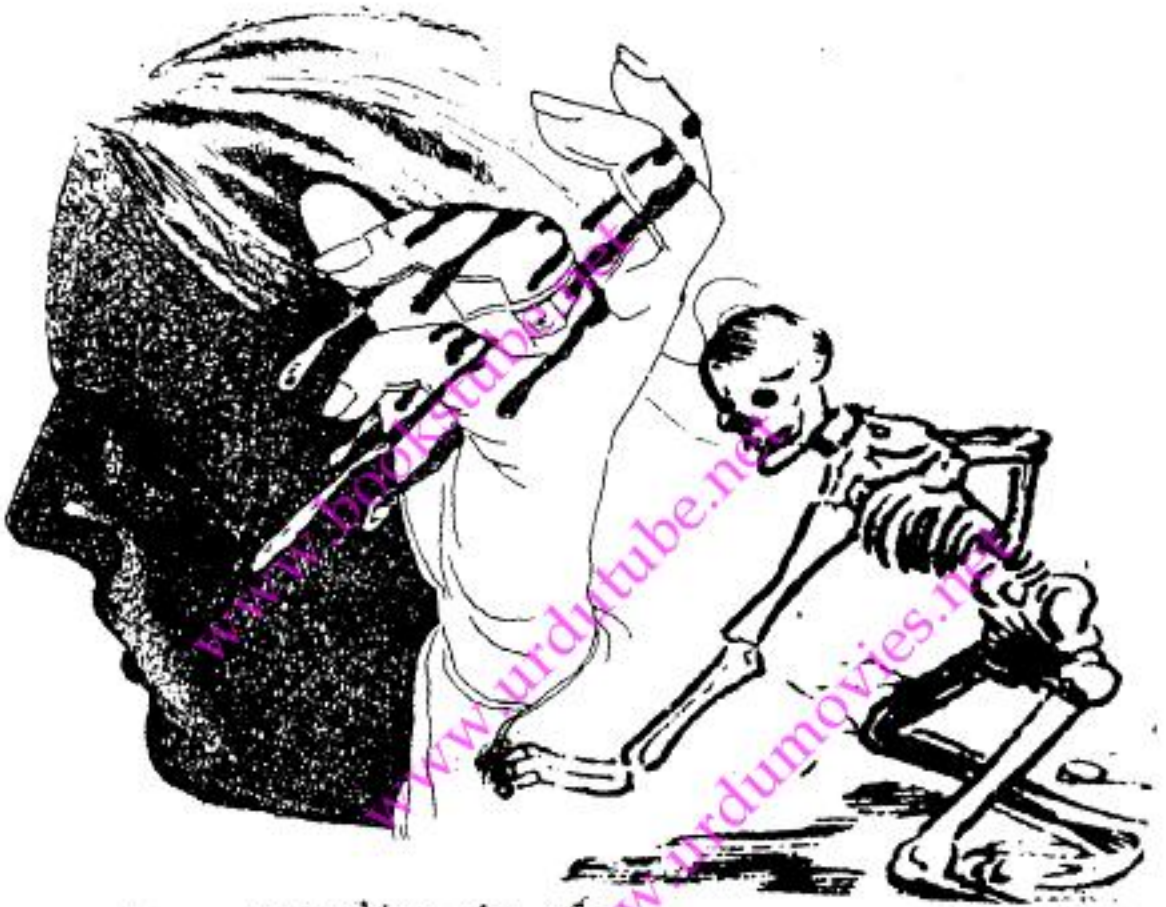
کچھ..... خالد جاوید

”بھئی دعا کرو لارڈ ایکس اب تمہیں اپنے پاس بلا کر اپنا وارث بنا دیں۔ کیوں کہ تم اس کے سنگے بھتیجے جو ٹھہرے ان کا اپنا بیٹا تو ہے نہیں۔“ لیکن میں سوچتا کہاں میں اور کہاں وہ اور پھر میرے علاوہ ان کے دو بھتیجے اور بھانجے اور بھی تو تھے۔ اور وہ اچھے کھاتے پینے آدمی تھے۔

میں نے ایسی مومن امید کا خیال بھی مناسب نہ سمجھا اور اپنے حال میں غم رہا۔ دن گزرتے گئے۔ حتیٰ کہ ایک دن میں نے سنا کہ لارڈ ایکس تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے شہر سے باہر اپنے فارم والے جنگلے میں قیام کیا ہے۔

اور پھر چند دنوں بعد یہ بھی سنا کہ انہوں نے اپنے ایک بھتیجے کو جو شہر میں وکالت کرتا ہے بلایا ہے مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے اس ہونہار بھتیجے کو اپنا وارث بنائیں گے۔ وہ اونچے دماغ اور اعلیٰ تعلیم کے وہ آدمی تھے۔ ویسا ہی اپنے بھتیجے کو بھی بنا دیں گے۔ میں یہ بتاتا تو بھول ہی گیا کہ وہ اب امریکہ سے آئے تھے اور وہاں انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ڈاکٹری میں صرف کر دیا تھا۔ لوگ ان کی اس فن میں مہارت کے متعلق عجیب عجیب قصے سناتے تھے اور میں یہ باتیں سن کر اور بھی احساس کمتری

آج بھی جب کہ مجھے اپنے چچا لارڈ ایکس کی جائیداد کا وارث بنے دو سال گزر چکے ہیں میں سوچتا ہوں کہ یہ محض خدا کی عنایت تھی کہ میں ان کا وارث بنا۔ ورنہ میں ہوتا اور میری معمولی سی زندگی۔ ایک معمولی ڈاکٹری کمائی بھی بھلا کوئی کمائی تھی۔ اب میں ایک بہت بڑے علاقے کا مالک ہوں۔ ہر سال ہر ماڈل کی کار خرید سکتا ہوں اور شہر میں میرے بڑے بڑے مکان اور کونویاں ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا پر جادو یا وڈال کر تمام دولت حاصل کی ہے۔ لیکن یقین کیجیے۔ میرا چچا ایسی باتوں سے بہت دور تھا۔ اور میں بھی تو اس قدر گرا ہوا نہیں ہوں۔ بس یہ ان لوگوں کے حسد کی وجہ ہے جو ایسا سمجھتے ہیں۔ دو سال پہلے میں اکیلا آدمی تھا نہ بیوی نہ بچے ایک معمولی سا مکان میرے پاس تھا میں آتے ہی اس میں پڑا رہتا تھا۔ یا کسی دوست کے ہاں چلا جاتا۔ انہی دنوں میں نے سنا کہ میرا چچا لارڈ ایکس جو کسی زمانے میں امریکہ چلا گیا تھا۔ اب وہاں سے واپس آ رہا ہے۔ اور میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ بس کئی بڑے بوڑھوں کو اس کا ذکر کرتے سنا تھا۔ وہ لوگ کہتے تھے۔



میں جتنا! ہو جاتا تھا۔
 پھر میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب ایک دن
 میں نے سنا کہ لارڈ ایکس نے اپنے ہونہار بھتیجے کو
 واپس بھیج دیا ہے۔ یا خدا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے
 اور پھر جب اس کے بعد انہوں نے اپنے بھانجے کو
 بھی بلا کر چند دن اپنے پاس رکھنے کے بعد واپس

بھیج دیا تو مجھے اپنی خوش قسمتی کے خواب سچے معلوم
 ہونے لگے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مجھے اپنے پیشے سے
 مطابقت کی وجہ سے ذہنی طور پر قبول کر لیں؟
 کہتے ہیں حالات آنے سے پہلے اپنا سایہ ڈالنا
 شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میری
 پرنکیش اچانک چمک اٹھی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ

”تو گویا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ دیکھئے مسٹر کیا آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟“ وہ آدمی مسکرایا۔
 ”نہیں مسٹر ہنری ۱۲ مارڈ صاحب نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ پرسوں اس پتے پر پہنچ جائیں۔ وہ آپ کے منتظر ہوں گے۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک کارڈ میرے سامنے کر دیا۔

”بہت اچھا ضرور ضرور میں ضرور پہنچ جاؤں گا لیکن آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع تو دیجیے۔“ گھبراہٹ میں میرے منہ سے الفاظ بھی صحیح طور سے نہیں نکل رہے تھے۔
 ”نہیں بھئی میں مصروف ہوں۔ بس تم یاد سے پرسوں پہنچ جانا۔“

میں سوچنے لگا کہ اب وقت کیسے گزرے گا۔ تمام رات نیند نہ آئی۔ نہ جانے کیسے ہوں گے مارڈ ایکس اور پھر شاید میں ان کی لیبارٹری کو بھی ایک نظر دیکھ سکوں گا۔ سنا ہے انتہائی عجیب اور حیرت انگیز چیزیں ہیں اس میں۔

آخر کار تیسرے روز میں صبح سویرے ہی تیار ہو گیا۔ سادہ لباس پہن کر میں اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ بات میں آپ سے ہرگز نہیں چھپاؤں گا کہ مجھے مارڈ ایکس کا وارث بننے کی امید کی چنداں خوشی نہیں تھی۔ خوشی تھی تو اس بات کی کہ انہوں نے آخر کار مجھے بھی اس قابل خیال کیا ہے کہ میں ان سے ایک عزیز کی حیثیت سے مل سکوں۔

چنانچہ میں ریل میں سوار ہو گیا۔ سہ پہر تک کا وقت ریل میں کٹا۔ اس کے بعد مجھے بس پر جانا

شہر کے ایک دو متمول آدمیوں کا میں نے علاج کیا اور مجھے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ بس پھر کیا تھا۔ رات کو بھی اکثر مجھے باہر جانا پڑتا۔ لیکن میں نے اس سے نا جائز فائدہ نہ اٹھایا بلکہ پوری تندی سے مریضوں کو دیکھتا۔ ان کا علاج کرتا اور باقی وقت مطالعے میں صرف کرتا۔

آخر ایک دن شام کو میں ابھی اپنے ہسپتال سے لوٹا ہی تھا کہ میں نے اپنے مکان کے ساتھ کار کھڑی دیکھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا اور باوجود ڈاکٹر ہونے کے مجھے کچھ رک کر اپنا سانس درست کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کار پر ہاتھ پھیرا۔ کیا یہ مارڈ ایکس کی ہو سکتی ہے؟

یہ سوچ کر میرے دل میں امیدوں کا طوفان برپا ہو گیا۔ اتنے میں سامنے کی دکان سے ایک اور چیز عمر کا آدمی اترتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ سیدھا میری طرف آیا۔

”کیا ہنری آپ کا نام ہے؟“ وہ آتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔

”جی ہاں فرمائیے۔“ میں نے اپنے لہجے میں کچھ ہکلاہٹ ہی محسوس کی۔

”آپ مارڈ ایکس کے بھتیجے ہیں نا۔“ اس نے وہ بارہ پوچھا۔

”جی ہاں..... جی ہاں وہ میرے چچا ہیں۔ فرمائیے کیا انہوں نے مجھے بلایا ہے؟“

اور جواب سن کر مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ میں نے پھر پوچھا۔

تھا۔ لیکن میں نے جلدی پہنچنے کے خیال سے ٹیکسی لی اور روانہ ہو گیا۔

آئیے۔ اس کمرے میں تشریف رکھئے۔ میں لارڈ کو خبر کروں۔“ اس نے کہا۔

میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ نسبتاً اچھی حالت میں تھا اور چند بھاری کرسیاں اور ایک بڑی سی میز بھی یہاں تھی۔ مجھے وہاں بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک بوڑھی سی عورت اندر داخل ہوئی۔

”جناب آپ کا نام بھری ہے تو چلئے آقا آپ کو لاتے ہیں۔“ اس نے ناک میں گنگناتے ہوئے کہا۔

”جی اچھا“ اور میں بوڑھی عورت کے ساتھ چلتا ہوا ایک بڑے سے کمرے میں جا پہنچا۔ لیکن میں ٹھٹک گیا یہاں لارڈ ایکس اور لیڈی ایکس دونوں موجود تھے۔ میں نے ادب سے سر کو خم کیا اور میں کافی متعجب ہوا۔ جب لیڈی مہسوف نے نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا بالکل مشرقی انداز سے اور لارڈ نے مجھے ایک کرسی پیش کی۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے لارڈ ایکس اور داسنے ہاتھ کو لیڈی ایکس بیٹھ گئیں۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پاسکا اور نظریں نیچی کیے میں گم صم بیٹھ گیا۔ شاید اللہ نے میرے احساس کا اندازہ کر لیا۔ انہوں نے خود ہی گفتگو شروع کی۔

”مسٹر بھری میں نے آپ کو آج ہی دیکھا اور میری پہلی نف اگر غلط نہیں تو آپ ڈاکٹر ہیں اور میرے خیال میں آپ کے حالات خاص اچھے نہیں ہیں۔“

سورج غروب ہو رہا تھا۔ جب میں فارم کے فریب پہنچا سڑک چھوٹی سی تھی اور اس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے دور تک پھیلے ہوئے کھیت اور کہیں کہیں سرخ کھیریل کی چھتوں والی عمارتیں میرے لیے بہت پر سکون معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ شہر کے پر رونق ماحول کا عادی تھا۔ اس لیے یہ دیہاتی ماحول مجھے بہت بھلا معلوم نہ ہو رہا تھا۔

آخر ایک موٹر پر جو ٹی ٹیکسی ٹھہری۔ ایک بڑی سی سفید عمارت سامنے آئی۔ میں نے ٹیکسی وہیں سے رخصت کر دی اور خود عمارت کی طرف پیدل بڑھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عمارت کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔ میدان لمبی لمبی گھاس سے پُر تھا۔ اور اس کے ارد گرد خود رو بھادڑاں کثرت سے تھیں۔ عمارت کی مرمت بھی شاید مدوں پہلے کی گئی ہوگی۔ میں اونچے ستونوں والی رابداری میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ میں نے سوچا شاید لارڈ ایکس اپنی لیبارٹری میں اس قدر مصروف رہتے ہوں گے کہ لیکن اچانک مجھے اپنے خیالات کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ دائیں طرف کا ایک دروازہ کھلا اور وہی ادھیڑ عمر آدمی نمودار ہو جو مجھے بلانے کے لیے شہر گیا تھا۔

”شام بخیر۔“ میں نے کہا۔

”شام بخیر جناب۔“ آپ تشریف لے آئے

اندازہ غلط نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں تمہیں اپنے اعتماد میں لینے سے پیشتر کھانا ختم کر لینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ دراصل اس گھر میں کئی دن سے کسی نے بھی خوش ہو کر کھانا نہیں کھایا۔

”جی بہت بہتر۔“ اور اس کے بعد میں کھانے میں مشغول ہو گیا۔

میں کتکیوں سے لیڈی ایکس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے کانٹا اپنے ہاتھ سے رکھ دیتیں اور لارڈ کو بڑی مغموم نظروں سے دیکھنے لگتیں۔ میں نے دیکھا کہ لارڈ ایکس کی پیشانی کی سلونیں اور ہماری ہوئی تھیں اور وہ کھانے کی محض رسم ادا کر رہے تھے۔

آخر یہ رسم بھی ختم ہوئی اور لارڈ مجھے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آ گئے۔ لیڈی ایکس نے شب بخیر کہا اور خادما کے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں تشریف لے گئیں۔

”جی محترم بزرگ تو آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ مجھے وہ راز بتائیں گے۔“ میں دراصل راز جاننے کے لیے انتہائی بے چین تھا۔

”ہاں بھئی ہنری آؤ میرے ساتھ۔“

میں ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جس میں لمبی لمبی میزوں پر شیشے کے مرتبان، نمیت، نیو میں اور الماریوں میں بھی لاتعداد مرتبان تھے۔ جن میں کسی محلول میں رکھی ہوئی مختلف چیزیں تھیں۔ جسم کے مختلف حصے جانوروں کے بھی اور انسانوں کے بھی تھے۔

”جی..... جی ہاں۔“ میں گھبراہٹ کے عالم میں اور کچھ نہ کہہ سکا۔

آہستہ آہستہ گفتگو بے تکلف ہو گئی۔ ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خادما نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے چنانچہ ہم ڈائننگ روم میں پہنچ گئے۔

میں نے پہلی مرتبہ لارڈ ایکس کا جائزہ لیا۔ وہ چھ فٹ کے چوڑی ہڈیوں، کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں والے آدمی تھے۔ لیڈی موصوف نہایت بااخلاق، خوش باش اور سفید بالوں والی خاتون تھیں۔

لیکن اگر میں نے دھوکا نہیں کھایا تو میرا خیال ہے کہ اس وقت ضرور اس محترم جوزے کا مزاج بخیر نہیں تھا کیونکہ میں نے لارڈ کی آنکھوں میں خاص طور پر بے خوابی کے ڈورے دیکھے تھے۔ یقیناً چند ماہ پیشتر ان کی صحت اس سے کہیں بہتر رہی ہوگی۔ لیکن اب ان کی صحت بالکل کسی مریض کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ مجھے اتنا تجسس محسوس ہوا کہ کھانا کھاتے ہوئے پوچھ ہی بیٹھا۔

”میرے محترم بزرگ میں پہلے نہایت ادب سے بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر اتنا س کرتا ہوں کہ جب آپ مجھے اپنا عزیز خیال کرتے ہیں۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت کر سکوں۔ بطور ایک ڈاکٹر کے میں اگر غلطی نہیں کرتا تو آپ مسلسل کئی راتوں سے بالکل سو نہیں سکے۔“

”اوہ بر خوردار مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ تمہارا

نے اس کے متعلق اخباروں میں بھی پڑھا ہوگا۔
 ”جی ہاں میں نے اس کے متعلق پڑھا تھا اور
 میری رائے میں اس کا علاج کوئی نہیں تھا سوائے
 اس کے کہ زہریلا حصہ جسم سے الگ کر دیا جائے۔“
 میں نے کہا۔

”خوب بہت خوب بس یہی کیا گیا۔ اور پھر
 ایک دن ایک ریڈ انڈین میرے پاس آیا۔ اس کو
 کبھی نے کاٹ لیا تھا اور وہ درد سے بے قرار تھا۔
 مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار
 ہے۔ چنانچہ میں اس کو اپنے آپریشن روم میں لے
 گیا۔ تم حیران ہو گے کہ انتہائی دیر آدمی ہونے
 کے باوجود نشتر اور جاقو وغیرہ دیکھ کر اس کے جسم میں
 تھر تھری پیدا ہو گئی۔ بلکہ اس نے تو وہاں سے بھاگ
 نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اپنے نوکروں کو حکم
 دیا اور انہوں نے اسے زبردستی پھر کمر میز پر لٹا دیا
 بلکہ یہاں کہو کہ باندھ دیا۔“

”ذرا شہزادہ مہربانی میرا علاج کرو میرا ہاتھ نہ
 کاٹو۔ وہ لوگ مجھے سرداری سے ہٹا دیں گے اور
 میں زندہ درگور ہو جاؤں گا۔“

میں نے اس کو سمجھایا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو
 اپنا ہاتھ ضائع کر دو۔ ورنہ میرے پاس کوئی اور
 علاج نہیں ہے۔ اس کے قبیلے کے لوگوں نے بھی جو
 اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے اس کو سمجھایا۔
 آخر کار وہ خاموش ہو گیا۔

لیکن انکشن کی سوئی دیکھ کر وہ پھر کانپ اٹھا۔
 مگر میں نے زبردستی انکشن لگا دیا اور اس کے بعد
 کئی گھنٹے بعد ہاتھ الگ کر دیا۔

میں تمام ماحول کو انتہائی دل چسپی سے دیکھ رہا
 تھا۔ میں نے سبھی الماریوں کے نزدیک جا کر
 دیکھا۔ سبھی الماریوں مختلف نوادر سے چڑھیں۔
 آپ یقیناً ایسے ماحول میں گھٹن محسوس کریں گے۔
 لیکن بطور ڈاکٹر کیونکہ میرا محبوب مشغلہ انسانی جسم
 کی ساخت تھا۔ اس لیے میں انتہائی دلچسپی سے ہر
 ایک مرتبان کو دیکھ رہا تھا۔ کئی ایک میں مختلف سانپ
 اور چھوٹے چھوٹے دوسرے جانور تھے۔ اور
 دوسروں میں ایسی عجیب چیزیں تھیں کہ اگر اس فن
 کے جاننے والے اس کو دیکھ پائیں تو حیرت سے
 انگشت بدنداں رہ جائیں۔ آخر میں اپنی حیرت
 سے اس وقت چونکا جب لارڈ نے اپنا خشک ہاتھ
 میرے شانے پر رکھا۔

”بیٹھو ہنری تاکہ میں تمہیں وہ راز بھی بتا
 دوں۔“ ان کے کنبے میں نہایت درجے کی اپنائیت
 تھی۔

”راز کا بہت زیادہ حصہ اس لمبا ٹری سے تعلق
 رکھتا ہے۔“ انہوں نے کہا۔
 میں دم بخود ہو کر سننے لگا۔

”دو سال پہلے میں امریکہ میں تھا۔ ایک ریڈ
 انڈین قبیلے کے گاؤں کے نزدیکی ہسپتال میں میں
 وہاں ایک عجیب قسم کے بخار پر تحقیق کر رہا تھا۔ جس
 کی وجہ سے قبیلوں کے قبیلے صاف ہو گئے تھے۔ یہ
 بخار دراصل ایک خاص قسم کی کبھی سے ہوتا تھا اور
 مریض ایک گھنٹے کے اندر اندر مر جاتا تھا۔ یہ انتہائی
 مشکل مسئلہ تھا اور میں باوجود وہ ماہ کی مشکل کوشش
 اور تحقیق کے بھی اس کا علاج نہ کر سکا تھا۔“

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اسے ہوش آ گیا۔
اور وہ اپنے کئے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر بچوں کی طرح
بلک بلک کر رونے لگا۔

”ڈاکٹر یہ ہاتھ مجھے دے دو دنیا میں تو اس
طرح گزارہ کر لوں گا۔ لیکن موت کے بعد یہ ہاتھ
میں کہاں سے تلاش کروں گا۔“ وہ سسکیاں لیتے
ہوئے کہنے لگا۔

”بے وقوف ہو گئے ہو سردار۔ مرنے کے بعد
تمہیں اس کی کیا ضرورت ہوگی اور پھر یہ ہاتھ
زہریلا بھی تو ہے۔ میں اس کو تجربے کے لیے محفوظ
رکھوں گا۔“ میں نے کہا۔

”لیکن ڈاکٹر تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ۔ میرا
ہاتھ سنبھال کر رکھنا۔ میں مرے کے بعد ضرور آؤں
گا اور اپنا ہاتھ طلب کروں گا۔ یقین کرو اگر میرا
ہاتھ تم نے ضائع کر دیا تو میں کبھی بھی تمہارا پیچھا نہ
چھوڑوں گا۔“ اس کے لہجے میں ایک عجیب سی درشتی
آ گئی۔

”اچھا بھئی اچھا محفوظ رکھوں گا۔ جب جی
چاہے آ کر اپنا ہاتھ مجھ سے لے لینا۔“ میں نے
ہنستے ہوئے کہا۔

اور وہ چلا گیا۔ لیکن مڑ مڑ کر اس مرتبان کو دیکھتا
رہا جہاں میں نے اس کا ہاتھ رکھا تھا۔ اور اس کے
بعد لارڈ نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ میں ایک
اور ہسپتال میں آ گیا۔ اپنے تمام ساز و سامان کے
ساتھ۔ اس مرتبان کے ساتھ میڈ انڈین کا بھورا
ہاتھ تھا۔ لیکن ہنری میرے عزیز۔ لارڈ کا چہرہ متغیر
ہو گیا۔

”میرے ہنری ایک دن میری لیبارٹری میں
آگ لگ گئی۔ کئی نوادہ جل کر راکھ ہو گئے۔ اور ان
میں ایڈ انڈین کا ہاتھ بھی تھا۔ چند دنوں تک تو میں
نے اس کا افسوس کیا لیکن پھر سوچا جہاں اتنی قیمتی
چیزیں ضائع ہو گئیں وہاں اس بے حقیقت ہاتھ کی
کیا اہمیت ہے؟..... اہمیت اب جبکہ میں اس کی
اہمیت پر غور کرتا ہوں تو کاتب اٹھتا ہوں۔“

مجھے یہاں آئے تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں اور
یہاں آنے کے تقریباً ایک ماہ بعد سے میری
مصیبتوں کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اور اب یہ حال
ہے کہ میں رات کو سوتا تو کجا سونے کا خیال بھی نہیں
لا سکتا۔

”لیکن میرے بزرگ کیا آپ مجھے اسکی وجہ
بھی بتائیں گے تاکہ میں اس کے متعلق کوئی حل
سوچ سکوں۔“

”کیوں نہیں میں ضرور بتاؤں گا۔ دراصل وہ
بابت ہی کچھ ایسی ہے۔ آج کل کے ترقی یافتہ دور
میں یہ باتیں کچھ عجیب سی لگتی ہیں اور جب کہ میں
خود بھی خدا کے فضل سے ایک عظیم ڈاکٹر کی حیثیت
سے پہچانا جاتا ہوں۔“

ہر رات تقریباً آدھی رات کو میری آنکھ کھٹکے کی
آواز سے کھل جاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ وہی
ریڈ انڈین اپنے اسی انداز میں ایک کٹے ہوئے
ہاتھ سے کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک
ایک کر کے تمام مرتبان دیکھتا ہے لیکن جب اس کا
ہاتھ نہیں ملتا تو انتہائی غصے کے عالم میں دانت پیستا
ہے اور مجھے گھورنے کے بعد اسی طرح چپ چاپ

لیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ خداوند تم کو میرے لیے نجات کا ذریعہ بنادیں۔ بیٹا صرف چھ ماہ میں میرا یہ حال ہو گیا ہے۔ ورنہ میں بالکل تندرست اور خوش باش تھا۔ میری حالت کا اثر لیڈی اور دوسرے لوگوں حتیٰ کہ ملازمین پر بھی ہوا ہے اور گو میں جانتا ہوں کہ فارم اور کیسل کی حالت انتہائی خراب ہو چکی ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا اور اگر یہی حال رہا تو بس یوں سمجھو میں چند دنوں کا ہی مہمان ہوں۔“

لارڈ کا لہجہ دھیمہ ہو گیا اور وہ آہستہ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت بہت نحیف اور ناتواں معلوم ہو رہے تھے۔

میں نے ان کو تلی دی اور وعدہ کیا کہ ”میں آپ کی ہر مصیبت کو اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ آپ فی الحال کوئی فکر نہ کریں۔“

”دیکھئے بزرگ محترم آج رات آپ مجھے اپنی لیبارٹری میں سونے کی اجازت دیں تاکہ میں اس ریڈ انڈین کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے سکوں اور اس کے بعد اس کا کوئی حل تلاش کر سکوں۔“

”اوہ کیا تم اتنا خطرہ قبول کر لو گے۔ لیکن ٹھہرو کیا تمہارے اعصاب مضبوط ہیں کہ تم اس منحوس راج کا مقابلہ کر سکو۔“ لارڈ نے بے تابی سے پوچھا۔

”آپ یقین کریں میں خطرات سے بالکل نہیں گھبراتا بلکہ مجھے اس سے ایک طرح کی خوشی ہوگی۔“

”بہت خوب بیٹے بہت خوب تو آؤ اس خوشی

غائب ہو جاتا ہے۔ تم یہ کہو گے کہ وہ کیسے آ جاتا ہے اور اسی طرح غائب کیسے ہو جاتا ہے۔ لیکن ہنری میں نے تمام تر کوششیں کر دیکھی ہیں لیکن سب ہی ناکام ہوئیں۔ میں نے تقریباً تمام کمروں میں سونے کی کوشش کی ہے لیکن ہر رات وہ ریڈ انڈین آتا ہے۔ پہلے لیبارٹری کی طرف جاتا ہے لیکن وہاں اپنا ہاتھ نہ پا کر میرے کمرے میں گھس آتا ہے۔ میں دراصل شام سے ہی سوچنے لگتا ہوں کہ دیکھو وہ کب آتا ہے اور اس طرح سو نہیں سکتا۔ اور اس کے جانے کے بعد تو سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا اب بھی تم مجھے الزام دو گے کہ میں تو ہمارے کا شکار ہو گیا ہوں۔“

”نہیں..... نہیں ہرگز نہیں۔“ میں نے بڑے اصرار سے کہا۔ آپ یہ خیال بالکل نہ کریں۔ دراصل میں اس واقعے کو نہایت دلچسپ خیال کرتا ہوں۔ اور شاید آپ نے اس طرح کے موضوعات پر میرا کوئی مضمون بھی پڑھا ہوگا۔ گو عجیب سی بات ہے لیکن میں بھی باوجود ڈاکٹر ہونے کے ان باتوں کا قائل ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ ریڈ انڈین پانچ ماہ صبر کر ہو چکا ہے اور اب وہ اپنے ہاتھ کی تلاش میں ہے اور جب تک اس کو ہاتھ نہیں مل جاتا۔ اس وقت تک وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔“

”خوب اچھا خیال ہے۔“ لارڈ ایکس نے بڑے تعریفی لہجے میں کہا۔

”میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے کم عمر ہونے کے باوجود بہت زیادہ علم اور تجربہ حاصل کر

میں ایک دور شیمپن کا ہو جائے۔ خدا کی قسم جب سے یہاں آیا ہوں کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور تم شاید نہیں جانتے میں کتنا خوش باش آدمی ہوں۔ بہت خوش باش اور تندرست زندگی میں دلچسپی لینے والا۔ آہ اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو میرے خدا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں کتنا مطمئن ہو جاؤں گا۔ اوہ میرے بیٹے خدا تمہیں کامیاب کرے۔“

لارڈ نے بے ساختہ مجھے گلے سے لگالیا۔ میں نے دیکھا کہ لارڈ ایکس کی آنکھیں پر غم تھیں۔ یقین کیجئے اگر وہ میرے بزرگ نہ ہوتے تو بھی اس قدر اظہار تشکر کے بعد میں ان کے لیے جان بھی قربان کر دیتا۔

اور اس کے بعد ہم کافی دیر تک اس تجویز پر گفتگو کرتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ لارڈ جام سے بھی شغل کرتے رہے گو میرا ان کے ساتھ شامل ہونا ضروری تھا۔ لیکن چونکہ مجھے جاگنا تھا اس لیے میں نے معذرت کی اور تقریباً دس بجے رات میں نے لارڈ کو شب بخیر کہا اور لیبارٹری میں جا کر دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کر لیا۔

لیبارٹری میں بستر نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں نے اس کا بندوبست کیا تھا۔ کیونکہ آج رات تو مجھے جاگنا تھا۔ اس لیے میں نے صوفے کو گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس کر لیا۔ یہ کھڑکی دروازے کے عین مقابل تھی۔ درمیان میں لمبی لمبی میزیں تھیں اور ان کے دو طرف الماریوں کی قطاریں تھیں۔ کچھ دیر تک تو سوچتا رہا پھر شمع گل کر کے دیوار سے سارا سے آئینہ سونے پر لٹکا دیا۔

چاندنی کھلی ہوئی تھی اور ہوا میں اچھی خاصی خنکی تھی۔ جس میں مختلف پھولوں کی خوشبو بھی تھی۔ چاندنی دیوار پر ایک مثلث سا بنا رہی تھی اور کمرے میں اس قدر روشنی تھی کہ تمام چیزیں دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک دو تین گھنٹے گزر گئے اور مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نہ جانے کب سو گیا۔ اچانک میں نے کھٹکے کی آواز سنی۔ اور چونک اٹھا۔ لیکن حرکت کیے بغیر میں نے حواس پر قابو پالیا۔ اور خاموشی سے آہٹ کی طرف گھورنے لگا۔ یقین کیجئے میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا ہے۔ وہ دروازہ جو میں نے بند کیا تھا نہایت مضبوطی سے اور پھر دروازہ کھٹکے کی آواز بھی تقریباً غائب تھی۔

”اچھا میں نے حوصلہ کیا اور دلچسپی سے انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد دروازے میں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور پھر ایک ہیولا اندر آ گیا۔ جو نہایت خاموشی سے الماریوں کی طرف بڑھا۔

گو چاند کافی حد تک مغرب کی طرف ڈھل چکا تھا لیکن ابھی اتنی روشنی آ رہی تھی کہ کمرے کی چیزیں دھندلی سی دکھائی دے رہی تھیں۔ سایہ چلتے چلتے میزوں کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس جگہ کے پاس آ گیا۔ جہاں میں تھا۔ میرے بالکل قریب جہاں چاندنی پڑ رہی تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ اس نے ایک لمبا سا چغہ پہن رکھا ہے۔ پاؤں میں کسی ایسی چیز کے سلیپ پہن جس سے آواز بالکل بیہوش نہیں

ہوتی تھی شاید رڑ کے تھے۔ اور ایک ہاتھ کہنی کے جوڑ سے کٹا ہوا تھا۔ چہرہ بالکل زرد تھا۔ البتہ آنکھیں متحس تھیں جیسے کسی چیز کو تلاش کر رہی ہیں۔

وہ چلتا گیا اور میرے پاس سے گزر گیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ الماریوں میں رکھے ہوئے مرتبانوں کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس کے بعد میز پر رکھے ہوئے مرتبانوں کی باری آئی۔ وہاں پہنچ کر وہ ہر ایک کو نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ لیکن جب تمام مرتبان دیکھ چکا تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ اس نے آہستگی سے سر کو ہلایا اور پھر میری طرف آتا معلوم ہوا۔ یقین کیجیے میں نے سوچا تھا کہ بس ایک دفعہ میرے پاس سے گزر گیا ہے۔ اب جا کر لارڈ پر خفا ہوگا۔ لیکن جب میں نے اس کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری موجودگی سے بے خبر نہیں ہے۔

پھر وہ میرے بالکل قریب آ گیا۔ جہاں سے میں اس کا زرد چہرہ اور سفید چمکیلی آنکھیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے کے نصف حصے پر چاندنی تھی اور باقی نصف اندھیرے میں عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر وہ مجھ سے دو قدم کے فاصلے پر آ کر رک گیا اور کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرا حلق خشک ہو رہا ہے اور اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ لیکن پھر نہ جانے وہ کون سی غیبی طاقت تھی جس نے مجھے سہارا دیا اور پھر میں نے دیکھا کہ اس نے میز کی طرف

اشارہ کیا۔ پھر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھا۔ میں نے لاشعوری طور پر اپنے سر کو ہلایا۔ اور اپنے ہاتھ کو بھی اضطرابی طور پر حرکت دی۔ نہ جانے اس کا کیا اثر ہوا۔ کہ وہ آہستہ سے جھکا۔ اس کے چہرے کی درشتی کسی قدر کم ہو گئی اور اس کے قدموں کو حرکت ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے میں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بالکل بے آواز قدموں سے اس کے بعد اس نے دروازہ کھولا۔ اور غائب ہو گیا۔

کچھ دیر تک میں گم سم بیٹھا رہا۔ لیکن اس کے بعد میں جلدی سے اٹھا اور شمع روشن کر دی۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ تمام فضا اسی طرح تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی آیا ہی نہیں۔ دروازہ بالکل بند تھا جس طرح میں نے بند کیا تھا۔ میں پھر صوفے پر بیٹھ گیا اور پائپ سلکانے لگا۔ میرا دل اب تک ہلکا رہا تھا۔ لیکن میں خوش تھا۔ میں نے حالات کا بہت سے مقابلہ کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے شمع کو بجلتے دیکھنے دیا اور پائپ پیتا رہا میں نے شاید دو تین بار تمباکو پھرا۔ اور پھر مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی میری آنکھ اس وقت کھلی جب مجھے کسی نے زور سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لمبے لمبے استخوانی ہاتھ مضبوطی سے میرا گریبان پکڑے جھٹک رہے تھے۔

میں چونکا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ تو لارڈ اکیس تھے جو کھڑکی کے راستے اندر آ گئے تھے۔ میں نے دیکھا کھڑکی سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔

”اے“ میں نے شرمندگی سے کہا۔

”ابھی ابھی آنکھ لگی تھی۔ اس لیے وقت جلد نہ اٹھ سکا۔ معاف کیجیے گا۔“

”اوہ چھوڑو ان باتوں کو سناؤ کیا ہوا؟ بیٹا مجھے یقین ہے تم اس بلا کو کسی طرح ٹال سکو گے۔ دیکھو نا رات کو میں بالکل سکون سے سویا ہوں اور وہ میرے کمرے میں نہیں آیا۔ لیکن تم تو ٹھیک ہونا۔ تمہیں کچھ ہوا تو نہیں؟“ اف میں کتنا خود غرض ہوں اپنے آرام کی خاطر تمہیں ابھن میں ڈال دیا اور شاید رات کو تم خائف بھی ہو گئے ہو گے۔۔۔۔۔

لارڈ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہے تھے۔ لیکن میں نے انہیں ٹوک دیا۔

”دیکھئے گھبرائیے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں اول تو یہ ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ میرے کل رات بھی میں یہیں سوؤں گا۔ اور انشاء اللہ اس بلا کو آپ کے سر سے نالوں گا۔“

”اوہ اچھا میرا بیٹا“ لارڈ نے میرا شانہ تھپتھپایا اور پھر میں ان کے ساتھ اسی طرح لباس شب خوابی پہنے باغ کی طرف چل دیا۔

اور وہاں میں نے ان کو تمام تفصیل سنائی۔

”لیکن بیٹا اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کس طرح تم اس سے نپٹ سکو گے؟“ انہوں نے بے صبری سے پوچھا۔

”معاف کیجیے۔ میں فی الحال اس تجویز کو اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس طرح میں کامیاب نہ ہو سکوں۔ لیکن آپ کچھ خیال نہ کریں۔ بس میرے لیے شہر جانے کا بندوبست کریں۔ میں شام تک واپس آنا چاہتا ہوں۔“

”اچھا یہ بات ہے۔ بہت بہتر ہنری تم کار پر چلے جاؤ اور شام سے پہلے واپس لوٹ آؤ۔ میں بے تابی سے تمہارا انتظار کروں گا اور ہاں تم ناشتہ کر لو۔ لیڈی ایکس بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”لیکن اگر مجھے کچھ دیر ہوگئی تو یقیناً میں وقت پر واپس نہ آ سکوں گا۔ اس لیے میں ایک پیالی چائے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔“

چنانچہ میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور ایک پیالی چائے پی کر کار میں سوار ہو گیا۔

بارونڈی ڈرائیور لمبی چٹیلی کار اور سڑک پر دو رویہ اونچے اونچے درخت مجھے محسوس ہوا کہ قدرت مجھے مہربان نگاہوں سے پیار کر رہی ہے اور میں عنقریب اپنی زندگی کا حسن حاصل کرنے والا ہوں۔ وہ حسن جس کے لیے میں نے راتوں کو خواب دیکھے ہیں۔ وہ خوشی جس کے لیے میں نے تمام عمر سوچا ہے۔ واقعی انسان قدرت پر بھروسہ نہیں کرتا ورنہ حالات کا تبدیل ہونا بھی کوئی بات ہے۔ آج غریب کل امیر آج غریب ڈاکٹر اور کل لارڈ۔ میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اب تو میں اپنے آپ کو بالکل لارڈ ہی سمجھ رہا تھا۔

انہی خیالات میں غرق ہم شہر پہنچ گئے۔ ابھی بارہ بجے تھے۔ چنانچہ میں حصے ڈرائیور کو جنرل ہسپتال چلنے کے لیے کہا اور تھوڑی دیر میں ہم ہسپتال کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ ملازم نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور میں کچھ احساس برتری لیے نیچے اترا۔ اور وارڈ کی

طرف چل دیا۔

”جنا ب کیا میں آپ کی کچھ خدمت کر سکتا ہوں۔“ ایک گائیڈ نے قریب آ کر ادب سے سلام کیا۔

”ہاں..... ہاں مجھے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے چلو۔“

اور گائیڈ مجھے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے آیا۔ ڈاکٹر رابرٹ میرے کلاس فیلو تھے اور اونچے خاندان سے وابستہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ دل تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی گلے سے لگالیا۔

”ارے آج کل کہاں ہو بھی کمال ہے بالکل ہی غائب ہو گئے ہو کہیں تمہارا انتقال تو نہیں ہو گیا۔ شادی کر لی ہے تمہارے؟ کیا حال ہے تمہارا؟“

انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

”بھئی بالکل ٹھیک ہوں۔ شادی نہیں کی اور آج کل شہر میں پریزنس کرتا ہوں۔ لیکن مجھے نہایت ضروری کام ہے میرے ساتھ آؤ۔“

اور میں ان کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ دوسرے لمحے ہم شعبہ عضویات کی طرف جا رہے تھے۔

”اچھا ڈاکٹر رابرٹ کیا تمہارے پاس کوئی ریڈ انڈین لاش بھی ہے۔“

”ہاں اتفاق سے کل ہی ایک آئی ہے۔ لیکن تم کیا کرو گے اس کا؟“

”کچھ کام ہے اور ہاں یہ کیا ممکن ہے کہ تم مجھے وہ لاش دکھا دو۔“

”کیوں نہیں چلو میرے ساتھ۔“ انہوں نے کہا اور ہم کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں داخل ہو کر ڈاکٹر رابرٹ نے ایک لاش کے منہ سے کیڑا ہٹا دیا۔

”اور میں نے اس کی تمام چادر ہٹا دی اور یہ دیکھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے۔“

”بہت خوب..... بہت خوب میرا خیال ہے میرا کام بن گیا۔ اب یوں کرو.....“ میں نے ڈاکٹر رابرٹ سے کہا۔

”مجھے اس کا بازو کہنی کے جوڑے الگ کر کے دے دو۔“

ڈاکٹر رابرٹ نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔

”بھئی یقین کرو۔ ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں جلد ہی کامیاب بھی ہو جاؤں گا اور پھر تمہیں بھی اپنا خوشیوں میں شریک کروں گا۔ میں فی الحال تمہیں اس کی ایک جھلک دکھاتا ہوں۔ آؤ..... میرے ساتھ آؤ۔“

میں ڈاکٹر رابرٹ کو بازو سے پکڑ کر بالکونی تک لے آیا۔ جہاں سے باوردی ڈرائیور اور لمبی چکیلی کا بخولی نمایاں تھے۔

”اوہ تم کوئی لمبا چکر چلا رہے ہو۔ یہ کار کس کی ہے؟“ ڈاکٹر رابرٹ نے پوچھا۔

”اس کا مالک لارڈ ایلس ہے۔“ میں نے فخر سے تن کر جواب دیا۔

”اوہ لارڈ ایلس لیکن تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

میں نے محض نعم البدل کے متعلق ہی لارڈ ایکس سے مشورہ کیا تھا۔

”جی ہاں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہوئی ہے۔ انشاء اللہ صبح تک پتہ چل جائے گا۔“ میں نے کہا۔ اور اس کے بعد ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ لیڈی ایکس آگئیں اور ہم سے ڈانٹنگ روم میں چلے کو کہا۔

آج نسبتاً فیمل پر خوشی کی لہر تھی۔ لارڈ ایکس نے ہنس ہنس کر اپنے سفر کے حالات سنائے جنگل کی سیر کے متعلق بتایا۔ اپنی مشکلات کا ذکر کیا کہ کس طرح اس نے ڈاکٹری فن میں اتنی شہرت حاصل کی اور پھر اس کی تان اس بات پر ٹوٹی کہ اگر مجھے اس روح سے نجات مل جائے تو یقیناً میں کئی سال اور زندہ رہ سکوں گا۔

”آپ بے فکر ہیں۔ تاہم مطلق یقیناً ہمارے لیے بہتری کے حالات پیدا کرے گا۔“ میں نے ان کو تسلی دی اور ان کی اجازت لے کر میں لیبارٹری میں آ گیا۔ لارڈ دوسرے کمرے میں چلے گئے اور چونکہ کئی دن سے آرام سے نہیں سوئے تھے۔ اسی نوکر سے معلوم ہوا کہ شب خوابی کے کمرے میں جا چکے ہیں۔

میں نے ہاتھ لیا اور اس کو لے کر لیبارٹری میں آ گیا۔ الماری سے ایک خالی جار نکالا۔ اور ہاتھ کو ایک خاص محلول میں رکھ دیا۔ تاکہ وہ خراب نہ ہو اور خود پہلی رات کی طرح صوفے پر لیٹ گیا۔ چاند نکل آیا تھا۔ ہوا میں خشکی تھی اور پھولوں کی خوشبو۔ سہ ماہی کی فضا نہایت خوشنما تھی۔

”بتاؤں گا۔۔۔۔۔ ضرور بتاؤں گا۔ لیکن کب یہ نہیں کہہ سکتا۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دن میں خود ہی لارڈ ایکس کی حیثیت سے تمہارے پاس آؤں۔“

”ہائیں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر رابرٹ کی زبان سے کلمہ حیرت نکلا۔

”اب تم بالکل بد معاش ہو گئے ہو۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”پہلے تو بالکل سیدھے سادے تھے۔“ میں بھی ہنس دیا۔ اس اثنا میں وہ شخص ہاتھ کیڑے میں لپیٹے ہوئے آ گیا۔

میں نے ہاتھ لیا اور رابرٹ کا شکریہ ادا کر کے زینوں کی طرف لپکا اور پھر تھوڑی دیر بعد میں کار میں واپس جا رہا تھا اور ہم شہر کی پر شور فضا کو پیچھے چھوڑتے ہوئے واپس جا رہے تھے۔

اس وقت سورج کافی ڈھل چکا تھا۔ لیکن مجھے امید تھی کہ ہم شام سے پہلے گھر پہنچ جائیں گے۔ میں بار بار اپنی گھڑی دیکھتا اور ڈرائیور کو تیز چلنے کے لیے کہتا۔

آخر کار ہم سورج غروب ہونے تک پہنچ ہی گئے۔ لارڈ ایکس میرے منتظر تھے۔ آتے ہی ملے اور پوچھا۔

”سناؤ بیٹا کیا کر آئے ہو کیا تمہاری تجویز پوری ہوتی نظر آتی ہے۔“

دراصل میں نے اس وقت تک ان کو بھی محض یہی بتایا تھا کہ میں نے ایک جگہ پڑھا ہے کہ اگر کسی روح کو اس کی اصل خواہش کی بجائے اس جیسی ہی زندگی چاہئے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔

میں دایاں ہاتھ لایا جبکہ اس کو بائیں ہاتھ کی ضرورت تھی۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ آپ ڈرائیور سے کہیں کار نکال لائے۔ میں پھر ایک بار شہر جانا چاہتا ہوں۔“

”اچھا بیٹا میں جس قدر تمہارا شکر یہ ادا کروں میرے لیے اتنا ہی کم ہے۔ خدا تمہیں اپنے ارادے میں کامیاب کرے۔“ لارڈ کالہجہ پر امید تھا اور وہ کمرے سے نکل گئے۔

میں نے فوراً ہاتھ کو لپیٹا اور لیبارٹری سے باہر نکل آیا۔ باہر کار تیار کھڑی تھی۔ میں جاتے ہی بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے کار شہر کی طرف فرار ہو رہی تھی۔ میں چونکا۔ بالکل نہ سوسکا تھا اس لیے کار میں بی اوٹھنے لگا۔ اور میری آنکھ اس وقت کھلی جب ڈرائیور نے مجھے مخاطب کیا۔ میں چونک اٹھا۔ کار ہسپتال کے کپاؤنڈ میں تھی۔ اور دھوپ کافی چمک آئی تھی۔ میں نے ہاتھ والا پکٹ اٹھایا۔ اور ڈاکٹر رابرٹ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ڈاکٹر رابرٹ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیوں بھی خیر تو ہے یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟“
”یار کیا کہوں زندہ آدمیوں سے پنپنا آسان بات ہے لیکن مردہ لوگوں سے طبع آزمائی بہت مشکل ہے اور ویسے غلطی میری اپنی ہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”ارے یہ کیا ہوا تمہیں چلو آؤ کینٹین میں چلیں۔ معلوم ہوتا ہے تم جاگتے ہی ادھر بھاگ آئے ہو۔“

مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے اس کے

میں پائپ پیتے پیتے اوٹھنے لگا۔ نہ جانے کب تک اوٹھتا رہا اور اس وقت چونکا۔ جب دروازہ ایک کھٹکے کی آواز سے کھلا۔ اور وہی ریڈانڈین اسی طرح کا لباس پہنے ایک ہاتھ پھیلائے۔ میزوں کی طرف بڑھا۔ میں دم بخود سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس نے حسب معمول میزوں کا ایک چکر لگایا اور الماریوں کے پاس سے ہوتا ہوا میز کے کونے کی طرف بڑھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اسی چار کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں ہاتھ تھا..... وہ نزدیک آیا اور آہستہ سے ہاتھ کو چار سے نکال لیا۔

لیکن دوسرے لمحے میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا جب اس نے ہاتھ کو اپنے کئے ہوئے ہاتھ کے ساتھ لگایا اور اس کو نہ جانے کیوں زور سے گھمایا اور شیشے کی الماری میں دے مارا۔ شیشے پر شور آواز کے ساتھ ٹوٹ گئے۔ اور میں نے جلدی سے شمع جلا دی۔ ریڈانڈین غائب تھا اور فرش پر نئے ہوئے شیشے اور سیال کی گہری تہہ پھیلی ہوئی تھی۔

میں ابھی ہاتھ کو اٹھا ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بار دو بار حتیٰ کہ تیسری بار دروازہ زور سے کھٹکھٹایا گیا اور ساتھ ہی لارڈ اسٹین کی گھبراہٹ ہوئی آواز بھی سنائی دی۔

میں نے دروازہ کھول دیا اور دوسرے ہی لمحے لارڈ ایکس جلدی سے اندر داخل ہوئے۔ میرے ہاتھ میں ابھی تک مردہ ہاتھ تھا اور انہوں نے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر کو جھکا لیا۔

”در اصل غلطی میری تھی۔ میں نے خاموشی کو توڑا میں نے ریڈانڈین کے ہاتھ کو نہیں دیکھا تھا۔“

ساتھ روانہ ہوا۔
 ”لیکن ڈاکٹر رابرٹ ڈرائیو۔ یہ ہاتھ واپس
 بھجوادو۔ اپنے آدمی سے کہو کہ اس کی بجائے دایاں
 ہاتھ الگ کر دے بالکل کہنی کے جوڑ سے۔“
 ”اوہ تو اب تمہیں دایاں ہاتھ چاہیے۔ ٹھہرو
 میں خود معلوم کرتا ہوں۔“

اور یہ کہہ کر وہ ہاتھ مجھ سے لے کر اپنے کمرے
 کی طرف چھینا۔ میں ایک بار پھر دعا مانگ رہا تھا۔
 اے خداوند دایاں بازو ضائع نہ ہوا ہو۔ ورنہ.....
 ورنہ ناکامی کا تصور ہی میرے لیے حوصلہ شکن تھا۔
 میں یہی سوچ رہا تھا کہ رابرٹ تیز قدموں
 سے چلتا ہوا میرے پاس آ پہنچا۔

”آؤ..... ابھی تک لاش موجود ہے۔ میں نے
 دایاں ہاتھ الگ کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔“
 ”اوہ ٹھیک یو ڈاکٹر میں تو پریشان ہو گیا تھا کہ
 کہیں لاش ضائع نہ ہو گئی ہو۔“
 ”آؤ کینٹین کی طرف چلیں اور تھوڑی دیر بعد
 ہم ایک میز پر بیٹھنا شہ کر رہے تھے۔
 ڈاکٹر رابرٹ نے میری آنکھوں میں جھانکتے
 ہوئے کہا۔

”ہنری جی جی بتاؤ تم کس چکر میں ہو۔ مجھے تو
 یہ ڈر ہے کہ کہیں تمہیں کچھ نہ ہو جائے۔“
 ”ڈاکٹر رابرٹ میرے دوست مجھے خوشی ہے
 کہ تمہاری دوستی پُر خلوص ہے اور میں تمہیں یقین
 دلانا ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ عنقریب ہی
 بلکہ یوں کہو کہ شاید کل ہی تم سے ملوں اور ایک
 بہترین خوش خبری سناؤں۔ بس اب چلیں میں سیر

ہو چکا ہوں اور ساتھ ہی مجھے دیر بھی ہو رہی ہے۔“
 ”اچھا۔“ ڈاکٹر رابرٹ نے گہرا سانس لیتے
 ہوئے کہا۔
 ”تمہاری مرضی۔“
 میں ڈاکٹر رابرٹ کے ساتھ آیا اور اس سے
 پیک کیا ہوا ہاتھ لے لیا۔ لیکن اس بار یہ پوچھنا نہ
 بھولا کہ دایاں ہاتھ ہی تو ہے نا۔“
 اور اس بار ہم سورج غروب ہونے سے پہلے
 ہی پہنچ گئے۔ جاتے ہی میں تو لیبارٹری میں چلا گیا۔
 لارڈ ایکس اس وقت خلاف معمول اپنے گھوڑوں کو
 دیکھنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے
 ہاتھ نلے لڑکھلٹا تیار کیا اور اس کو ایک جاہ میں اسی
 جگہ رکھ دیا۔ جس جگہ ریڈ انڈین نے جاہ توڑ دیا تھا
 اور اس کے بعد میں کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔
 خاموش دل میں لاکھوں امیدیں اور سہارے لیے
 ہوئے۔
 ابھی سورج غروب ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی
 کہ لارڈ ایکس تشریف لے آئے اور مجھے بہت
 تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ لیڈی ایکس بھی
 ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے آتے ہی مجھے بہت
 پیار سے مخاطب کیا۔ لیڈی ایکس تو اندر چلی گئیں
 اور لارڈ ایکس میرے پاس بیٹھ گئے۔
 ”میں آج تمہارے چہرے پر فتح مندی کی
 جھلک دیکھ رہا ہوں۔ کہو کام بن گیا کیا؟“
 ”جی ہاں آپ کی دعا ہے۔ اگر میں غلط نہیں
 کہتا تو یہ آپ کی بے خوابی کی آخری رات ہے۔“
 ”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ لارڈ نے انتہائی

انڈیا کے صوبے یوپی کے ضلع بجنور تحصیل نجیب آباد کے موضع حسین پور محلہ پنواریان کا ایک شخص سید علمدار حسین نقوی گاؤں حسین پور سے باہر جا رہا تھا۔ دوسرے شخص سید سردار حسین نقوی نے کہا، "میرا یہ خط شہر سے پوسٹ کر دینا ذرا جلدی چلا جائے گا۔" علمدار بولا، "تم فکر نہ کرو، ہفتہ بھر بعد علمدار واپس آیا تو باتوں باتوں میں میں نے پوچھا، "یار! میرا خط پوسٹ کر دیا تھا؟" علمدار نے جھٹک کر جیب سے خط نکالا اور کہا، "اتنی جلدی ہے تو تم خودی پوسٹ کر دینا۔"

واجد گینوی، کراچی

باہر کی طرف بھاگتا اور تقریباً دوڑتا ہوا لارڈ کے شب خوابی کے کمرے کے دروازے پر پہنچا اور پاگلوں کی طرح اس کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ فوراً ہی لارڈ اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور آتے ہی مجھ سے لپٹ گئے۔

میرے عزیز میرے بیٹے میرے ہنری تم نے معرکہ کر لیا ہے۔ وہ ابھی آیا تھا اور الوداعی سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ آج سے تم میرے بیٹے ہو۔ میری تمام جائیداد کے وارث۔ لیڈی ایکس لیڈی ایکس لارڈ پاگلوں کی طرح آوازیں دینے لگے اور دوسرے لمحے لیڈی ایکس بھی مجھے پیار کر رہی تھیں۔

اور میں رات کے تقریباً ایک بجے اقبال اور خوش نصیبی کو اپنے وجود سے ہمنما ہوتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ (ماخوذ از کانن ڈائل)



خلوص سے دعا مانگی۔ اور ہم ڈائمنگ روم میں چلے گئے۔

آج پھر میز پر انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ نہایت پُر تکلف اور لذیذ۔ لیڈی ایکس بھی بہت خوش تھیں اور لارڈ ایکس تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طویل بیماری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہوں۔ کمزور لیکن چاق چوبند اور ہشاش بشاش۔ کھانا ختم کر کے ہم کچھ دیر تک بیٹھے تبا کو پیچے رہے اور آئندہ کے متعلق باتیں کرتے رہے اور ٹھیک گیارہ بجے میں کمرے میں گھس گیا اور وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

آج رات مجھے نیند بالکل نہ آئی اور میں صوفے پر نیم دراز ریڈائٹین کا انتظار کرتا رہا۔ آخر کار بہت انتظار کے بعد وہ ریڈائٹین اسی طرح اندر داخل ہوا۔

میں خاموش بیٹھا اس کو دیکھتا رہا۔ لیکن میرا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ چپکے سے میرے پاس سے گزر گیا اور الماریوں کے پاس سے ہوا میرے پاس آ گیا۔ اس نے چار میں ہاتھ ڈالا میرے دل کی دھڑکن گویا رک گئی۔ اور پھر اس نے ہاتھ لے کر اپنے کئے ہوئے ہاتھ کے ساتھ جوڑا اور پھر یوں محسوس ہوا گویا وہ مسکرا رہا ہو۔ پھر میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ میرے نزدیک آ رہا ہے اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ دونوں ہاتھ بالکل ٹھیک تھے۔ وہ جھکا اور مجھے سلام کیا اور پھر کمرہ خالی تھا۔ میں صوفے پر سے اچھلا اور شمع روشن کر کے

محبت اور عشق کی ولولہ انگیز داستان

انتظار

کچھ..... فیصل ندیم ساحل - موبائل نمبر 0346-4752726

(آنجل) (S-16)

جس کا نام نور علی تھا اپنا سگا بھائی ماننا تھا اور کبھی اسے یہ احساس نہ ہونے دیتا کہ وہ اس کا ملازم ہے۔ نور علی کی بھی ایک بیٹی تھی جس کا نام آمنہ تھا۔ بنو اور آمنہ ہم عمر تھے اکٹھے کھیل کود کر لے جڑے تھے۔

دونوں میں بچپن ہی سے پیار تھا اور دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی جدائی بہت کم برداشت کرتے تھے۔

ایک بار بنو اپنے ماموں سے ملنے ان کے گاؤں گیا تو اسے وہاں کافی دن لگ گئے..... جب وہ واپس آیا تو آمنہ نے اس سے بات بھی نہ کی اور ناراض ہو کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

بنو آمنہ کی عادت سے اچھی طرح واقف تھا اسے پتہ چل گیا کہ آمنہ ناراض ہو گئی ہے کیونکہ وہ اس کی جدائی برداشت نہیں کرتی۔ لہذا اس نے کان پکڑ کر آمنہ سے کہا۔

”دیکھو آمنہ! میں نے کان پکڑ لیے ہیں۔ خدا

کس قدر درد بھرا ہے لفظ انتظار میں مگر اس سے زیادہ ہے پیار میں کہتی ہے تیرے لیے ہی جی ہوں میں ورنہ کیا رکھا ہے ساحل سنگھار میں چوہدری کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کا نام اس نے پیار سے بنو رکھا تھا اور اس علاقے کے تمام لوگ اور حویلی میں رہنے والے بھی اسے چھوٹی ہی عمر سے ہی بنو بابا کہا کرتے تھے۔

حویلی کا نظام کافی وسیع تھا لہذا حویلی میں چوہدری کا پورا خاندان رہائش پزیر تھا۔ جبکہ نوکر چاکر وغیرہ بھی حویلی میں ہی رہتے تھے۔ لیکن باہر کا آدمی یہ پہچان نہیں سکتا تھا کہ حویلی میں نوکر کون ہے اور مالک کون ہے..... اس لیے کہ چوہدری کا ایک ملازم ایسا بھی تھا جس کا خاندان برسوں سے بلکہ نسل در نسل حویلی میں خدمت سرانجام دے رہے تھا۔ چوہدری اس ملازم کو



ماہنامہ سچی کہانی 81 مارچ 2015ء

اور اس کی خواہش بھی تھی کہ آمنہ اس کے گھر کی بہو بنے لہذا اس نے اپنے شوہر چوہدری سے کہا کہ۔

”چوہدری صاحب! خدا راہ ایسا مت کریں آمنہ بہت پیاری بچی ہے۔ ہمارا بنو بھی اسے بہت چاہتا ہے۔“ مگر چوہدری نے کسی کی ایک نہ سنی۔

بنو تیار ہو کر جانے لگا۔۔۔۔۔ سب سے ملا جلا اور آمنہ سے خاص کر ملا اور کہا۔

”آمنہ! میں جلد ہی اپنی پڑھائی مکمل کر کے واپس آ جاؤں گا۔ میرا انتظار کرنا اور غم مت کرنا ٹھیک ہے ناں۔“ بنو نے سب کے سامنے آمنہ کو جھکے لگا لیا

اور دونوں کی کم سن آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔۔۔ بنو چلا گیا۔ آمنہ بنو کے چلے جانے سے غمگین ہو گئی۔

بنو کی ماں اکثر اسے دلا سدا رہتی اور کہتی کہ۔

”آمنہ! فکر مت کرو بنو آئے گا تو ہم تم دونوں کی شادی کر کے تم دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک کر دیں گے۔ پھر دیکھنا بنو تم سے کبھی دور نہیں جائے گا۔“

دو ماہ بعد بنو نے ایک خط لکھا جس میں اس نے سب گھروالوں کو سلام لکھا تھا اور لکھا تھا کہ۔

”مجھے ماں اور آمنہ کی بہت یاد آتی ہے۔“ جواب میں آمنہ نے بھی خط لکھا کہ۔

”سب گھروالے بھی ٹھیک ہیں مگر مجھے تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ سارا دن سوچوں میں گزرتا ہے۔

رات کو نیند نہیں آتی۔“ بنو آمنہ کا خط پڑھ کر آبدیدہ ہو گیا مگر اس نے اپنی پڑھائی جاری رکھی اور تین سال بعد اس نے خط لکھا کہ۔

”میری پڑھائی پوری ہو گئی ہے میں جلد ہی

راہ اب تو مجھے معاف کر دو میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی اتنے دن کے لیے کہیں نہیں جاؤں گا۔“ آمنہ نے بنو کی طرف غصے سے گھورتے ہوئے اس کے ہاتھ کانوں سے نیچے کر دیئے اور کہنے لگی۔

”اتنے دن کیوں رہے وہاں پر۔۔۔۔۔؟ پتہ ہے میرا کیا حال ہو گیا تھا تمہارے بغیر اور کون ہے یہاں جس کے ساتھ میں بات کر سکوں۔۔۔۔۔ اس لیے تمہارا انتظار ہی رہتا تھا اور تم ہو کہ میری فکر ہی نہیں کرتے۔“ بنو نظریں جھکائے ہوئے بولا۔

”غلطی ہو گئی بابا معاف کر دو آج کے بعد کبھی بھی اتنے دن گھر سے باہر نہیں رہوں گا۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ پہلے وعدہ کرو؟“ آمنہ سے کہا۔

دونوں نے مل کر وعدے کیے اور ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

یہ سارا منظر دور کھڑے چوہدری نے دیکھ لیا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اس وقت تو کوئی قدم نہ اٹھایا مگر وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ایک نوکر کی بیٹی ہو کر چوہدری کے بیٹے پہ ڈور سے ڈال رہی ہے۔ اگر ایسا ہی رہا تو لوگ کیا کہیں گے کہ چوہدری نے اپنے بیٹے کی شادی ایک نوکر کی بیٹی سے کر دی۔ رات بھر وہ اس سلسلے کا حل سوچتا رہا اور صبح اس نے اپنی بیوی بنو کی ماں سے کہا کہ۔

”یہ بات ہے اس لیے میں اپنے بیٹے کو دلایت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔“

چوہدری کی بیوی بڑی اچھی عورت تھی وہ بنو اور آمنہ کے پیار کے بارے میں پہلے ہی سے جانتی تھی

۱۰۰ سچی کہانی ۱۰۰ 82 مارچ 2015ء

Copyrighted Material

اپس آ جاؤں گا۔“

تمہارے آنے کی خوشی میں شاید شرما کر اوپر چلی گئی ہے۔“

بٹو جلدی سے آمنہ کے کمرے تک گیا اور آہستہ آہستہ اس نے نزدیک جا کر دروازہ کھول دیا۔ آمنہ ناچتے ہوئے رک گئی اور گہری سانسیں لینے لگی۔ بٹو نے پاس جا کر اس کی زلفوں کو چہرے سے ہٹایا اور کہا۔

”دیکھو آمنہ! میں تمہارے لیے آ گیا ہوں۔ میرا چہرہ نہیں دیکھو گی؟“ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بٹو نے کہا۔

”ٹھیک ہے مدت دیکھو میں واپس واپس چلا جاتا ہوں۔“ یہ سنتے ہی آمنہ نے بٹو کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیے دیکھنے لگی۔

”اتنی مدت کے بعد آئے ہو اور پھر سے جانے کی باتیں شروع کر دوں۔ شاید تم نہیں جانتے کہ انتظار کیا ہوتا ہے۔ کتنا کٹھن وقت ہوتا ہے انتظار کا۔ میں نے اتنی دیر تمہارا انتظار کیا اور تم سے صرف ایک منٹ کا انتظار نہ ہو سکا۔ جاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔“ بٹو نے آمنہ کو بازو سے پکڑ کر ایک نظر دیکھنے کے بعد گلے لگا لیا۔ آمنہ نے بھی بٹو کو مضبوطی سے تھام لیا اور ساتھ ہی روتے ہوئے کہنے لگی۔

”تم بہت بے وفا ہو بٹو! اتنی دیر کیوں کی آنے میں۔۔۔۔۔ جانتے ہو تمہارے بغیر میں کیسے جیتی رہی۔۔۔۔۔ ایک زندہ لاش کی طرح۔۔۔۔۔ پیار جو کرتی ہوں تم سے اسی لیے تم مجھے ستاتے ہو ناں۔“ بٹو نے کہا۔

”اب میں آ گیا ہوں ناں ہمیشہ تمہاری نظروں کے سامنے رہوں گا۔ اب ذرا مسکرا دو۔“

اس عرصے میں اکثر چوہدری نے خفیہ طور پر اپنے ملازم نور علی سے کہا کہ۔

”تمہاری بیٹی جو ان ہو گئی ہے اس کی شادی کر دو۔“ نور علی نے بلا جھجک چوہدری سے کہا۔

”چوہدری صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر آپ شاید نہیں جانتے کہ آمنہ اور بٹو بابا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ان دونوں کی شادی کر دی جائے؟“ چوہدری نے نہ پاتے ہوئے بھی نور علی سے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ کیوں نہیں آخر تم بھی تو میرے بھائی بیسے ہو۔ ہم بٹو کے آتے ہی دونوں کی شادی طے کر دیں گے۔“

آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا سب کو بڑا بے صبری سے انتظار تھا اور سب سے زیادہ آمنہ کو تھا۔ بٹو اپنی پڑھائی مکمل کر کے اپنے گھر آ گیا۔ سب گھر والوں سے ملا۔۔۔۔۔ اس نے کچھ کو پہچانا کچھ کو نہیں پہچانا۔ جب گھر کا دروازہ پھلانگا تو آمنہ خوشی سے پاگل ہو کر بھاگتی بھاگتی اپنے کمرے میں جا کر ناچنے لگی۔۔۔۔۔ جھونکنے لگی۔

بٹو نے سب کو ملنے کے بعد اپنی ماں سے پوچھا۔

”ماں! آمنہ کہاں ہے؟“ تو اس کی ماں نے کہا۔

”اوپر اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہے

شاید۔۔۔۔۔ جاؤ اور جا کر مل لو اس سے۔ بے چاری جب سے تم گئے ہو روز تمہارا راستہ دیکھتی تھی اور دن میں نا جانے کتنی بار تمہیں یاد کر کے آنسو بہاتی تھی۔

اپنے کمرے میں بیٹھی رات کو ہونے والی مہندی کی رسم کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رہی تھی کہ کسی نے آکر اسے بتایا۔

”آمنہ.....! آمنہ.....! بنو کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور اس حادثے میں بنو مر گیا ہے۔“ اس کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئیں چوڑیاں وہیں پر گر گئیں اور وہ بھاگتی ہوئی بنو کی لاش پر پہنچی۔ اس نے جب دیکھا تو چیخنے لگی..... چلانے لگی۔

”نہیں..... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا..... بنو! تم مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ اٹھو بنو! آج ہماری مہندی ہے کل ہماری شادی ہے تمہیں میری قسم اٹھو بنو۔“ مگر مرنے والے بھلا کب اٹھا کرتے ہیں۔ آمنہ کو بنو کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ نیم پاگل ہو گئی اور ہر وقت بنو..... بنو کہنے لگی۔ وہ اکثر بنو کی قبر پر جا کر اس سے گھٹنوں باتیں کرتی اور اکثر وہیں پر سو جایا کرتی تھی۔ اسے دیکھنے والی ہر آنکھ نم ہوئے بغیر نہ رہ پاتی۔

بنو کے مرنے کے بعد آمنہ تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہی اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنو کے پاس چلی گئی۔ آمنہ کی قبر بنو کی قبر کے ساتھ ہی بنائی گئی۔ آج بھی لوگ کہتے ہیں۔

”ہر چیز کو پالینا ہی پیا نہیں ہوتا کچھ کھودینا بھی پیا کہلاتا ہے۔“ مگر ظالم ہے پیار میں انتظار (سلام تیری محبت کو)

موبائل نمبر 0304-4811142

☆☆

خیر ان دونوں پریموں نے کافی دیر تک باتیں کیں..... ایک دوسرے کے دل کی سنی کئی..... جتنے عرصے بنو پڑھائی کے لیے ملک سے باہر رہا اتنے عرصے میں آمنہ نے اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور بنو کی ماں نے جیسے اسے سمجھایا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے چوہدری کا دل بھی جیت لیا تھا اور اب چوہدری بھی یہی چاہتا تھا کہ آمنہ اس کے گھر کی بہو بنے۔ لہذا گھر والوں نے آپس میں مشورہ کر کے بنو اور آمنہ کی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے شادی کی تاریخ بھی رکھ دی۔

اب بنو اور آمنہ کو ایک دوسرے سے ملنے سے روک دیا گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو ملنے کے لیے ترسنے لگے..... کیونکہ زمانے کی دیوار ان کے سامنے حائل کر دی گئی تھی۔ آمنہ اور بنو دونوں ہی دل ہی دل میں بڑے خوش تھے کہ اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ہونے والے ہیں۔ یہ صرف چند دنوں کی رونی ہے۔

آخر کار شادی کا دن بھی آ گیا۔ تیل مہندی والے دن صبح سویرے بنو اپنے دوستوں کے ساتھ شہر سے کچھ ضروری سامان خریدنے کے لیے چلا گیا۔ سامان کی خرید و فروخت کے بعد شہر سے واپسی پر اس کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور بے چارہ بنو وہیں موقع پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

اس کے دوست جب اس کی لاش حویلی لے کر آئے تو حویلی میں کیا پورے علاقے میں کہرام مچ گیا۔ ہر دیکھنے والے کی آنکھ اشکبار تھی کیونکہ بنو چوہدری کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس بات کی آمنہ کو کچھ خبر نہ تھی وہ تو

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۃ
مین کے نقش پر فیروزہ یعنی 'عمیق' پتھر 'راج' لا جو رو
لم زمرہ یا قوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ
مالی جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام
بڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے
وب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ
شے میں کامیابی میاں بیوی میں محبت ہر قسم کی بندش
تم 'رات کو نیکے کے نیچے رکھنے سے لاشی کا نمبر'
بادوکس نے کیا 'کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان
علوم ہو جائے گا۔ آفسر اپنی طرف مائل تا فرمان
ولاد نیک میاں کی عدم توجہ حج یا حاکم کے غلط فیصلے
سے بچاؤ مکان فلیٹ یا دکان کی قابض سے چھڑانا
عدے میں زخم دل کے امراض 'شوگر' 'یرقان' جسم
میں درد عورت کی اندرونی بیماریاں 'مراد کنزوری'
ناراض کو راضی کرنا یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت
ہوگا۔ یاد رکھو سورۃ یسین قرآن پاک! کا دل ہے۔

رابطہ۔ صوفی علی مراد

0333-3092826

021-2446647

IM-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر

بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

یا الہی یہی تمنا ہے کہ تعلیم قرآن عام ہو جائے
ہر پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

ذیو تعمیر مدرسہ
جامعہ حنفیہ قادریہ ضیاء القرآن

مدرسہ ہذا میں بیرونی بچے زیر تعلیم ہیں
جن کے طعام رہائش کا ادارہ خود کفیل ہے
مدرسہ ہذا خالصتاً دینی ادارہ زیر تعمیر ہے
جس کیلئے مستقل آمدن کے ذرائع نہیں ہیں

مختیر حضرات سے اپیل ہے

کہ اپنی صدقات و خیرات
وزکوٰۃ سے تعاون فرمائیں

قاری غلام رسول ضیاء قادری

0301-4606783

NBP اکاؤنٹ نمبر۔ 046822003814-9

وارڈ نمبر 11 محلہ پیر خادم حسین شاہ قبولہ شریف
تحصیل عارفوالہ ضلع پاکپتن شریف

انصاف کا راستہ

کچھ..... ضرغام محمود۔ موبائل نمبر 0321-2188214

میں (جج کریم الدین) پر آج گھبراہٹ طاری تھی۔ بحیثیت جج آج میرا پہلا کیس تھا اور کیس بھی قتل کا..... لہذا گھبراہٹ طاری ہونا قدرتی بات تھی۔ میں اپنا گاؤں سنبھالتے ہوئے عدالت میں داخل ہوا تو تمام لوگ میرے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہی کیس کی کاروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔

”جناب والا!“ سرکاری وکیل بولا، ”یہ جو ملزم کٹہرے میں کھڑا ہے نہایت سفاک اور ظالم ہے اس نے صرف ایک گھوڑے کی خاطر ایک جیتے جاگتے انسان کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا..... ایسے ملزموں کو بغیر کسی مقدمے کے پھانسی چھادینا چاہیے۔“

”جناب والا!“ وکیل صفائی بول اٹھا۔ ”میرے قابل دوست مبالغے سے کام لے رہے ہیں میرے منوکل کے ہاتھوں ایک انسان قتل ہوا مگر یہ اتفاقی حادثہ تھا جبکہ میرا منوکل ایک نہایت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے میرے منوکل نعمان خان نور پور گاؤں کے جاگیردار ظاہر خان کا پوتا اور موجودہ وفاقی وزیر فیروز خان کا بیٹا ہے۔ میرے منوکل کے بدن میں

ایک اعلیٰ وارفع خاندان کا خون ہے۔ اس خاندان کا جس نے اس ملک کے لیے بے پناہ خدمات سرانجام دیں..... سیاست میں نام پیدا کیا..... میرے منوکل کا خاندان غریب کا درد اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ وہ انسان اور انسانیت کو پیچھانتے ہیں وہ خاندان کسی کی جان لینا تو دور کنارا کسی کو ذرا سی تکلیف دینا گوارا نہیں کرتا۔“

وکیل صفائی نہ جانے کیا کیا کہتا رہا مگر میں نے اچانک عدالت برخواست کر دی۔ میری پیشانی پر پسینہ تھا۔ میں اٹھا اور اپنے جیمبر میں چلا گیا۔

جاگیردار ظاہر خان کا پوتا قتل کے الزام میں..... آف میں کیا کروں.....؟“ میں نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا میری آنکھوں کے سامنے ماضی کے اوراق اٹھنے لگے.....

جب میں چھوٹا سا تھا۔ شاید پانچ یا چھ سال کا میرا والد کسان تھا۔ ان کے پاس اپنی زمین نہ تھی وہ جاگیردار ظاہر خان کی زمینوں پر ہل چلاتے تھے اور جو کچھ مل جاتا تھا اسی سے گزارا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے میں نے کبھی اپنے ماں باپ کو لڑتے جھگڑتے نہیں



کیا ہوا بنو! بابا نے اماں سے پوچھا۔

”ک..... کک..... کچھ نہیں.....“ اماں گھبرا

گئی۔ انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

”بنو! (ابا ہمیشہ ماں کو بنو کہہ کر پکارتے تھے)

میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تو پریشان ہے کیا

مجھے اپنی پریشانی نہیں بتائے گی.....؟“ ابا کے اصرار

پر اماں پھر رونے لگیں اور روتے روتے کہنے لگیں۔

”مجھے جاگیردار سے بیالے کریمو کے بابا! وہ

مجھ پر گندی نظر رکھتا ہے۔ جب تو کھیت پر ہوتا ہے تو

اس کے آدمی یہاں آکر مجھے تنگ کرتے ہیں۔ کہتے

ہیں جاگیردار صاحب تجھے بلار ہے ہیں اور کل.....

کل تو دھمکی دے کر گئے ہیں کہ اگر میں نے جاگیردار

کی بات نہ مانی تو وہ تجھے اور کریمو کو مار ڈالے گا۔ اور

مجھے اٹھا کر لے جائیں گے۔“ اماں نے روتے روتے

ساری بات بتائی۔

”تو..... تو اتنے دنوں سے ایسے ہی اندر رہی

اندر گھٹ رہی ہے۔“ ابا نے اماں کو گلے سے لگاتے

ہوئے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ.....

جانے سے ذرا کیوں رہی ہیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے

کہ اتنی بڑی حویلی میں کام کے لیے جایا جائے۔“ میرا

نخاسا دماغ اس سے آگے سوچ نہیں پارہا تھا۔

”یہ لے کریمو کے بابا! اماں نے اپنے تکیے

کے نیچے سے بڑا سا تنگہ نکالا اور ہانک دیتے ہوئے کہا۔

”لے اس تنجر سے میری زبان کاٹ دے۔ میں

اُف تک نہیں کروں گی۔“

”یہ..... یہ تو کہہ کر کہہ کر.....“

کے ہاتھ سے تنجر لے کر اپنی کمر میں اڑسا۔

”میں صحیح کہہ رہی ہوں کریمو کے ابا..... اذیت

کی زندگی سے بہتر ہے کہ میں تیرے ہاتھوں مر جاؤں۔“

”نہیں..... نہیں۔“ ابا بے چینی سے بولے اسی

وقت باہر جیپ روکنے کی آواز آئی۔

”شش..... شاید جاگیردار کے آدمی آ گئے۔“

اماں خوفزدہ حالت میں بولیں۔

”جل جلدی سے چادر اوڑھ لے۔“ ابا نے

اماں سے کہا اور پھر چار پائی پر لیٹے مجھ کو گود میں اٹھا

لیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔

چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے

چمک رہا تھا۔ لہذا جالا تھا کہ راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔

مجھے سنبھالے میرے ماں باپ گاؤں سے دور ہوتے

جا رہے تھے۔ ابا نے جان بوجھ کر جنگل والا راستہ

اختیار کیا تھا۔

جاگیردار ظاہر خان کو گھر میں جب کوئی نہیں ملا تو

وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو

چاروں طرف بھلا دیا تاکہ میرے ماں باپ کو

ڈھونڈا جاسکے۔

میں اپنے ماں باپ کے ساتھ جنگل میں ایک

جگہ مھانڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے جاگیر

دار ظاہر خان اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمیں ڈھونڈ رہا

تھا۔

”دور ہے.....“ جاگیردار ظاہر خان کی مکر وہ نظروں

نے کہیں اٹھو نہ دیا۔

”باہر نکل آؤ رنہ.....“ جاگیردار ظاہر خان نے

دھمکی سے کہا۔ ابا نے کہا کہ تو میرے.....“

میں چھپا کر خود باہر نکل آئے۔

مار دے گی۔“ جاگیر دار ظاہر خان نے کہا اور آہستہ

آہستہ آگے بڑھا۔

”آگے مت بڑھنا۔“ اماں نے جاگیر دار ظاہر

خان کو پھر دھمکی دی۔

میں جھاڑیوں میں چھپا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

”کیا کرے گی تو مار دے گی مجھے لے مار.....“

جاگیر دار ظاہر خان بولا۔

جاگیر دار ظاہر خان اور اس کے آدمی نیم دائرے

کی صورت میں آگے بڑھنے لگے کہ اماں نے ایک نظر

سب کو دیکھا پھر خنجر والا ہاتھ بلند کیا اس دفعہ خنجر کا رخ

تبدیل تھا پھر میں نے دیکھا کہ اماں کا ہاتھ ایک جھٹکے

سے پیچے آیا اور اماں نے خنجر اپنے پیٹ میں اتار لیا۔

”جاگیر دار! جیتے جی تو“ تو مجھے ہاتھ نہیں لگا

سکتا۔“ اماں اتنا کہہ کر ابا کی لاش پر گر پڑی۔ میں نے

دیکھا اماں کے پیٹ سے خون کا پھوارا بلند ہوا اور

اماں نے ابا کے سینے پر سر رکھ دیا۔

”چلے جاگیر دار صاحب! جلدی سے یہاں

سے نکل چلیں۔“ جاگیر دار ظاہر خان کے آدمی نے کہا۔

”لیکن..... لیکن.....“ جاگیر دار ظاہر خان نے

اماں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

”یہ اب ہمارے کسی کام کی نہیں مر چکی ہے۔

آپ.....! یہاں سے چلے۔“

تھوڑی دیر بعد جاگیر دار ظاہر خان اپنے آدمیوں

کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ جاگیر دار ظاہر خان کے

جانے کے بعد میں اپنی جگہ سے باہر نکلا اور اپنی ماں

کے پاس پہنچا۔

”بے بے.....! بے بے.....!“ میں چیخا۔

”اپنی زبانی کو بھی نکلنے کا بول درندہ.....“ ظاہر

خان نے بندوق کی نال سیدی کرتے ہوئے کہا۔ تو

میری اماں بھی چھپی ہوئی جگہ سے باہر نکل آئیں۔

”سالی.....! تڑپا کر بھاگ رہی تھی۔“ ظاہر

خان نے ہاتھ بڑھا کر میری ماں کو پکڑنا چاہا۔

”جاگیر دار.....!“ ابا نے اچانک جاگیر دار پر

خنجر سے حملہ کر دیا خنجر کے وار سے جاگیر دار ظاہر خان

کے ہاتھ پر گہرا زخم آ گیا۔ جاگیر دار ظاہر خان نے

چیتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”ذلیل آدمی! تو..... تو نے مجھ پر حملہ کیا۔“

جاگیر دار نے اپنے آدمی سے پستول لیا اور میرے بابا

پر سیدھا فائر کر دیا۔ فائر کے ساتھ ہی میں نے دیکھا

کہ میرے ابا کے سینے سے خون کا فوارا بلند ہوا اور وہ

ایک چیخ مار کر گر پڑے۔ میری ماں چیتے ہوئے اپنے

شوہر سے پٹ گئیں۔

”ہاہاہا.....“ جاگیر دار ظاہر خان نے بڑا مکروہ

تقبہ لگایا۔ ”چل تجھے تو میں اپنی دل کی رانی بناؤں

گا۔“ جاگیر دار ظاہر خان نے میری ماں کو بالوں سے

پکڑ کر اٹھایا..... مگر اماں نے اس کو زور کا دھکا دیا۔

جاگیر دار ظاہر خان لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہو گیا۔ میری

اماں نے ابا کے ہاتھ میں پکڑا خنجر نکال کر اپنے ہاتھ

میں لے لیا۔

”کوئی آگے بڑھا تو.....“ اماں نے خنجر لہراتے

ہوئے کہا۔

”ہاہاہا..... دیکھو زبانی ہمیں دھمکی دے رہی

ہے۔“ جاگیر دار ظاہر خان ہنسا۔ ”تو..... تو ہم سب کو

”بھاگ جا..... یہاں سے بھاگ جا..... ورنہ جاگیر دار تجھے بھی مار دے گا۔“ اماں نے دم توڑتی سانسوں کے ساتھ اٹکتے ہوئے مجھ سے کہا اور اپنے شوہر کے سینے پر سر رکھ کر دم توڑ دیا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں چیخ چیخ کر روؤں..... مگر میں نے اپنی آواز اپنے حلق میں ٹھونٹ لی۔ میں خاموش آواز کے ساتھ اپنے ماں باپ کی لاشوں پر بیٹھا آنسو بہاتا رہا..... پھر میں نے اماں کے گرد لپٹی چادر نکال کر دونوں لاشوں پر ڈالی اور جنگل کی جانب بڑھ گیا۔ میں ساری رات چلتا رہا کبھی تھک کر کبھی تکلیف سے بیٹھ جاتا اور پھر چلنے لگتا۔ بھوک و پیاس سے میرا برا حال تھا۔ مجھے اپنی ماں یا داری تھی جو صبح اس کے لیے اصلی تھی کے پرانے پکاتی تھیں۔ اماں اباروکی سوکھی کھاتے تھے اور مجھے ہمیشہ اچھا کھلاتے تھے۔

ہمت کر کے میں چلتا رہا۔ صبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی۔ میں جنگل سے نکل سڑک پر پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر میں سورج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر نکل آیا۔ اب مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا۔ بھوک سے میرے پیٹ میں بل پڑنے لگے..... پیاس سے حلق میں کانٹے آگ آئے..... زبان خشک ہو کر اڑ گئی۔ میرے جسم پر جا بجا خورد کائناتوں نے خراشیں ڈال دی تھیں۔ جس میں سے خون رس رہا تھا۔ میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا رہا مگر کب تک آخر کار میں بے ہوش ہو کر سڑک کنارے گر پڑا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں ہسپتال کے بستر پر

تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں یہاں کیسے پہنچا..... میں گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”کیسے ہو بیٹا! ایک شفقت بھری آواز نے مجھ سے پوچھا تو میں نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔ ایک داڑھی والا بزرگ میرے بیڈ کے سرہانے بیٹھا تھا۔ یہ الفاظ اسی نے ادا کیے تھے۔ میں نے جواب دینا چاہا مگر الفاظ میرے حلق سے نہ نکلے۔

میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری یہ دیکھ کر وہ بزرگ اپنی جگہ سے اٹھے اور میز پر رکھے جگ میں سے گلاس میں جوش انڈیا اور مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور جوس کا گلاس میرے منہ سے لگا دیا۔ میں ایک ہی سانس میں سارا گلاس جوس پی گیا۔

”شاباش! بس اتنا کافی ہے۔“ بزرگ نے رومال سے میرا منہ صاف کیا۔

”اب بتاؤ..... تم جنگل میں اکیلے کیا کر رہے تھے.....؟ میں وہاں سے گزرا تو تم سڑک کے کنارے بے ہوش پڑے تھے اور زخمی بھی تھے۔“ جوس کا گلاس میز پر رکھے ہوئے وہ بزرگ بولے۔ بزرگ کی بات سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے روتے روتے انہیں اپنی پوری کہانی سنا دی۔

”افسوس..... انسان اتنا ظالم ہو گیا۔“ پوری بات سن کر بزرگ بولے۔ ”بیٹا! آج سے تم میرے بیٹے ہو۔ یہ شہر ہے یہاں تمہارا ظالم جاگیر دار نہیں آسکتا تم یہاں محفوظ ہو۔“

وہ بزرگ ماسٹر اللہ بخش تھے۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی وہ مجھے اپنا بیٹا بنا کر اپنے گھر لے گئے۔ ماسٹر اللہ بخش کی بیوی بھی ان کی طرح مہربان و شفقت

”سر! ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ دیے میں
پرائم منسٹر کا پرنسپل سیکرٹری بات کر رہا ہوں۔“
”جی فرمائیے۔“

”سر! کابینہ میں فیصلہ ہوا ہے کہ آپ کو ملک کا
اعلیٰ ترین سول اعزاز دیا جائے گا اور ساتھ ہی دار حکومت
کے پوش علاقے میں دو ہزار گز کا کارنر پلاٹ بھی آپ
کی خدمات کے عوض آپ کو دیا جائے گا۔“ دوسری
طرف سے سیکرٹری کی آواز آئی۔

”محترم! کیا نام بتایا آپ نے اپنا۔“ میں نے
جملہ ادھورا چھوڑا۔

دوسری طرف سے مکمل تعارف کروایا گیا۔
”محترم! میں نے ایسی کون سی خدمات انجام
دی ہیں جو حکومت کی جانب سے مجھے اتنا بڑا اعزاز دیا
جا رہا ہے۔؟“ میرا لہجہ خود بخود طنز یہ ہو گیا۔ کیونکہ
میں سمجھ گیا تھا کہ حکومت مجھے اعزاز اور انعام بطور
رشوت پیش کر رہی ہے۔

”سر! کابینہ نے جو فیصلہ کیا وہ یقیناً سوچ سمجھ کر
کیا ہوگا۔۔۔۔۔ ہم تو آپ کو فخری سنانے والے ہیں۔
دیے آپ کی خدمات ملک و قوم کے لیے لاثانی ہیں۔
آپ انصاف کے بہت بڑے علمبردار ہیں آپ کی
عدالت سے کبھی کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں ہوئی اور
آئندہ بھی آپ سے یہی امید ہے کہ آپ کی عدالت
سے ہر کسی کو انصاف ملے گا۔“

”آپ شامد فاتی وزیر فیروز خان کے بیٹے کے
کیس کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں؟“

”آپ تو سمجھ رہے ہیں۔ دیکھئے! سر! نعمان خان
کیس کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں۔“

جس نے انہوں نے بھی مجھ کو اپنی اولاد تسلیم کر لیا۔
شہر میں رہ کر میں نے تعلیم حاصل کی اور
سب ایل بی کر کے وکالت کرنے لگا۔ بحیثیت وکیل
میں بہت کامیاب رہا۔ میں نے ہمیشہ غریبوں کے حق
کے لیے آواز اٹھائی۔ میں اکثر غریبوں کا کیس مفت
لڑاتا۔۔۔۔۔ میں غریبوں اور مظلوموں کی مدد کے لیے ہر
وقت تیار رہتا۔ اس وجہ سے میری شہرت چاروں
طرف پھیل گئی۔

گاؤں کی تبلیغ یا دیں میرے ماضی کا حصہ بن گئی
۔۔۔۔۔ میں نے اپنے منہ بولے ماں باپ کی خدمت
ماں باپ سے زیادہ کی کہ آخری وقت میں ان
س کے لیوں پر میرا ہی نام تھا۔ میں نے پھر کبھی
کر اپنے ماضی کی جانب نہیں دیکھا۔ مگر وقت نے
ماضی میں دھکیل دیا اور جاگیر دار ظاہر خان کا پوتا
کے الزام میں میری عدالت میں آ گیا۔

میں سر جھکائے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی
گئی۔ جب میں نے ریسور اٹھا کر کان سے لگایا۔
اسی طرف سے میرے لی اے کی آواز ابھری۔

”سر! پرائم منسٹر کے پرنسپل سیکرٹری صاحب
سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“
”ملاؤ۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہیلو جج صاحب! کیسے ہیں آپ۔۔۔۔۔؟“
”ملتے ہی سیکرٹری کی آواز گونجی۔ اس کے انداز
یہی بے تکلفی تھی جیسے وہ مجھ سے اکثر بات کرتا
۔۔۔۔۔“

”جی اللہ کا شکر ہے۔ آپ کون بات کر رہے
ہیں۔“ اس نے راز سے جواب دیا۔

طرح کی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔ آپ خود سمجھدار ہیں۔“
 ”کون مجرم ہے؟ کون بے گناہ اس کا فیصلہ کرنا
 عدالت کا کام ہے۔ آپ اپنے پاس سے کہہ دیجئے گا
 کہ جب تک یہ کیس چل رہا ہے میں حکومت سے کوئی
 اعزاز یا انعام نہیں لوں گا۔“ میں نے قطعیت بھرے
 لہجے میں جواب دیا۔

”کیوں سر! اس اعزاز اور انعام کا تعلق اس
 کیس سے بالکل نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے سیکرٹری
 کی پریشانی سے بھری آواز ابھری۔

”میں نے کہہ دیا ہے کہ جب تک یہ کیس میری
 عدالت میں ہے میں حکومت کو ایک فریق سمجھتا ہوں
 اور کسی فریق سے کوئی تحفہ یا انعام لینا جج کی شان
 نہیں..... لہذا میرا پیغام آپ اپنے پاس کو پہنچا دیجئے
 گا۔“ اتنا کہہ کر میں نے ریسیور رکھ کر اسی مقدمے کی
 فائل اٹھائی اور اس کے مندرجات پڑھنے لگا۔

مندرجات کے مطابق ملزم نعمان خان نے
 علاقے کے ایک چھوٹے زمیندار کو وحشیانہ طریقے
 سے قتل کیا تھا۔ دراصل اس زمیندار کے پاس ایک
 نایاب نسل کا عربی گھوڑا تھا۔ جو نعمان خان اس سے
 لینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں نعمان خان نے زمیندار کو
 بڑی رقم کی پیشکش بھی کی تھی۔ مگر وہ زمیندار اس
 سودے پر راضی نہ ہوا۔ لہذا ایک دن موقع پا کر نعمان
 خان نے اپنے آدمیوں کے ساتھ زمیندار کو جنگل میں
 گھیر لیا اور نہایت بے دردی سے اسے قتل کر دیا مگر
 نعمان خان کی بد قسمتی کہ والٹڈ لائف والوں نے جنگلی
 حیات کے ریسرچ کے سلسلے میں اس جنگل میں خفیہ
 کیمرے لگائے ہوئے تھے ان کیمروں کی ریکارڈنگ

میں نعمان خان کا جرم صاف نظر آ رہا تھا۔ کیمروں کی
 ریکارڈنگ سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کی گئی تو ملک بھر میں
 ہاہا کار مچ گئی اور حکومت پر اتنا دباؤ پڑا کہ حکومت
 نعمان خان کے خلاف ایکشن لینا پڑا اور نعمان خان
 گرفتار ہو گیا۔ ریکارڈنگ سے واضح نظر آ رہا تھا کہ
 نعمان خان نے کس طرح اس زمیندار کو زمین پر گرا کر
 گولی ماری..... ثبوت اور گواہان کے بیان اتنے واضح
 تھے کہ مجھ کو یقین تھا کہ نعمان خان کا پہچانا کسی طرح
 بھی ممکن نہیں ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ نعمان خان
 مجرم ہے۔ میں مندرجات پڑھ رہا تھا کہ ایک بار پھر
 فون کی گھنٹی بجی۔

”سر! آپ کے گھر سے فون آیا تھا یگیم صاحب
 پوچھ رہی تھی کہ آپ کب تک گھر آ جائیں گے؟“
 دوسری جانب میرا پی اے تھا۔

”انہیں فون کر کے کہہ دو کہ میں آدھے گھنٹے
 میں گھر پہنچ جاؤں گا۔“ اتنا کہہ کر میں نے ریسیور رکھ
 دیا اور مقدمے کی فائل اٹھا کر پھر سے پڑھنے لگا۔
 فائل پڑھنے کے بعد میں سوچ میں ڈوب گیا..... تھوڑی
 دیر بعد میں نے مقدمے کی فائل اٹھائی اور اپنی جیب
 سے قلم نکالا اور عدالت کے فیصلے کے طور پر لکھا۔

”قتل کا یہ مقدمہ ملزمان کی مرضی سے کسی دوسری
 عدالت میں منتقل ہو جائے تو اچھا ہے کیونکہ مجھے ذاتی
 طور پر ملزم کے گھرانے سے رنجش ہے لہذا میں نہیں
 چاہتا کہ میرے فیصلے میں میری ذاتی دشمنی بھی شامل ہو
 جائے اور میں انصاف کے راستے سے بھٹک جاؤں۔“
 ☆☆

پچھتاوا

کچھ..... علی حسنین تالیش - موبائل نمبر 0305-3621382

زندگی کے سفر میں انسان کو بعض اوقات ایسے حالات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ بے بس ہو جاتا ہے اور اس کے لیے ایک ایک پل گزارنا بھی قیامت کے برابر ہوتا ہے۔ ایک ایک پل بھی اس کو صدیوں کے برابر لگتا ہے۔ زندگی میں کیے ہوئے کچھ نئے عمر بھر کے لیے پچھتاوے دے جاتے ہیں۔ جو کہ انسان کے سائے کی طرح ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ماضی اور گزرے پل کی یادیں مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ پچھتاوا بھی انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتا۔ ہاں اگر اس بات کو دل و دماغ سے نکال دیا جائے جو کہ ناممکن ہے۔ اگر دماغ سے نکال دو تو بہتر ہی آسکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی میرے ساتھ ہوا ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں بی اے کا غالب علم تھا۔ میٹرک کے بعد میں نے ڈپنٹر کا کورس کیا اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ اب میں ایک کلینک چلا رہا تھا۔ ہم گھر میں تین افراد تھے۔ ایک میں امی اور میری بہن۔ کلینک سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ ہمارا گزر بسر اچھا ہو رہا تھا۔ ابو میرے بچپن میں ہی وفات پا چکے تھے۔ اس لیے گھر میں کمانے والا میں اکیلا ہی تھا۔ میری آنٹی ہمارے گھر کے ساتھ ہی رہتی

تھیں۔ اکرم میرا بچپن کا دوست تھا اور اس کا گھر ہمارے گھر کے قریب ہی تھا۔ اکرم کی بیوی اور میری آنٹی بہت اچھی دوست تھیں۔ اس لیے ہم سب ایک دوسرے کو فیملی ممبر ہی سمجھتے تھے۔ میرے ابو بہت ملنسار آدمی تھے اور سب محلے والے بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

میرے بی اے کے فائنل اکرامز ہو چکے تھے۔ میں اب فارغ تھا۔

اکرم میرا بہت اچھا دوست تھا۔ وہ مجھے اپنا چھوٹا بھائی کہا کرتا تھا اور بھائی جان بھی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ دن اچھے گزر رہے تھے۔ اکرم ایک فرم میں کام کرتا تھا اور اس نے دوپنی جانے کی کوشش تو وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا۔ اکرم کا ویزا لگ گیا اور اب اس نے دوپنی جانا تھا۔

ایک دن میں اکرم کے گھر آیا اور کافی دیر باتوں کے بعد اس نے کہا۔

”اختر! تم میرے چھوٹے بھائیوں جیسے ہو۔ میرا تو اب دوپنی کا ویزا لگ چکا ہے اور اب میں دوپنی جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی بھابھی اور میری امی کا پھر پور خیال رکھو گے۔“ میں نے کہا۔

”اکرم بھائی! آپ فکرمات کریں انشاء اللہ تعالیٰ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ بس آپ خیر



دخیریت سے دوہنی جائیں اور اپنے گھر کی طرف سے
 بے فکر ہو جائیں۔ "اکرم کے چہرے پر اطمینان تھا۔
 ☆☆☆
 اکرم کو دوہنی گئے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔
 بھابھی جان امید سے تھیں۔ جب یہ خبر اکرم نے سنی تو
 وہ خوشی سے پھولے نہ سٹایا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ اللہ پاک نے اکرم بھائی
 کو چاند سا بیٹا عطا کیا۔ اکرم کو بے حد خوشی تھی اور میں
 بھی بہت خوش تھا۔ اب ہم سب گھروالے اللہ تعالیٰ کا
 شکر یہ ادا کر رہے تھے۔

دو دن بعد بھابھی کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی اور
 ہم گھر آ گئے۔ اب ان کی ٹرینسٹ کی ذمہ داری میری

ہے۔ نئی کہانی لاہور 95 مارچ 2015ء

”جی کون.....؟“

”مہوش بول رہی ہوں جناب اختر صاحب۔“

آواز کچھ جانی پہچانی تھی بلکہ وہ آواز تو میری محبوبہ کی تھی۔ میرے دل کی ملکہ کی تھی۔ دل و جان پر اس کی حکومت تھی۔ آواز کیوں نہ پہچانتا۔ میں نے کہا۔

”مہوش جی بولیں کیسے یاد کیا اس ناچیز کو؟“ وہ کہنے لگی۔

”اختر جی میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ آج رات کو ضرور گھر آنا کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“ اور

یہ بتانے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ میں آج بہت خوش تھا مجھے میری سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور دن گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ رات کو میں نے کلینک بند کیا اور بھابھی کے گھر چلا آیا۔

بھابھی بھی میری اچھی دوست بن چکی تھیں۔ مہوش کا بیٹھکا یا کہ۔

”اوپر چھت پر آ جاؤ‘ میں چھت پر ہوں۔“ میں نے بھابھی سے اجازت لی اور چھت پر چلا گیا۔ وہ چاند چہرہ، معصوم چہرہ مسکراتا ہوا گھنی زلفوں میں چھپا ہوا..... بس کیا کہوں اور وہ منظر میری زندگی کے نہایت ہی قیمتی اور نایاب مناظر میں سے ایک تھا۔ وہ چھت پر کھڑی مسکراتی تھی اور مجھے دیکھ کر۔

”آگے اختر جی!“ میں نے کہا۔

”ہاں جی! آپ کا حکم اور یہ غلام حاضر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”نہیں، نہیں ایسا مت کہو میں نے آپ کو ایک بات کے لیے یہاں بلایا ہے۔“

”جی بولیں۔“ وہ کچھ شرمائی اور ایک طرف جا

تھی۔ میں بہت خوش تھا کہ میں چاچو بن گیا ہوں۔ یہ خبر سننے کے بعد بھابھی کے امی، ابو اور بہن کراچی سے آگئے۔ میرا ان کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اپنے بھتیجے محسن کو بھی دیکھ آتا اور ساتھ ہی بھابھی جان کو بھی چیک کر لیتا۔

بھابھی کے ابو، امی چند دنوں کے بعد واپس کراچی چلے گئے مگر بھابھی کی بہن ان کے پاس ہی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

جب سے وہ آئی تھی میں یہ بات نوٹ کر رہا تھا کہ وہ مجھے بلاتی نہیں تھی۔ جب میں کمرے میں جاتا تو وہ کمرے سے باہر چلی آتی۔ کافی نخرے والی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس سے پہلی نظر ہی پیار ہو گیا تھا۔ وہ بھی ہی چاند کا کلکا..... اک حسین پری..... گھنی زلفیں..... معصوم چہرہ..... نرم و نازک..... ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی دوسری دنیا سے آئی ہو۔ گھنی زلفوں میں چھپا ہوا چاند سا چہرہ، گلابی ہونٹ اور ہونٹوں پر بھی گلابی سی مسکراہٹ کیا بات ہے اس کی واہ..... مگر میں نے بھی ٹھان لی تھی کہ میں اس کا یہ غرور توڑ کر ہی رہوں گا۔ میں ہر روز نئی پینٹ شرٹ پہن کر بال بنا کر اور نئی سے نئی خوشبو لگا کر بھابھی کے گھر جانے لگا۔

ایک دن گزرا دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن یعنی اس نے مجھے نہ بلایا تو میں ناامید سا ہو گیا۔ مگر جب اللہ پاک کا حکم ہوتا تو ہمارا ملن ہوتا تھا۔

ایک شام میں اپنے کلینک پر بیٹھا اس پری چہرہ کے ہی بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک فون کی بل بجی..... غیر محفوظ نمبر تھا۔ اوکے کیا۔

کر بیٹھ گئی۔ مجھے بھی اشارہ کیا بیٹھنے کے لیے۔ میں بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کے معصوم چہرے کو دیکھنے لگا۔ چند لمبے خاموشی کے بعد وہ بولی۔

”مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں کیا تم بھی.....“ وہ یہ فقرہ ادھورا چھوڑ گئی۔ میں ہمت کر کے بولا۔

”مہوش جی! آپ اچھی تو مجھے لگتی ہیں مگر آپ تو مجھے بلاتی بھی نہیں ہیں؟ آپ! نے یہ کہہ کر بہت اچھا کیا۔ میں تو شاید بات نہ کہہ پاتا۔“ مگر وہ بولی۔

”آخر! اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مجھ سے پیار کرتے ہو۔“ میں نے کہا۔

”ہاں“ وہ بہت خوش ہوئی۔

دن گزرتے گئے راتوں کو اکثر فون پر باتیں ہوتیں..... کبھی کبھار ملاقات بھی ہو جاتی۔ وہ اپنی بہن کے پاس تین ماہ رہیں۔ ہماری محبت اتنی بڑھ چکی تھی کہ واپسی ناممکن تھی۔ تین ماہ بعد وہ کراچی چلی گئی۔ اس کے بعد صرف فون پر ہی بات ہوتی تھی۔

میں نے تعلیم چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کلینک بہت اچھا چل رہا تھا۔ ہمارا گزر بسر اچھا ہو رہا تھا۔ میں تو اس کے پیار میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ کہ ایک دن میں اپنے کلینک پر بیٹھا چند مریضوں کو چیک کر رہا تھا۔ اچانک فون کی بل بجی..... میں نے دیکھا تو کال مہوش کی تھی۔ میں نے کال اوکے کی اور کہا۔

”صرف پانچ منٹ کے بعد میں خود کال کروں گا۔ تھوڑی مصروفیت ہے ناراض مت ہونا۔“ وہ کہنے لگی۔

”ٹھیک ہے۔“ مریضوں سے فارغ ہو کر میں

نے مہوش کو کال کی تو اس نے کہا۔

”آخر اک وعدہ کرو کہ میں جو بات کہوں گی ضرور مانوں گے؟“ میں نے پوچھا۔

”مہوش بتاؤ بات کیا ہے.....؟ تم پریشان کیوں ہو.....؟ اچھا بتاؤ کیا بات ہے.....؟“ وہ کہنے لگی۔

”آخر جلدی سے تم مجھے اپنا بنا لو یعنی جتنی جلدی ہو سکے مجھ سے شادی کر لو۔ ہماری محبت کا بھابھی کو اور آنٹی کو پتہ چل چکا ہے۔“ میں یہ سن کر بہت پریشان ہوا اور کہا کہ۔

”آخر اتنی جلدی کیا ہے۔ شادی بھی ہو جائے گی۔“ وہ کہنے لگی۔

”مجھے نہیں پتہ بس جلدی سے شادی کر لو اور مجھے اپنا بنا لو۔“ میں نے کہا۔

”تم پریشان مت ہو۔ میں اپنی ای سے بات کرتا ہوں۔“

دن رات وہ مجھ سے یہی بات کرتی رہی..... میں بہت پریشان تھا کہ اب کیا کروں..... اس بات کو تقریباً ایک ماہ گزر گیا۔ جب میں نے ای سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ۔

”بیٹا! ابھی ہم اس حالت میں نہیں ہیں کہ شادی کر لیں۔ پہلے شادی کے لیے کچھ رقم تو بنا لو۔“ میں مزید پریشان ہو گیا۔ میں نے مہوش کو بہت سمجھایا کہ۔

”کچھ دیر انتظار کر لو ابھی ہم نے نیا گھر بنوا ہے اور شادی کے لیے اخراجات کا بھی بندوبست کرنا ہے۔“ لیکن وہ کہہ دیتی کہ۔

”اسی حالات میں گزارا کر لوں گی۔ بس تم مجھ

سے نکاح کر کے مجھے یہاں سے لے جاؤ۔“

اس بات کو لے کر ہم دونوں میں ایک دفعہ لڑائی بھی ہوئی اور اس نے اپنا نمبر بند کر دیا۔

دو تین دن مہوش کی کال نہیں آئی تو میں نے بھابھی سے پوچھا کہ۔

”کیا بات ہے مہوش ٹھیک تو ہے نا.....؟ اس کا کوئی فون وغیرہ آیا ہے؟“ بھابھی نے کہا۔

”پتہ نہیں..... میرا بھی کوئی اس سے رابطہ نہیں ہوا۔“

اس بات کو تقریباً 4 ماہ گزر گئے مہوش نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ میں بہت بے چین رہنے لگا۔ مجھے

اس کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ نہ گھر میں چین تھا اور نہ ہی کلینک میں سکون تھا۔ بس اس کی یاد ستائے جا رہی تھی۔

ایک دن میں نے کلینک بند کیا اور بھابھی کے پاس چلا گیا۔ ان کے گھر جا کر معلوم ہوا کہ وہ بھی

کراچی گئی ہوئی ہیں۔ اکرم کی امی نے بتایا کہ۔

”مہوش کی شادی ہو رہی ہے۔“ یہ بات سننے ہی میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

یہ کیا ہوا..... نا جانے اس کو کیا جلدی تھی۔ لیکن وہ مجھے بار بار کیوں کہہ رہی تھی کہ مجھ سے شادی کر لو..... مجھے یہاں سے لے جاؤ.....

اس کی یہ باتیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

تین چار دن بعد بھابھی واپس آ گئیں۔ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ۔

”مہوش کی شادی زبردستی کروائی گئی ہے۔“

مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ آنے آیا اور میں اس سب بات کا اپنے آپ کو قصور وار سمجھنے لگا۔ مجھے یہ بات

بالکل بھی ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ مجھ سے اتنا پیار کرنے والی آج کسی اور کی ہانہوں میں مزے سے سوتی ہے۔

میری حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے اس بات کا پچھتاوا ہو رہا تھا اور اپنی غلطی کا احساس

بھی۔ مجھے بھابھی کی زبانی پتہ چلا کہ اس کا خاوند کالے

کوڑے کی مانند ہے اور وہ چاند کی طرح روشن تھی۔ مجھے اپنے آپ پر بہت افسوس ہو رہا تھا کہ۔

”ہائے..... تو نے کیا کیا.....؟“ مجھے بھابھی ہی کی زبانی پتہ چلا کہ اس کے

ساتھ سسرال میں اچھا سلوک نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا خاوند بھی اچھا نہیں ہے۔ ساس بھی اس کے ساتھ برا

سلوک کرتی ہے۔ ☆☆☆

مہوش کی شادی کو ایک سال گزر چکا تھا۔ اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے کر اسے گھر سے باہر

نکال دیا۔ طلاق کے بعد وہ اپنی بہن یعنی اکرم کے گھر آئی اور یہاں پر اس نے ایک کم بخت بندر کے بیٹے کو

جنم دیا۔ مگر خدا کی مرضی وہ بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا اور مہوش کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ وہ زندگی اور موت

کے لڑ رہی تھی۔ بچے کی پیدائش کے 2 گھنٹے کے بعد مہوش کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ اس وقت میں

ہسپتال میں ہی تھا۔ میں نے ڈاکٹروں سے پوچھا کہ۔

”مہوش ٹھیک تو ہو جائے گی نا.....؟“

”اللہ کرے اس کو 2 گھنٹے بعد ہوش آ جائے تو“

اس کی جان بچ سکتی ہے۔“ اور 2 گھنٹے بعد مہوش کو ہوش آ گیا۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ ایک دن مزید ہسپتال میں رہنے کے بعد اس کو چھٹی مل گئی۔ ہم اس کو گھر لے آئے۔ میں اس کا گتہنگار تھا اور اس سے نظریں بھی ملا نہیں پا رہا تھا۔ مگر اس نے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ میں ہر روز اس کو پوچھنے جاتا۔ بہت ہی صبر کا کھونٹ پلی کر نہایت شرمندہ نظروں سے وہ مسکرا کر کہتی۔

”بابی! میرے ڈاکٹر صاحب آ گئے۔“

ایک دن مہوش کی اچانک حالت کافی خراب ہو گئی اس کو بار بار خون کی الٹیاں آرہی تھیں۔ وہ اسی دوران بے ہوش ہو گئی۔ میرے بس سے یہ کام باہر تھا۔ اس لیے میں نے اس کو ہسپتال لے جانے کا فیصلہ کیا۔ دوپہر کا وقت تھا اور رکشے کا نام و نشان دور دور تک نہیں تھا۔ مجھے کوئی اور گاڑی بھی نہ ملی تو میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ بھابھی اور امی بھی میرے ساتھ تھیں۔ جون کی گری اور اوپر سے مہوش کی پریشانی دل کو کھائے جا رہی تھی۔ میں اپنی سوچوں میں گم لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک سے آواز آئی۔

”اختر! ام..... میں۔“ میں نے فوراً مہوش کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اسے ہوش آ چکا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے کہا۔

”بولو..... بولو اب طبیعت کیسی ہے؟ بس ہسپتال نزدیک ہے ہم پہنچ گئے بس۔“ مہوش کے آخری الفاظ بس یہی تھے کہ۔

”اختر! میں..... میں..... اس کے آگے کچھ

بول نہیں پائی اور میری ہانہوں میں اس کی جان نکل گئی اور وہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اِنَّ اللہَ وَنَا رَبُّہٗ رَاحِمُوْنَ اس دن میں پہلی بار دل کھول کر رویا تھا۔ وہ تو مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ تو گہری اور ابدی نیند سو گئی تھی اور میری نیندیں بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ میری دنیا تو اجڑ چکی تھی مگر وہ کتنے اطمینان سے مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔

اب اس کے آگے لکھتے ہوئے میرا قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے میری آنکھیں آنسوؤں کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ میری آنکھوں سے آنسو برسات کی طرح چھم چھم برس رہے ہیں۔ سب قصور میرا ہی تھا۔ وہ تو موصوم تھی۔ میری حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کے غم سے میں مذہال ہو چکا تھا اور مجھے سخت بخار ہو گیا..... میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ تقریباً 3 گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آیا۔

اب اور کیا لکھوں میرے جذبات میرے خیالات اہل دل ضرور سمجھ جائیں گے۔ جن کو بیمار کی ٹھوکر لگی ہوگی۔

وہ اک چاند کا ٹکڑا تھی..... اک حسین غزل..... وہ بہت سی زبانوں پر عبور رکھتی تھی اور اپنا بیوٹی پارلر چلاتی تھی۔ اس کی تعلیم ایم ایس سی تھی۔ بس مقدر کی بات ہے کہ میں اس کی قدر نہ کر سکا۔ اس کے پیار کو اس کی مجبوری کو اپنے جذبات اور اس کے احساسات کو سمجھ نہ پایا۔ آج میں پچھتا رہا ہوں۔ مگر اب کیا فائدہ ”جب چیز یا چک گئیں کھیت“ گزرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔

☆☆

افسانہ زندگی کا

محمد بخش صابر لنگاہ

مکھے میں ملازمت کرتا تھا۔
میں اکثر کیا بلکہ زیادہ تر گھر سے باہر بلکہ دور در
جاتا تھا (ڈیوٹی کرتا تھا) اور بلا کا مکار دھوکے باز و
جھوٹا تھا۔ بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے جھوٹ
بولتا کہ شے والا اسے کبھی جھوٹ نہ کہتا بلکہ میری کہی
ہوئی ہر بات کو وہ سچ ہی مانتا..... میں نے اپنے آپ کو
کبھی بھی کسی کو اپنی اصلیت کہ میں جھوٹا ہوں
نہیں بتائی تھی بلکہ مجھ سے جو بھی ملتا میں اس سے اس
کی قومیت پہلے ہی پوچھ لیتا اور جب وہ مجھ سے میری
قومیت کے بارے میں سوال کرتا تو میں اسے وہی
قوم بتا دیتا جو اس شخص نے مجھے اپنی بتائی تھی اور جس
علاقے میں ہوتا اور اس میں پہلی دفعہ جو قوم ایک دفعہ
بتا چکا ہوتا اس پر قائم رہتا کہ کسی کی گرفت میں آکر

یہ زندگی کے پہلے یہ زندگی کے پہلے
دیکھو یہ گم نہ ہوں گے صابر مگر ہم نہ ہوں گے
یہ دنیا ایک میلہ ہے اس میں اچھے انسان بھی
آئے اور برے انسان بھی..... انہوں نے اچھے کام
کیے یا برے..... مگر ان کی یادیں ہمیشہ یاد رکھی جاتی
ہیں۔ جی ہاں یادیں رہتی ہیں۔ میں ایک تعلیم یافتہ بی
اے پاس کی سند رکھتا ہوں۔ پیاری ماں کی وفات
کے بعد جب والد صاحب نے ایک بیوہ سے نکاح کر
لیا تو میں نے انہیں چھوڑ دیا اور علیحدہ گھر خرید کر رہنے
لگا۔ میرے ماں باپ نے میرا نام محمد فیض رسول رکھا
اور قومیت کے لحاظ سے میرا تعلق جھوٹا ہوں اس قوم سے
تھا یعنی کہ میں ایک سچ قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ تعلیم
یافتہ ہونے کی وجہ سے میں صوبائی گورنمنٹ کے ایک



www.bookstube.net

جھوٹا نہ ہونا پڑے۔ حالانکہ بڑے بزرگوں کا کہنا ہے کہ۔

”جھوٹے کے منہ پر لعنت اور جھوٹ ایک گناہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ سچ کا بول بالا اور جھوٹے کا منہ کالا۔“ مگر میں ان سب باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتا تھا۔ میں پڑھا لکھا ہونے کے بلو جو دکتنا بڑا جاہل تھا۔ جو یہ بات تک نہیں جانتا تھا کہ حضرت سیدنا علیؓ جویری داتا صغیہ بخشؓ نے فرمایا کہ۔

”جھوٹ اور چغل خوری کرنے سے انسان اپنا رزق و روزی، علم و ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ لہذا اس سے بچو اور جھوٹ ہرگز نہ بولا کرو۔“

جب میرے پیارے ماں باپ نے میری شادی کی تو جو لڑکی میری بیوی بن کر میری زندگی میں آئی وہ مجھ سے بھی بڑی مکار جھوٹی اور چور ثابت ہوئی۔ نام تو اس کا حمیرا بانو تھا لیکن وہ اپنے آپ کو حمیرا چنا کہلا کر خوش ہوتی تھی۔ وہ ہر طرح کے گانے پنجابی ہوں یا اردو غزلیں ہوں یا مایے بڑے شوق سے اور بہت خوبصورت آواز دوسر نکال کر گاتی تھی۔ کہ سننے والا واہ واہ کراٹھے۔ آخر مراسیوں کی اولاد تھی۔

وہ یہاں پر رہ کر اکثر گھرانوں کی شادی بیاہ میں جا کر اپنی آواز کا جادو دیکھا کر مجھ سے بھی زیادہ نوٹ کما کر لے آتی۔ مگر ساتھ ساتھ چوری جھوٹ اور چغل خوری میں بھی وہ اول درجے کی حرافہ تھی۔ اگر کوئی اسے سمجھانے اور راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کر دیتا تو وہ جھگڑا کر دیتی کہ۔

”میں تو پہلے ہی راہ مستقیم پر چل رہی ہوں تم اپنے آپ کو ٹھیک کرو وغیرہ وغیرہ۔“

جھوٹ اور مکار تو میں بھی تھا مگر حمیرا چنا جو کہ میری بیوی بن کر میری زندگی میں شامل ہوئی تھی وہ اگر میں سیر تھا تو وہ میرے مقابلے میں ڈیڑھ سیر تھی۔ پوری شیطان اور ابن لوقت تھی یعنی کہ مطلب پرست۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دس سال گزر جانے کے باوجود ہم دونوں میاں بیوی بے اولاد تھے اور اس بات سے بھی سبق حاصل نہیں کر رہے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہمارے ہی اعمالوں کی وجہ سے نہالی جھولی رکھا گیا ہو یا رکھا جا رہا ہو۔۔۔۔۔

یہ ہماری شادی کو ہوئے ہوئے بارہواں سال تھا کہ کسی اللہ پاک کے پیارے بندے کی ہمارے حق میں کی گئی دعا کام کر گئی اور بارگاہ خداوندی نے جوش مارا اور ہم جڑواں بچوں جو کہ لڑکے تھے۔ جن کے ماں باپ بن گئے جن کے نام ہم نے محمد ارشد اور محمد ساجد رکھے اس کے تین سال بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ہم نے فضیلت بانو رکھا۔ اس طرح ہم تین بچوں کے ماں باپ بن گئے۔ زندگی کا سفر جاری رہا مگر ہماری کسی طرح بھی عادت نہ بدلی۔ پندرہ سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ اس وقت میں ساہیوال میں اپنی ملازمت کے دن گزار رہا تھا اور ہر ماہ دو تین دن کے لیے اپنے گھر راجن پور کم کوٹ مٹھن شریف جایا کرتا تھا۔

مگر اس دفعہ مجھے کوٹ مٹھن شریف سے نوکری پر آئے ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے اور اب یہ تیسرا مہینہ جا رہا تھا۔ بعض اہم سرکاری امور کی سرانجام دہی کی وجہ سے مجھے چھٹی مل نہ سکی تھی۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہے کہ۔

”نوکر کی جگہ لکھراکی۔“ آخر کار مجھے تیسرے مہینے کے آخری ہفتہ شروع ہو جانے سے پہلے چھ یوم کی چھٹی مل گئی۔ جو شروع میں اور آخر میں ہفتہ وار سرکاری چھٹیوں کو ملا کر آٹھ دن بن جاتے تھے اور پھر میں منظور شدہ چھٹیوں کے مطابق ساہیوال سے روانہ ہو کر براستہ ملتان ڈی جی خان راجن پور سے ہوتا ہوا اپنے گھر کوٹ مٹھن شریف عشاء کی اذان مؤذن مسجدوں میں دے رہا تھے پہنچا۔ میں نے گھر میں پہنچ کر سب کو سب سے پہلے سلام کیا جس کا مجھے بہت کمزور سا جواب دیا گیا۔ جس پر مجھے بہت سخت حیرانگی ہوئی اور میرے دل میں صدای ابھری کہ۔

”یا اللہ! خیر ہو میری محبوب بیوی تو میرے گھر میں آمد پر بہت خوش ہوا کرتی تھی اور چلک چلک کر ٹھٹھک ٹھٹھک کر میری باتوں کا جواب دیا کرتی تھی مگر آج تو اسے میری گھر میں آمد پر کوئی خاص خوش نہیں ہوئی کہیں میری گھر میں آمد سے پہلے وہ کسی سے لڑ تو نہیں چکی یا کوئی گھر میں آکر اس سے لڑ کر تو نہیں گیا۔“ اور پھر جب میں نے اپنا چہرہ اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ مجھے دکھی دکھی سی نظر آئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ روتی رہی ہو..... تو میں نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا کہ۔

”میری جان جمیری! خیر تو ہے مجھے تم کچھ پریشان اور اداس اداس ہی نظر آ رہی ہو.....؟ آخر میری غیر موجودگی میں ایسی کیا بات ہو گئی ہے جس کی وجہ سے تمہیں دکھ پہنچا ہے.....؟ اس کے بارے میں مجھے فوراً آگاہ کرو۔“ میری بات سن کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی تینوں بچے بھی رونے

لگے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان سب کو چپ کر دیا۔ مگر پھر بھی جمیرا چنانے رونا بند نہ کیا اور روتے روتے مجھے بتانے لگی کہ۔

”چوہدری سلیم احمد کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ ان کے صاحبزادے چوہدری سہیل کی شادی خانہ آبادی تھی میں ان کی خوشیوں کو دوباہالا کرنے کے لیے رسم حنا کی رات ان کے بلاوے پر ان کے گھر گئی اور جب میں رسم حنا کی خوشیوں کو اپنی آواز سے مہکا کر آگئی تو وہ میرے گھر میں واپسی کے کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہمارے گھر میں آئے اور مجھے پر ایک لاکھ روپے نقد کے علاوہ پانچ تالے سونے میں تیار کروایا گیا سیٹ جو انہوں نے دہن کے لیے تیار کروایا تھا چوری کا الزام مجھ پر لگا دیا کہ خاموشی سے یہ چیزیں واپس کر دوں ورنہ بات بڑھ جائے گی اور پھر تم لوگ پچھتاؤ گے۔ میں مانتی ہوں کہ جس کمرے سے پھر تم دزپور چوری ہوا ہے۔ میں اس کمرے میں گئی ضرور تھی مگر میں نے چوری نہیں کی اور اب آپ بھی آگئے ہیں خدا جانے وہ اب ہمارے ساتھ کیا کریں..... میں اسی وجہ سے دکھی بھی ہوں اور اداس بھی کہ ناحق میرے سر یہ الزام تھوپ دیا گیا۔“ اس کی بات سن کر میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا جب تم نے چوری نہیں کی تو پھر رونے اور ڈرنے کی بالکل ضرورت نہ ہے۔ میں سب سنبھال لوں گا۔“ اس کے بعد میں نے بڑی بے دلی سے کھانا کھایا چائے پی اور پھر کیونکہ سفر کرنے کی وجہ سے میں تھک چکا تھا۔ بیڈ پر لیٹ گیا اور جلد ہی مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا۔

کانٹیل کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور سخت حیران ہوا کہ صبح جبکہ صبح کے فوج چکے تھے کہ کسی کے بار بار زور زور سے دروازہ کھٹکھٹائے جانے پر میری آنکھ کھل گئی اور پھر میں جلدی سے اٹھ کر دروازے پر گیا اور دروازہ کھول کر جب میں نے باہر نظر ڈالی تو علاقے کے چوکیدار محمد اجمل کو کھڑا ہوا دیکھا اس نے مجھے دیکھ کر سلام کرتے ہوئے کہا کہ۔

”محمد فیض رسول! آؤ آؤ کرسی پر بیٹھ جاؤ۔“ اور میں ان کے پاس جا کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد ایک ملازم نے مجھے چائے کا ایک کپ لا کر دے دیا۔ جب میں نے چائے پی لی تو چیئر مین صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”فیض رسول! میں نے تمہاری عزت کا لحاظ کرتے ہوئے تمہاری بیوی کے خلاف چوری کا پرچہ پولیس اسٹیشن میں جا کر ابھی تک اندراج نہیں کروایا حالانکہ تمہانے دار صاحب جو کہ اب بھی اپنے غمیل سمیت یہاں میرے پاس موجود ہیں اور اسرار کر رہے ہیں کہ میں پرچہ کروادوں۔ رقم برآمد کروان میرا کام ہے۔ لیکن میں نے کہا کہ ابھی نہیں اور آپ ملازمت سے چھٹی پر گھر آ گئے ہیں آپ کو یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ خاموشی سے اپنی بیوی سے میرے گھر سے چوری کیا گیا ایک لاکھ روپے نقد اور سونے کا سیٹ واپس لا کر دے دو تو میں خاموش رہوں گا حالانکہ تمہاری بیوی کے بارے میں پہلے بھی چوری کی کافی شکایتیں مل چکی ہیں۔ مگر اسے حوالہ پولیس نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ میرے گھر چوری کرنے سے انکار

تھا کا ہارا ہوا میں سویا تھا اور ابھی تک سو رہا تھا جبکہ صبح کے فوج چکے تھے کہ کسی کے بار بار زور زور سے دروازہ کھٹکھٹائے جانے پر میری آنکھ کھل گئی اور پھر میں جلدی سے اٹھ کر دروازے پر گیا اور دروازہ کھول کر جب میں نے باہر نظر ڈالی تو علاقے کے چوکیدار محمد اجمل کو کھڑا ہوا دیکھا اس نے مجھے دیکھ کر سلام کرتے ہوئے کہا کہ۔

”جناب محمد فیض رسول صاحب! آپ کو جناب رضا خان بلوچ صاحب چیئر مین بلا رہے ہیں آپ میرے ساتھ چل کر ان کی بات سن لیں۔“ میں نے اس کی بات سن کر کہا کہ۔

”بھائی اجمل! میں بیٹھک کا دروازہ کھول رہا ہوں آپ اس میں تشریف رکھیں اور ایک کپ چائے پی لیں اتنی دیر میں میں تیار ہو کر آتا ہوں اور پھر تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ اندر جا کر میں نے حمیرا چنا کو محمد اجمل کو چائے وغیرہ پلانے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور اس کے بعد باورچی خانے میں جا کر حمیرا چنا کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں بیٹھک میں آیا اور پھر محمد اجمل کے ساتھ چیئر مین صاحب کے بلاوے پر اس کے ساتھ چل پڑا۔ میں سارے راستے دل میں یہی دعا کرتا رہا کہ۔

”یا اللہ! خیر ہو۔۔۔ یہ جناب چیئر مین صاحب نے مجھے کس لیے بلایا ہے؟“

جب میں اور محمد اجمل چیئر مین صاحب کے ڈیرے پر پہنچ گئے تو میں نے چیئر مین صاحب کے پاس علاقے کے انچارج ایس ایچ اے حوالدار اور دو

کرتی ہے تو پھر میں تمہارے سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے تم کو یہ رعایت دیتا ہوں کہ مجھے اپنی بیوی کی طرف سے صفائی و دھول اٹھا کر دو کہ اس نے میرے گھر سے یہ چوری نہیں کی۔ اس کے لیے تمہیں دو دن کا وقت دیا جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی تم نے یا تمہاری بیوی نے لا پرواہی کا ثبوت دیا تو میں اس چوری کا جو میرے گھر سے کی گئی ہے کا پولیس اسٹیشن میں پرچہ کنوادوں گا پھر مجھے الزام نہ دینا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اب تم گھر جا سکتے ہو۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی میں وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سب کو سلام کرنے کے بعد اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے میرے دل میں کس کی بھی ہوئی یہ بات یاد آگئی۔ اس نے کیا خوب کہا تھا کہ۔
 ”اس دنیا میں کوئی بھی کسی کا نہیں۔ سب ہی مطلب کے دیوانے ہیں یا۔ بس دنیا مطلب دی اے یا۔“ یہ سوچ کیا دل میں آئی کہ فوری طور پر میری زبان سے نکلا کہ۔
 ”حمیرا چنا میں نے کیا تھا تم سے بچے دل سے پیار اور تیری گندی عادتوں نے کر دیا مجھے ذلیل و خوار اور اب میں کیا کروں..... کیا کروں..... کس کو سناؤں جا کر افسانہ زندگی کا..... غم سے بھرا ہوا ہے پیمانہ زندگی کا۔“ اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں سوچا کہ۔

چھوڑ دے اور وہ وعدہ اور جھوٹی قسمیں کھانے کے باوجود نہ چھوڑ سکی اور آج تک اس پر قائم ہے۔ یہ تو اللہ پاک! کا شکر ہے کہ جیسر مین صاحب نے ابھی تک رپورٹ درج نہیں کروائی ورنہ حمیرا چنا تم حوالات میں بند ہوتی اور میں اس سے محبت ہو جانے کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔ طلاق نہیں دے سکتا..... اور میری ہر ضرورت پوری کرنے والا بہت زیادہ پیار کرنے والا میرا باپ تھا۔ حق نواز رحمۃ جو میری پیاری ماں فریدہ خانم کی وفات کے دوسرے سال ہی ساجدہ خانم جو کہ ایک بیوہ عورت اور بے اولاد بھی تھی سے جب نکاح کر کے اسے گھر لے آئے۔ حالانکہ انہوں نے اپنا گھر آباد کرنے کے ساتھ ساتھ نیکی بھی کی تھی کہ ایک بے آسرا عورت کا سہارا بنے تھے۔ مگر میں نے اس عورت کو کہ میری سوتیلی ماں بن کر میرے باپ کے ساتھ آئی تھی کی وجہ سے اپنے پیار کرنے والے باپ اور اس گھر کو جہاں پر میں پیدا ہوا تھا کو چھوڑ دیا۔ پھر اپنے لیے دوسرا گھر خرید کر اس میں رہنے لگا۔ جھوٹا مکار فرادیا اور دھوکے باز تو میں بھی تھا مگر چور نہ تھا مگر حمیرا چنا کے اس فن سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا تھا کہ وہ ماہر قسم کی چور ہے مگر میں خود بھی اس کی محبت میں ایسا کم ہو چکا تھا کہ خاموش رہتا اور اب تو حرام اور حلال کی تیز کو بھی بھول چکا تھا۔ انہی خیالات میں غم ہو کر کھوکھو میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا آخر کار گھر پہنچ گیا۔

گھر میں پہنچ کر میں نے حمیرا چنا کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیا اور پھر اسے جیسر مین صاحب کے ڈیرے پر ہونے والی سراری باتوں سے آگاہ کر۔ تہہ ہوئے کہا

”حمیرا چنا کی ہر بری بات و حرکت اور چوری کی بھرپور عادت جس کو میں نے کافی مرتبہ کہا کہ وہ

گھرانے خواہ ان کا تعلق کسی بھی خاندان سے ہو وہ تو ان کی تعریف کرتے ہیں۔ تمہیں ان سے کیا شکایت ہے۔ ان کی طرف سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے۔ مجھے بھی ذرا اس سے آگاہ کرو.....؟“ اور پھر خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

میرے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا کہ۔
 ”میں مانتی ہوں کہ میں ہر طرح کی برائی کا کام کر جاتی ہوں لیکن اللہ پاک! ہی بہتر جانتا ہے کہ میں لاکھ شیطان کی شاگرد سہی مگر میں نے آج تک تمہاری امانت میں خیانت نہیں کی اور اپنی عزت و آبرو کی جان سے بھی قربان نہ ہو۔ حفاظت کی ہے اور کسی کے آگے آج تک نہیں گری اور نہ ہی مجھے کوئی گرا سکا ہے مگر اس چیز میں کا چھوٹا بھائی ہاتھ دھو کر میری عزت و آبرو سے کھیل کر میرا منہ کالا کرنا چاہتا ہے وہ کئی دفعہ مجھے راستے میں آتے جاتے روک کر اپنی گندی خواہش کا اظہار کر کے بے عزت کر چکا ہے۔ مگر پھر بھی اپنی گندی خواہش کا اظہار کرنے سے نہیں روکا بلکہ ہماری ہی قوم کی ایک فاحشہ و ذلیل دلالہ شبنم عرف شہو جہتی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے کہ وہ کسی طرح مجھے ورغلا کر اس کی گندی خواہش کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہو اور اس کمینے نے مجھے کئی طرح کے مزہ بازو دکھائے..... مگر وہ تو مجھے گندا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی بلکہ میں نے اس کی خوب اچھی طرح دھلائی کر دی۔ مگر میں نے شرم کی وجہ سے آپ کو کچھ نہیں بتلایا۔ مگر آج مجبور ہو کر بتلا رہی ہوں کیونکہ چوری تو میں نے چوہدری سلیم احمد کے گھر میں کی کیونکہ اس کا بیٹا سمیل بھی حفیظ خان کا دوست ہے اور اس کا شادی کو خراب کر دینے

کہ۔
 ”اس چوری کی بات پولیس تک پہنچ چکی ہے اور مال کو ہضم کر جانا ہمارے لیے بہت ہی مشکل ہوگا۔ اب کیا کیا جائے چیئر مین کو کس طرح خاموش کیا جائے ورنہ تیری گرفتاری ہو جائے گی۔“ میری ساری بات سن لینے کے بعد حمیرا چنانے جواب دیا۔
 ”اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں فیض صاحب! میں نے جو کچھ آج تک کیا وہ بھی قابل گرفت تھا اور میں گرفت میں نہ آئی اور چوری کیا گیا مال ہضم کر گئے..... ڈکار تک نہ مارا اور نہ ہی کسی کو سامان واپس کیا۔ جو یہ سامان چیئر مین کو واپس کر دیا جائے۔ فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے کہ حرام کھانے والا کبھی حلال نہیں کھا سکتا اور حرام کھانے والا کبھی حلال نہیں کھا سکتا۔ جب سارے کام ہی ہمارے حرامیوں جیسے ہیں اور ہم نے شیطان کی شاگردی اختیار کی ہوئی ہے تو جانتے بوجھتے ہوئے چھوٹی قسم یا حلف اٹھا کر دینے میں بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ کل جا کر چیئر مین کو اطلاع کر دو کہ میں حلف دینے کے لیے تیار ہوں کہ میری بیوی نے چوری نہیں کی اور وہ بے گناہ ہے اس پر لگایا جائے والا الزام اس کے سر پر سراسر ظلم ہے۔ اسی میں میری عزت رہ جاتی ہے اور جیسے وہ کہیںے لوگ ہیں تو اگر میں نے ان کو لوٹ لیا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کی اور نہ ہی ہمیں اس حلف اٹھا کر دینے پر اللہ پاک کی بارگاہ سے کوئی سزا ملے گی۔“ اتنا کچھ کہنے کے بعد جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے سوال کر دیا کہ۔
 ”تم جہیز مین کو کمبند کہہ رہی ہو۔ مگر س۔“

خاموش ہو گیا۔ میرے خاموش ہوتے ہی چیئر مین نے کہا کہ۔

”فیض رسول! آج پیر کا دن ہے آپ نے جمعہ کے دن جامع مسجد میں حلف اٹھانا ہوگا۔ میری طرف سے پھر بھی تمہیں اجازت ہے کہ اگر تم اپنی بیوی سے چوری شدہ رقم اور زیور اگر خود کو گناہگار سمجھتے ہوئے واپس دینے کے لیے تیار ہو جاؤ تو مجھے لا کر دے دینا۔ میں اس بات کا کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گا اور گمشدہ سامان کی برآمدگی چوہدری صاحب کے گھر پر ہی ڈال دوں گا کیونکہ قسم دینا یا حلف اٹھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“ اس کی یہ بات سن کر میں اس کے ڈیرے سے واپس اپنے گھر آ گیا۔ مجھے یہ تو پتہ تھا کہ یہ چوری میری بیوی ہی نے کی ہے اور میں جھوٹی قسم جھوٹا حلف اٹھا کر دینے والا ہوں۔

پھر جمعہ کا دن بھی آ گیا۔ جامع مسجد میں اعلان کر دیا گیا کہ تمام حضرات جامع مسجد میں حاضر ہوں کیونکہ از جمعہ کے فوری بعد فیض رسول نے حلف اٹھا کر دینا ہے کہ اس کی بیوی بے گناہ ہے چور نہیں اور اس نے چوہدری سلیم احمد کے گھر سے کسی بھی قسم کی چوری نہیں کی۔“

☆☆☆

سارے گا پادے نیسا سارے گا پاپا پاپا کرنے والے تھا تھا تھا تھیا تھیا پر قص کی محفل جمانے والے ایک جھٹہ مرا سی حق نواز جو کہ کسی سے منت ساجت کر کے جب ادھار میں رقم حاصل کر کے گھر کا چولہا جلا لیا کرتا تھا اور بعض اوقات چولہا بھی نہیں جلاتا تھا اور رقم واپس کرنا بھول جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ

کی کوشش بھی میرے لیے ایک نئی کا کام تھا۔ مگر وہ چوہدری خود تو خاموش رہا اور اپنی چوری جو اس کے گھر میں کی گئی تھی کے سامان و دولت کی بازیابی کا سارا کام چیئر مین کے سپرد کر دیا۔ اس کی وجہ سے حفیظ خان شیر ہو گیا اور شبنم شہو جھتی حالانکہ وہ حرافہ مجھ سے اچھی خاصی بے عزت ہو چکی تھی یہ سندیر میری طرف بھیجا کہ میں اس کی بات مان جاؤں تو یہ الزام ختم کر دیا جائے گا اور وہ یہ سندیر لے کر میرے پاس آ گئی اور ایک بار پھر بے عزت ہوئی۔ تو میری فیض صاحب ایسے ذلیل لوگوں کی چوری کرنا اور نقصان پہنچانا کوئی بری بات نہیں اور ان کے لگائے گئے الزام خواہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو پر جھوٹا حلف اٹھا کر دینے سے ہمیں کوئی بھی سزا یا نقصان نہیں ہوگا۔“ یہ ساری بات کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی ساری باتیں سن کر مجھے سخت غصہ آیا اور ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا کہ یہ لوگ جنہیں میں با عزت لوگ سمجھتا تھا کیسے چپے رستم ثابت ہوئے ہیں۔ پھر میں نے جھوٹی قسم یا حلف اٹھا کر دینے کی نیت کر لی۔

دوسرے دن میں نے چیئر مین کو اس کے ڈیرے پر جا کر اس بات سے آگاہ کر دیا کہ میری بیوی بے گناہ ہے۔ اس نے چوہدری سلیم احمد کے گھر سے کسی بھی قسم کی کوئی چوری نہیں کی ہے اور نہ ہی وہ چور ہے۔ آپ جس طرح کی چاہیں اور جس جگہ پر چاہیں اس کی طرف سے مجھ سے حلفا صفائی لے سکتے ہیں۔ میں اپنی بیوی کے سلسلے صفائی دینے حلف اٹھانے کے لیے تیار ہوں کہ وہ بے گناہ ہے اور اس پر لگایا جانے والا ”اسمہ اسر جھوٹ“ بے بنیاد وار لظہم ہے۔“ پھر میں

کئی مرتبہ بے عزت بھی ہوا۔ وہ خود خوش رہا یا دکھ اٹھائے مگر مجھے اعلیٰ تعلیم دلوائی اور میں ملازم ہو گیا۔ میں جھوٹا ذلیل فراڈ یا اور دھوکے باز تو تھا مگر سیرابانو عرف سیری مران کی خوبصورت گائیکہ بیٹی حیرا چتا کو دیکھ کر اس پر اس طرح عاشق و فدا ہوا کہ ہزار ہاں جتن کرنے کے بعد اسے اپنی بیوی بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے میں نے شادی کیا کی کہ وہ ایک طرح سے ملکہ عالیہ بن گئی اور میں اس کا غلام بن گیا یعنی کہ ان مرید اور پھر باپ سے علیحدہ ہو گیا کہ اس نے ایک بیوہ سے نکاح کیوں کر لیا اور اسے ناراض کر دیا۔ اس کا جب دل ٹوٹ گیا تو اس دل سے بد دعائیں نکلتیں اور آج میں جھوٹا ہونے کے باوجود حلف

دینے کے لیے جامع مسجد کی طرف جا رہا تھا اور یہ باری باتیں میرے دل و دماغ میں آرہی تھیں مگر میں راہ مستقیم پر چلنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا اور آخر کار اس جامع مسجد میں پہنچ گیا۔

نماز جمعہ مولانا صاحب نے پڑھائی اور جھوٹی تم اٹھا کر دینے والوں کے لیے بارگاہ خداوندی سے ملنے والی بہت سی سزاؤں کا ذکر کیا لیکن میرے دل میں ان کی باتیں سن کر کسی قسم کا کوئی خوف پیدا نہ ہوا۔ پھر نماز جمعہ پڑھ لی گئی۔ مولانا صاحب نے دعا پڑھی اس طرح نماز جمعہ و دعا کا اختتام ہوا۔ اب حلف اٹھا کر دینے کی باری میری طرف سے آئی والی تھی۔ دعا کے فوراً بعد چوہدری سلیم احمد نے آکر بولنا شروع کیا کہ۔

”میرے عزیز فیض رسول! میں اب بھی آپ کو کہتا ہوں کہ جھوٹی قسم نہ اٹھاؤ یہ اللہ پاک! کا گھر ہے

اور اس کی طرف سے اتارا ہوا یہ قرآن پاک ہے اور اس نے فیصلہ کرتے ہوئے دیر نہیں لگائی اور جب اس پاک کتاب کی طرف سے فیصلہ ہوگا تو تم بہت ہچکچاؤ گے۔ پھر وقت گزر چکا ہوگا وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا اور ساتھ ہی میں آپ کو آگاہ کر دوں کہ میں نے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک حرام روزی رزق کو ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف حلال روزی رزق کمایا ہے اور میرا ایمان ہے کہ میری حلال کی کمائی کسی بھی طرح رائیگاں نہیں جائے گی۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ سچ کا بول بالا ہے اور جھوٹے کا منہ کالا ہے۔“ جس پر میں نے کہا کہ۔

”میری بیوی بے گناہ ہے جس کی صفائی کے لیے میں حلف دے کے لیے آیا ہوں۔ آپ بار بار اسے الزام کی لپیٹ میں لے کر آرہے ہیں یہ اس کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے۔“ اس کے بعد چوہدری سلیم احمد نے مولانا صاحب سے کہا کہ۔

”میاں صاحب! آپ اب ایسا قرآن مجید اٹھا کر لے آئیں جو ہر وقت دن ہو یا رات پڑھا جاتا ہو تاکہ وہ سچ اور جھوٹ کا فوراً سے پہلے فیصلہ دے سکے۔“ مولانا صاحب ایک ایسا ہی قرآن مجید اٹھا کر لے آئے۔ جو تین چار روز کے بعد ضرور پڑھا جاتا تھا اور پھر مجھ جیسے شیطان صفت انسان نے اسی کلام پاک کو اٹھا کر جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ۔

”میری بیوی چور نہیں ہے۔ اس نے چوہدری سلیم احمد کے گھر کوئی چوری نہیں کی ہے اور نہ ہی وہ چور ہے۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں یا جھوٹا حلف دے رہا ہوں تو میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار

ہوں۔“ اس طرح یہ حلف اٹھائے جانے کی تقریب ختم ہو گئی اور پھر میں مسجد سے باہر نکل کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر میں پہنچ کر میں نے اپنے ساتھ مسجد میں ہونے والے تمام حالات اور باتوں سے حمیرا چنا کو آگاہ کیا۔ اس سے کہا کہ۔

”میں تمہاری عزت کی خاطر کیونکہ تم سے مجھے بہت محبت ہے جھوٹا حلف اٹھا کر دے آیا ہوں۔“ اس کے بعد دو دن تک میں اپنے گھر میں رہا اور پھر تیسرے دن گھر سے روانہ ہو کر ساہیوال آ گیا۔

☆☆☆

جھوٹی قسم کھائے ہوئے مجھے آج پانچ دن ہو چکے تھے۔ یہ پیار و محبت تھی عشق والا روگ تھا جس کا پالن کرنے کے لیے جبکہ مجھے پتہ تھا کہ میری بیوی جسے میں اپنی جان سے بھی زیادہ پیار کرتا تھا جسے عشق بھی کہا جاسکتا ہے۔ حمیرا چنا جسے میں پیار سے حمیری کہتا تھا مگر اسے جھوٹی ہے چور ہے اور اس نے چوہدری سلیم احمد کے گھر میں چوری کی ہے اسے نقصان پہنچایا ہے۔ سب کچھ جانتے بولتے ہوئے بھی میں نے اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے جھوٹی قسم کھائی..... جبکہ وہ بے گناہ نہیں تھی بلکہ گناہگار تھی اور آج میرا دل گھبرا رہا تھا سارے جسم میں خوف کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی اور میں بے سکون ہو چکا تھا۔ میرے دل میں یہ ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ جیسے آج کچھ ہونے والا ہے۔

دفتری کاموں میں بھی میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ پھر تقریباً بارہ بجے کے قریب میرے افسر اعلیٰ نے مجھے اپنے نائب قاصد کے ذریعے اپنے آفس

میں بلایا اور مجھے کہا کہ۔

”مسٹر فیض رسول! جب سے تم آئے ہو مجھے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نظر نہیں آ رہی ہے تمہاری کارکردگی کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں ایک ماہ کی چھٹی دے دی جائے۔ آج کل ویسے بھی دفتر میں کوئی خاص کام نہیں ہے۔ باقی میں خود ہی دفتر کے نظام کو سنبھال لوں گا۔ تم ایک ماہ چھٹی کی درخواست مجھے لکھ کر لا دو اپنی تمام ذمہ داری کا چارج راؤ کلکیل کو دے دو اور ساتھ ہی اس ماہ کی تنخواہ کی رسید مجھے لکھ کر لا دو تاکہ میں تمہیں اس ماہ کی تنخواہ اپنی جیب میں سے ایڈوانس دے دوں۔“

میرے آفیسر (چوہدری نوید احمد صاحب) جو کہ ایک سخت مزاج قسم کے آفیسر تھے کا آج میرے ساتھ رحمدلانہ رویہ مجھے حیرت میں ڈال گیا کہ یہ آج میرے ساتھ ان کا رحمدلانہ سلوک میری کس کارکردگی یا نیکی کا انعام ہے جو بغیر مانگے مجھے مل رہا ہے۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق عمل کیا اور پھر دفتر سے فارغ ہو کر بس اسٹینڈ پر آیا۔ فوری طور پر مجھے گاڑی مل گئی۔ تقریباً رات کے گیارہ بجے کوٹ مٹھن شریف پہنچ کر بس سے نیچے اتر کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو گھر سے رونے پینے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میرا دل آوازوں کو سن کر دل بیٹھ گیا اور میری زبان سے نکلا کہ۔

”یا اللہ! خیر ہو۔“ پھر میں اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ میرا گھر بھسایوں اور رشتہ داروں سے بھرا ہوا ہے اور ان سب میں میرے والد صاحب میری سوتیلی والدہ صاحبہ اور ان کی اولاد

بھی شامل ہیں۔ مجھے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ کر رونے پڑنے اور بین کرنے کا اثر دھام مچ گیا اور ساتھ ہی مجھ پر لعنتوں کی بوچھاڑ ہو گئی اور میرے والد صاحب نے مجھے گالیاں دیتے ہوئے کہا کہ۔

”او کیسے ظالم و منافق انسان! تیری جھوٹی قسم نے میری نسل کو ہی ختم کر دیا۔ میرے دو جوان پوتے تیری جھوٹی قسم کی بنیٹ چڑھ کر حرام موت مر گئے اور نیری وہ حرافہ حرام زادتی بیوی اس جان لیوا صدمے کی وجہ سے پاگل ہو گئی ہے۔“ میرے والد صاحب اس صدمے کی وجہ سے بھول گئے تھے کہ ان کی دو اولادیں اور دوسری بیوی سے بھی ہیں اور ان کی نسل ختم نہیں ہوئی ہے۔ میں ان کا پہلو مٹھی کا بیٹا تھا حالانکہ میں نالائق و بے ادب تھا مگر تھا تو ان کا بیٹا اور وہ میرے دکھ کو برداشت نہ کر سکے اور میرے وارث بن کر میرے گھر آ گئے۔ جس کو سوتیلی ماں سمجھ کر میں نے اس سے دوری اختیار کر لی تھی وہ میری حقیقی ماں کی طرح میرے گھر میں آئی تھی اور میری بیٹی کو سنبھالنے ہوئے تھی۔ میری بیوی کو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ میرے دونوں بیٹوں کی ممتیں گھر میں لاکر رکھی جا چکی تھیں۔ میرے دفتر بڈر بعد فون اطلاع کر دی گئی تھی کہ میرے ساتھ کیا کچھ بیت چکا ہے۔ میرے آفسر نے کتنی ہوشیاری سے مجھے کچھ بتائے بغیر اور تنخواہ کی رقم دے کر وہاں سے گھر کے لیے روانہ کر دیا تھا۔

یہ سب کچھ میرے کرموں کا پھل تھا جو مجھے مل چکا تھا۔ اس کے بعد والد صاحب نے مجھے میرے بیٹوں کی بے وقت داجانک ہونے والی موت کے بارے میں بتایا کہ۔

”دونوں بچے صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد اپنی سائیکل اٹھا کر گھر سے نکلے تاکہ وہ وقت پر سکول پہنچ جائیں۔ وہ بہت آرام آرام سے سائیکل چلاتے ہوئے سکول کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک محمد ارشد کا مظہر اس کے کندھے سے گر کر سائیکل کے چین میں پھنس گیا اور وہ دونوں سائیکل سمیت سڑک پر گر پڑے۔ سامنے سے آنے والا ٹریکٹر کا ڈرائیور اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور ٹریکٹر کو بریک لگاتے لگاتے ان دونوں کے اوپر سے گزر گیا۔ دونوں بچے ٹریکٹر کے پچھلے پہیوں کے نیچے آ جانے کی وجہ سے موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ ڈرائیور ٹریکٹر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جب یہ خبر تمہاری بیوی کو ملی تو اس نے ایک زرد دار پتلی ماری اور ہوش و ہواس سے ریگانہ ہو گئی۔ یعنی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی پاگل ہو گئی۔ جب اس حادثے کی خبر مجھے دی گئی تو میں نے پولیس کے تمام آفیسر کو مل کر وائے اور ڈاکٹری رپورٹ و پوسٹ مارٹم کے بعد لاشیں گھر لے آئیں۔ اس سارے کام میں چوہدری سلیم احمد اور چیئر مین رضا بلوچ نے بھی میرا ساتھ دیا۔ چوہدری سلیم احمد نے مجھ سے کہا کہ میں نے فیض رسول کو روکا تھا کہ وہ جھوٹی قسم نہ کھائے لیکن وہ بد بخت میری بات نہ مانا جس کی سزا ملنا اس کے مقدر میں تھی اور وہ اس کو مل گئی۔“ اتنی بات کرنے اور مجھے گالیاں دینے کے بعد والد صاحب خاموش ہو گئے۔

اس طرح باتوں اور روتے پڑتے ہوئے رات گزر گئی۔ دن ہوا تو دونوں بچوں کو غسل دینے کے بعد کفن پہنایا گیا۔ اس کے بعد نماز جنازہ ہوا پھر انہیں قبرستان میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا گیا۔ میں بالکل

حاصل کریں اور میرے جیسے انسان کی کی گئی غلطی کی طرح وہ بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کریں۔

میری بیوی کی موت کا سن کر میرے آفسر نے میری رخصت میں ایک ماہ کا اور اضافہ کر دیا۔ میرے دفتر کے سب افراد نے بھی میرے گھر آ کر مجھ سے افسوس کیا اور مجھے صبر کرنے کی تلقین کی۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ۔

”رونے والے ذرا بتا دے مجھے تو کسے یاد کر کے روتا ہے؟“ تو جناب میں اپنی کا تا ہیوں کو جھوٹی قسم کو دو بیٹوں کی اور پیاری بیوی کی موت کو یاد کر کے روتا ہوں اور اب رونا میرا مقدر بن چکا ہے۔ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے پاس اب میں رہتا ہوں۔ میری شادی کی بڑی کوشش کی گئی کہ میں دوسری شادی کر لوں لیکن میں نے انکار کر دیا کہ۔ ”اب میں شادی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مجھ میں ایک اچھے باپ ہونے کے اوصاف نہیں ہیں۔“

اب میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہو چکا ہوں مگر جو زخم میں نے خود آپ ہی اپنے آپ کو لگایا وہ میں بھول نہیں پا رہا اور اکثر بیمار رہتا ہوں۔ میری آپ سب سے استدعا ہے کہ آپ میرے حق میں دعا کریں کہ اللہ پاک! مجھے سکون کی دولت عطا فرما دے۔ میں جب تک زندہ ہوں یا رہوں گا معافی کا طلب گار رہوں گا۔ یہ ہے میری زندگی کا ایک دکھ بھرا افسانہ زندگی کا جی۔ اس پر اپنی قیمتی آرا سے ضرور نواز دیجئے گا۔ طالب دعا رہوں گا ایک بد نصیب.....؟

☆☆

نوٹ کر رہ گیا تھا۔

ٹریکٹر ڈرائیور کو پولیس والوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ مگر میں نے تھانے میں جا کر یہ بیان دیا کہ۔

”میں اپنے بچوں کا خون معاف کرتا ہوں یہ مجھے اپنے ہی کرموں کا پھل ملا ہے۔“

تھانے دار نے میرا بیان علاقہ مجسٹریٹ کے پاس جمع کروانے کے بعد ٹریکٹر ڈرائیور کو چھوڑ دیا۔

تقدیر کے بھی کھیل نرالے ہوتے ہیں کسی نے کیا جج ہی کہا ہے۔

”کر کر مگر خدا سے بھی ڈر۔“ ہم دونوں میاں بیوی کی طرف سے بہت ساری غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی تھیں جس پر ہم خوش ہوئے تھے مگر اب سزا کا وقت شروع ہو گیا تھا۔ ابھی بچوں کی موت کو مشکل سے پندرہ دن ہی ہوئے تھے کہ میری پیاری بیوی جسے علاج کے لیے ہسپتال کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں رکھا گیا تھا نے موقع پا تے ہی تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ وہ بھی حرام موت مر گئی۔

میری جھوٹی قسم اٹھانے کی مجھے بہت بڑی سزائیں مل چکی تھیں۔ اگر میں انسان ہوں تو آگے چل کر میں پھر کبھی نہ ہی تو جھوٹ بولوں گا اور نہ ہی جھوٹی قسم اٹھاؤں گا۔ کیونکہ مجھے بہت بڑا سبق مل چکا تھا۔ اب تو میری دلی دعا تھی کہ۔

”پیارے رب العالمین! مجھے معاف فرما دے اور راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے۔“

میری یہ بھی دعا تھی کہ میری سزا جو مجھے اللہ پاک! کی بارگاہ سے ملی تھی کو دیکھ کر سب بہن بھائی سبق



سُلطانُ البندِ غوثُ المشائخِ حبیب اللہ خواجہ معین الدین معین چشتی اشعری

سچے پرنس بابر علی

اور میرا القاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک رشتے سے حضرت غوث پاکؒ کے ماسوں ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی والدہ کا بیان ہے کہ۔

”جس وقت میرا نورِ نظرِ حق جگر میرے شکم میں آیا تو میرا سارا گھر خیر و برکت سے منور ہو گیا۔ ہمارے دشمن بھی ہم سے شفقت و محبت سے پیش آنے لگے اور بھی کبھی مجھے بہترین خواب نظر آتے اور جس وقت سے میرے خدا نے آپؒ کے جسم اطہر میں جان ڈالی تو اس وقت سے معمول ہو گیا تھا کہ آدھی رات سے صبح تک میرے شکم سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی تھی اور میں اس مبارک آواز میں گم ہو جایا کرتی تھی اور جب آپؒ کی ولادت ہوئی تو میرا گھر نور سے بھر گیا۔“

حضرت خواجہ معین الدینؒ نے 6 سے 5 سال کی عمر سے 13 سال کی عمر تک اپنی ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی کیونکہ آپؒ کے والد حضرت غیاث الدینؒ ایک بڑے جید عالم تھے۔ آپؒ نے 9 سال کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ فرمایا۔ پھر اس کے بعد سحر

سُلطانُ البندِ غوثُ المشائخِ حبیب اللہ
عطاءے رسولؐ قطب العارفینؒ نائب رسولؐ خواجہ خواجگانؒ سرکار خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین حسن چشتی اجیریؒ 14 رجب 537 ہجری خراسان میں پیدا ہوئے۔ سحر قدحار سے پورب کی جانب 24 گھنٹے کے فاصلے پر واقع یہ گاؤں اب تک موجود ہے۔ اس گاؤں کو چچان بھی کہتے ہیں۔ آپ خواجہ کے والد ماجد حضرت خواجہ غیاث الدین عالم فاضل ولی کامل اور مشائخ حراسان میں نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت و ثروت تھے اور آپؒ کی والدہ ماجدہ بی بی ام الودع المعروف بی بی ماہ نورؒ بھی نہایت نیک بخت پارسا اور عالی ہمت خاتون تھیں۔

حضرت معین الدین چشتیؒ صحیح المنسب حسینی سید ہیں۔ آپؒ کا سلسلہ پداری تیرہ واسطوں سے اور سلسلہ مادری بارہ واسطوں سے حضرت علیؑ سے ملتا ہے۔

مسالک السالکین سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ اور سیدنا حضرت غوث اعظمؒ آپس میں خال زاد بھائی ہیں



کے ایک کتب میں داخلہ لیا۔ آپؐ نے یہاں سے ابتدائی طور سے تفسیر فقہ اور حدیث کی تعلیم پائی اور تھوڑے ہی عرصے میں آپؐ نے تمام علوم میں مہارت حاصل کر لی۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ بچپن ہی میں اپنے والد کے سائے سے محروم ہو گئے یعنی آپؐ کی عمر 15 سال بھی نہ ہوئی تھی کہ آپؐ کے والد کا ماہ شعبان

544 ہجری میں وصال ہو گیا۔ والد کے ترکہ میں آپؐ کو ایک پن چکی اور ایک باغ ملا۔ ان دونوں چیزوں کی آمدنی سے آپؐ گزر اوقات فرماتے تھے۔

ایک دن آپؐ اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک مجذوب حضرت ابراہیم قدوزیؒ باغ میں تشریف لائے۔ آپؐ کو بچپن ہی سے صوفیوں اور درویشوں سے بے پناہ لگاؤ تھا اس لیے آپؐ نے اس

ہارون (جو اطراف نیشاپور میں واقع ہے) تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مرید ہونے کا واقعہ خود ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ۔
 ”میں ایک محبت میں جس میں طویل القدر بزرگ جمع تھے نہایت آداب سے حاضر ہوا اور سر نیاز زمین ادب پر جھکا دیا۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ نے مجھ کو حکم فرمایا کہ۔ ”دور کعت نماز ادا کرو۔“ میں نے حکم کی تعمیل کی پھر حکم ہوا۔ ”رخ قبلہ بیٹھ جاؤ۔“ میں ادب سے رخ قبلہ بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ۔ ”سورۃ بقرہ کی تلاوت کرو۔“ میں نے ادب کے ساتھ تلاوت کی۔ پھر مجھ کو حکم ہوا۔ ”60 مرتبہ سبحان اللہ پڑھو۔“ میں نے یہ بھی پڑھا۔ پھر خواجہ عثمانؒ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا کہ۔ ”میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔“ ان تمام امور کے بعد حضرت خواجہ عثمانؒ نے ایک خاص قسم کی ٹوپی میرے سر پر رکھی جو ”کلاہ چہار ترکی“ کہلاتی ہے اور چند مبارک مجھے پہنا دیا پھر فرمایا کہ۔ ”بیٹھ جاؤ۔“ میں فوراً بیٹھ گیا۔ پھر مجھ کو حکم ہوا کہ۔ ”ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھو۔“ جب میں یہ پڑھ کر فارغ ہوا تو پھر فرمایا کہ۔ ”ہمارے مشائخ کے یہاں صرف ایک دن اور ایک رات کا مجاہدہ ہے اس لیے جاؤ اور یہ مجاہدہ کرو۔“ یہ حکم سن کر میں نے ایک دن اور ایک رات عبادت الہی اور نماز میں گزار دی۔ دوسرے دن اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوی کی دولت حاصل کی اور حکم کے مطابق بیٹھ گیا۔ مجھ کو ارشاد ہوا کہ۔ ”اُوھر ویکھو۔“

بزرگ کو نہایت ہی اعزاز و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور ان کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھا کر انہاروں کا ایک خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی اس مہمان نوازی اور خدمت سے حضرت ابراہیمؒ بہت مسرور ہوئے۔ آپؒ نے اپنی زنبیل میں سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر منہ میں چبایا پھر آپؒ کو کھلا دیا۔ یہ چبائی ہوئی کھلی کھا کر حضرت خواجہ معین الدینؒ کو دنیا سے نفرت ہو گئی اور آپؒ کا دل نورانی سے معمور ہو گیا۔ جملہ آلائش قلبی دور ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو گئی۔

اس واقعہ کے تیسرے روز حضرت خواجہ معین الدینؒ نے اپنی کل املاک فروخت کر کے اس کی کل قیمت فقراء اور مساکین میں تقسیم فرمادی اور خود تلاش حق کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

آپؒ سب سے پہلے خراساں تشریف لے گئے اس کے بعد سمرقند اور بخارا کا سفر فرمایا۔ آخر الذکر ان دونوں مقامات میں 544 ہجری سے 550 ہجری تک علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد سرقدور اور بخارا اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے اور آپؒ نے مولانا حسام الدین بخاریؒ اور مولانا اشرف الدین بھیسی مشہور اور جلیل القدر ہستیوں سے علم حاصل کیا۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ باطن کو آراستہ کرنے کے لیے حیر کامل کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت عثمان ہارونیؒ طریقت کے پیشوا اور قطب وقت مانے جاتے تھے۔ طلب کامل و صادق تھی اس لیے آپؒ بخارا سے قصبہ

مرشد کے اس قدر معتقد و شیدائی ہو گئے تھے کہ وقت سفر اور حضر اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر رہتے۔ پیر کا بستر تو شہ پانی کا مشکیزہ اور دیگر ضروری سامان اپنے سر اور کندھوں پر رکھ کر ہمسفر ہوتے۔ یوں آپؑ نے 20 سال تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت کر کے معرفت و حقیقت کی تمام منزلیں طے فرمائیں اور فقیری کے رموز اور اسرار سے واقف ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جس زمانہ میں حضرت خواجہ عثمانؒ کی خدمت میں رہتے تھے تو آپؒ کو ان کے ساتھ دمشق کے سفر کا اتفاق ہوا۔ دمشق سے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر زیارت و طواف خانہ کعبہ سے مشرف ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ۔

”خواجہ عثمان ہارویؒ نے یہاں بھی میرا ہاتھ پکڑا اور حق تعالیٰ کے سپرد کیا اور میرے خانہ کعبہ دعا گو ہوئے تو مناجات کی ندا آئی کہ۔ ”ہم نے معین الدین کو قبول کیا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچے اور حرم نبوی ﷺ میں حاضری دی تو مجھ سے فرمایا کہ۔ ”سلام کر۔“ میں نے سلام عرض کیا تو آواز آئی۔ ”وعلیکم اسلام یا قطب المشائخ۔“ یہ آواز سن کر مرشد نے فرمایا کہ۔ ”اب تو درجہ کمال کو پہنچ گیا۔“

وہاں سے واپسی پر آپؒ اپنے مرشد کے ہمراہ بخارا تشریف لے گئے وہاں بخارا کے صدر المشائخ سے ملے جن کے بارے میں خواجہ بزرگؒ فرماتے ہیں کہ۔

”یہ بزرگ دوسرے عالم میں تھے ان کی تعریف تو صیف حد بیان سے باہر ہے۔“

یعنی آسمان کی طرف اشارہ ہوا۔ تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ پھر انہوں نے دریافت فرمایا کہ۔ ”کہاں تک دیکھتا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ۔ ”عرش معلیٰ تک۔“ پھر ارشاد ہوا کہ۔ ”نیچے دیکھو۔“ میں نے نیچے دیکھا۔ پھر وہی فرمایا کہ۔ ”تو کہاں تک دیکھتا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ۔ ”تحت المریٰ تک۔“ پھر مجھ کو حکم ہوا کہ۔ ”ہزار بار مسودۂ اخلاص پڑھو۔“ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ تو پھر حضرت خواجہ عثمانؒ نے ارشاد فرمایا کہ۔ ”آسمان کی طرف دیکھو۔“ میں نے عرض کیا۔ ”حجرات عقلت تک صاف نظر آ رہا ہے۔“ پھر فرمایا کہ۔ ”آنکھیں بند کرو۔“ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر حکم دیا کہ۔ ”کھول دو۔“ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بعد آپؒ نے دو انگلیاں میرے سامنے کیں اور پھر دریافت فرمایا کہ۔ ”کیا دکھائی دیتا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ۔ ”انھارہ ہزار عالم میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔“ جب میری زبان سے یہ جملہ ادا ہوا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ۔ ”بس اب حیراکام ہو گیا۔“

بعد ازاں ایک اینٹ کی طرف جو سامنے پڑی تھی اشارہ کر کے فرمایا کہ۔ ”اس کو اٹھاؤ۔“ میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے کچھ دیتار نکلے جن کے متعلق حکم ہوا کہ۔ ”انہیں لے جاؤ اور ان کو فقراء و مساکین میں تقسیم کر دو۔“ میں نے حکم تعمیل کی اور پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ کو حکم ہوا کہ۔ ”چند روز اور ہماری صحبت میں رہو۔“ میں نے عرض کیا کہ۔ ”میں حاضر ہوں۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اب اپنے پیرو

پر حاضری دی۔ آپؐ نے یہاں چلہ کاٹ کر جو فیض حاصل کیا تو آپؐ نے یہ شعر پڑھا:

سُخِ بخشِ فیضِ عالمِ مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را بجزِ کاملِ کمالاں را نہما

اس پر آپؐ کا نام سُخِ بخشِ مشہور ہو گیا۔ مزار کے

احاطہ کے اندر ہی حضرت معین الدین چشتیؒ کا حجرہ

احکاف موجود ہے۔ یہاں سے آپؐ اجمیر کے لیے

روانہ ہوئے اور آپؐ 7 محرم الحرام 561 ہجری میں

اجمیر میں داخل ہوئے جب وہاں کے راجہ پر حقوی

دعویٰ کو آپؐ کے آنے کی خبر ہوئی تو یہ بہت پریشان

ہوا۔ اس نے اپنے خاص ارکان کو بلا کر مشورہ کیا کہ۔

”اس فقیر کو یہاں سے نکالنے اور واپس بھیجنے

کے لیے کیا اور کون سی تدابیر اختیار کی جائے؟ منت

ساجت سے کام لیا جائے یا طاقت سے اس کو یہاں

سے نکالا جائے؟“ تو اس کے ارکان نے عرض کیا

کہ۔

”یہ فقیر بڑا پیچھا ہوا ہے اور اپنے وقت کا بڑا

کامل ہے۔ مقابلہ سے جانبر ہونا دشوار ہے۔ بہتر تو یہ

ہے اس کو جوگی بے پال کے سپرد کیا جائے۔“ چند

آدمی جوگی کو دربار میں لے کر آئے راجہ سے بات

چیت کر کے جوگی بے پال ڈیزھ ہزار جادو گروں کو

اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ جب حضرت خواجہ معین

الدین چشتیؒ کو جادو گرو بے پال کے آنے کی اطلاع

ملی تو آپؐ نے اپنے اور اپنے 40 ساتھیوں کے گرد

عصائے مبارک سے حصار کھینچ دیا۔ جوگی جو نہی سامنے

آیا اور حصار میں قدم رکھنا چاہا تو وہ اوندھے منہ گر

پڑا۔ پھر اس نے سحر کی پوری طاقت صرف کر دی لیکن

مرشد کامل کی تعلیمات سے فراغت اور فرقہ

خلافت حاصل کرنے کے بعد آپؐ وطن مالوف تشریف

لائے اور بعد چند دن قیام زیارتِ حرمین کے لیے

پھر روانہ ہو گئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آپؐ

مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک روز روضہ

اطہر نبی مکرم ﷺ کے سامنے آپؐ مصروفِ عبادت

تھے کہ روضہ اقدس ﷺ سے آواز آئی۔

”اے معین الدین حسن! تو ہمارے دین کا معین

اور مددگار ہے۔ ہندوستان کی ولایت ہم نے تم کو

عطاء کی ہے۔ اب تو اجمیر میں جا کر اقامت کرو۔

وہاں بہت بری طرح کفر و شرک کی ظلمت پھیلی ہوئی

ہے۔ وہاں تمہارے قیام سے اسلام کی روشنی پھیلے

گی۔“

یہ مژدہ جانفرا سن کر آپؐ حیران تھے کہ

ہندوستان کون سا ملک ہے اور کہاں واقع ہے۔

کہ اتنے میں آپؐ کی آنکھ لگ گئی اور سرکارِ رسالت

نے عالم رویا میں آپؐ کو مشرق سے مغرب تک کی سیر

کرائی اور ایک انار آپؐ کو عنایت فرما کر ارشاد فرمایا

کہ۔

”جاؤ ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔“

دربارِ رسالت ﷺ سے فرمانِ روانگی حاصل

کرتے ہی آپؐ حجاز سے روانہ ہوئے اور بغداد تشریف

لائے تو وہاں سرکارِ غوث الاعظمؒ سے فرمانِ رسالت

کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے خواجہ غریب نوازؒ کو سینہ سے

لگا کر ”سپرد بخدا“ فرما کر روانگی کی اجازت دی۔ آپؐ

بغداد سے روانہ ہو کر مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے

لاہور تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار

کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار لاچار ہو کر آپ کے قدموں پر گر کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام ”عبداللہ“ رکھا۔

سحر و ساحری کی جنگ میں شکست کھا کر راجہ پرتھوی راج کا غصہ اور بڑھ گیا اس نے ایک دن ایک دستہ سپاہیوں کا آپ کے پاس بھیجا۔ جنہوں نے آپ سے یہ کہا کہ۔

”تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ آپ نے راجہ کا یہ گستاخانہ پیغام سن کر فرمایا کہ۔

”ہم تو یہاں خلق اللہ کی غنیمت کے لیے آئے ہیں لیکن یہ راجہ ہمارے کام میں کیوں خواہ مخواہ دخل انداز ہوتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر راجہ سے یہ کہہ دینا کہ 3 دن کے اندر اندر اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں یہاں سے نکلتا ہوں یا وہ۔“

اگلے روز پرتھوی راج قلعہ کے اوپر یہ دیکھنے کے لیے چڑھا کہ خواجہ معین الدین چشتی یہاں سے چلے گئے ہیں یا کہ نہیں۔ کہ اسے گورگھائی کی طرف سے دو سائنٹی سوار تیزی سے آتے دکھائی دیئے۔

راجہ نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں قاصد کھانڈے راؤ حاکم دہلی کے ہیں اور کوئی خاص خبر لے کر میرے پاس آرہے ہیں۔ راجہ محل میں واپس آ کر اپنے ارکان کو جمع کر کے ان قاصدوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں قاصد راجہ کے دربار میں پہنچ گئے اور کھانڈے راؤ کے ایک خط کے ساتھ سلطان شہاب الدین غوری کا اعلان جنگ بھی پیش کیا۔ پرتھوی راج نے یہ دنوں خط پڑھ کر کھانڈے راؤ حاکم دہلی کو خط لکھا کہ۔

”آس پاس کے تمام راجاؤں کو ملا کر متحدہ طاقت سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اور خود بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

پرتھوی راج کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شہاب الدین غوری کو شکست دے کر غزنی تک حکمرانی کر لوں گا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ۔

”پرتھوی راج کی فوج 3 لاکھ اور شہاب الدین غوری کا لشکر ایک لاکھ ستر ہزار تھا۔ بہادر راجپوتوں کے مقابلے میں اگرچہ شہاب الدین کی فوج کی تعداد کچھ نہ تھی تاہم شہاب الدین کو یقین تھا کہ وہ اس جنگ میں یقیناً جیتے ہوگا۔

شہاب الدین نے تراوڑی کا معرکہ سر کر لیا پرتھوی راج اور دیگر راجگان بھاگ پڑے۔ غوری سپاہیوں نے تعاقب کر کے چند راجاؤں کو مار ڈالا اور راجہ پرتھوی راج دریائے سرستی کے کنارے گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔

تراوڑی کا میدان فتح کر لینے کے بعد شہاب الدین غروب آفتاب کے وقت اجیر پہنچا تو یہ وہاں اذان کی آواز سن کر حیران رہ گیا کہ یہاں حق کی آواز یہ کیا معاملہ ہے؟ اجیر پہنچ کر اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

یوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی راجہ پرتھوی راج کے بارے میں کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی۔

ایک دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی انا ساگر کے قریب تشریف فرما تھے کہ ایک چرواہا گائے کے چمچہ بھرتا ہوا نکلا تو آپ نے اس

سے فرمایا۔

”بیٹا! مجھے تھوڑا سا دودھ پلا دے۔“ اس نے مذاق سمجھا۔

”بابا! یہ تو ابھی بچے ہیں ان میں دودھ کہاں؟“ آپ خواجہ سرکارؒ نے مسکرا کر ایک بچھیا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

”میں تو اس کا دودھ پیوں گا۔“ وہ حیران ہو کر بچھیا کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا تھن دودھ سے بھر گیا ہے۔ اس نے برتن بھر کر دودھ نکالا جس کو پی کر 40 آدمی شکم سیر ہو گئے۔ وہ چرواہا آپؒ کے قدموں پر گر کر آپؒ کی غلامی میں داخل ہو گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات طیبہ سر تاپا کرامت ہی کرامت تھی اور آپؒ کی کرامات صرف آپؒ کی حالت حیات تک ہی مخصوص نہ تھیں بلکہ وفات کے بعد بھی اب تک جاری ہیں اور تا قیامت دائم قائم رہیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی آپؒ سرکار خواجہ غریب نوازؒ کے روضۂ اقدس پر ہر وقت عقیدت مندوں کا ایک میلہ سالگاہ ہوتا ہے اور یہ کوئی بھی کسی عقیدے یا مذہب کا ہی کیوں نہ ہوں۔ آپؒ سرکارؒ کی محبت اور عشق میں دیوانہ وار آپؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے رہتے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کرتے رہتے ہیں اور اپنے دلی مقاصد کو پہنچ کر چاہیے مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں مجھوم کر یہ کہتے ہیں۔

تو قبر حیرے ہی آستانے سے ملی
عزت تیرے در پر سر جھکانے سے ملی
مال و زر آبرو دین و مان

کیا کیا دولت تیرے خزانے سے ملی

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پر اکثر اوقات استغفرانی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپؒ ہر سال اجیر شریف سے بقوت روحانی زیارت خانہ کعبہ کے واسطے تشریف لے جاتے تھے۔ آخری زمانہ میں تو یہ عالم تھا کہ آپؒ ہر شب خانہ کعبہ میں طواف کرتے اور صبح صادق سے پہلے اجیر تشریف واپس آ کر نماز فجر ادا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک دن حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے کہ ندا آئی۔

”اے معین الدین! ہم تجھ سے خوش ہیں اور تجھے بخش دیا جو کچھ چاہتے ہو مانگو عطا کروں گا۔“ آپؒ نے عرض کیا کہ۔

”معین الدین کے مریدان سلسلہ کو بخش دے۔“ ارشاد ہوا۔

”معین الدین! تیرے سلسلہ کے تمام مریدوں کو بخش دوں گا۔“

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرمایا کرتے تھے کہ۔

”میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا کہ جب تک میرے مرید جنت میں داخل نہ ہوں گے۔“

حضرت سرکار خواجہ غریبؒ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ آپؒ نے تمام عمر عبادات اور مجاہدات میں بسر کی۔ 70 برس تک پہلوئے مبارک زمین سے نہیں لگایا سوائے اشد ضرورت کے۔ آپؒ سرکارؒ ہمیشہ با وضو رہتے تھے۔ آپؒ گھونما عشاء کی نماز کی وضو سے

فجر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ سفر اور حضر میں آپؐ روزانہ دو قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے یعنی ایک دن میں اور ایک رات میں۔ جب آپؐ پر حالت جلال کا غلبہ ہوتا تھا تو حجرہ مبارک کا دروازہ بند کر کے عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ نماز کے وقت حجرہ سے جب باہر تشریف لاتے تو اس وقت جس پتھر پر بھی آپؐ کی نظر پڑ جاتی وہ اسی وقت خاک ہو جاتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سنت نبویؐ کے سخت پابند تھے۔ آپؒ خدا کے خوف سے ہر وقت لرزہ بر اندام اور اٹکبار رہتے تھے۔ آپؒ اخلاق محمدیؐ کے مکمل نمونہ تھے۔ قتل، غنواور بردباری کا یہ عالم تھا کہ آپؒ کبھی بھی کسی سے رنجیدہ اور آشفیہ خاطر نہ رہتے تھے اور نہ ہی کسی پر غصہ فرماتے تھے جو دو کرم کا یہ عام تھا کہ کبھی بھی کوئی سائل آپؒ سرکار کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ آپؒ بڑے حلیم متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے۔ ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور ان کے رنج و غم میں برابر کے شریک رہا کرتے تھے۔

آپ سفر اور حضر میں ہمیشہ قائم اللیل اور صائم
التہار رہا کرتے تھے۔ ریاضت و نیاہات کے زمانہ
میں آپ مسلسل سات سات روز تک روزہ سے رہتے
اور صرف افطار پر اکتفا فرماتے تھے۔ ساتویں روز
خسک روٹی کا ایک ٹکڑا جو وزن میں 5 مثقال سے کسی
حالت بھی زیادہ نہ ہوتا تھا پانی میں بھگو کر تناول فرمایا
کرتے تھے۔

آپ کا لباس مبارک ہمیشہ دوہرے کپڑے کا

بخیر شدہ ہوتا تھا جب کہیں سے پھٹ جاتا تھا تو جس قسم کا کپڑا میسر ہوتا اس کو بلا تامل پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ یعنی آپؐ کے جسم اقدس پر ہمیشہ پیوند دار لباس رہا کرتا تھا۔

ابتدائی دور میں آپؐ کا ذریعہ معاش باغ اور پن بجلی کی آمدنی تھی مگر ان دونوں کو راہ خدا میں لگانے کے بعد آپؐ تیر و کمان اور چغماق ساتھ رکھتے تھے اور شکار کے گوشت پر قناعت فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

کے مفروضات عالیہ

﴿﴾ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں اس کو ولی کامل سمجھنا چاہیے اول دریا کی سی سخاوت دوم سورج کی طرح شفقت سوم زمین کی طرح تواضع۔

✽ تمام عبادتوں سے بڑھ کر عبادت یہ ہے کہ عاجزوں اور مظلوموں کی فریاد رسی کی جائے۔

درویش وہ ہے جس کے در سے کوئی حاجت مند محروم واپس نہ جائے۔

جو شخص بادِ صوسوتا ہے اس کی روح زیرِ عرش سیر کرتی ہے۔

✽ نمازِ خدا کی امانت ہے اس کی حفاظت کامل طور پر کرنی چاہیے۔

✽ جو شخص خدا کی عبادت نہیں کرتا وہ حرام روزی کھاتا ہے۔

❁ آتش دوزخ سے بچنے کا آسان علاج بھوکہ مارنا

جی کہانی 119 مارچ 2015ء

کھانا کھانا پیاسے کو پانی پلانا حاجت مندوں کی حاجت
روائی اور درود مندوں کی دشگیری ہے۔

لکھا تھا۔
”حبیب اللہ مات فی حب اللہ“

ترجمہ۔

⑤ ماں باپ کا منہ دیکھنا اولاد کے لیے عبادت
ہے۔ حضرت خواجہ باذید بسطامی فرماتے ہیں کہ۔

”یہ اللہ کا حبیب ہے اور اللہ کی محبت میں
جاں بحق ہوا۔“

”میں نے جس قدر مراتب پائے ہیں وہ اپنے
والدین کی خدمت سے پائے ہیں۔“

یوں ہندوستان کی سر زمین میں باطل کی ظالم
قوتوں کو تباہ کر کے حق و انصاف کا پرچم بلند کرنے

⑥ دنیا میں عزیز و محبوب ترین چیز یہ ہے کہ مسلمان
باہمی انس و محبت کے ساتھ مل جل کر رہیں۔

والے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ 97 سال کی عمر
میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپؒ کا مزار اجیر

⑦ جب تک مرشد کی تربیت حاصل نہ ہوگی منزل پر
نہ پہنچے گا۔ نیز پیر کی خدمت اور پیر کی زیارت ایک

شریف میں عقیدت مندوں کے لیے مرجع خلافت
ہے۔ آپؒ کا جنازہ آپؒ کے بڑے صاحبزادے

مستقل عبادت ہے۔
⑧ عارف آفتاب صفت ہوتے ہیں ان سے تمام

حضرت خواجہ معین الدینؒ نے پڑھایا۔
باگرداب بلا افتاد کشتی فیضان شکستہ راتو پستی

عالم منور ہوتا ہے۔
⑨ عشق کی راہ ایسی ہے کہ جو اس راہ میں چلتا ہے

بحق خواجہ عثمان ہارونیؒ مدد کن یا معین الدین چشتیؒ
آپؒ سرکار خواجہ کے

اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔
⑩ عاشق اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں

روضہ اقدس کے تاریخی آثار
کلمہ دروازہ

اس کی روشنی نے خاموش کر رکھا ہے انہیں عالم
موجوات کی کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔

عثمانی دروازہ سے درگاہ میں داخل ہوں تو ایک
پرانا دروازہ آتا ہے اس کے اوپر شاہی وقتوں کا نقار

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کی 5
رجب المرجب 633 ہجری شام کو آپؒ سرکارؒ کی

خانہ پڑا ہے۔ شاہ جہاں نے اس کو 1047 ہجری میں
تعمیر کرایا تھا۔

طبیعت پر کوئی خاص کیفیت کا غلبہ زیادہ ہو گیا چنانچہ
بعد از نماز عشاء حجرہ مبارک کا دروازہ بند کرنے بعد

اکبری مسجد
یہ عہد اکبری کی یادگار ہے۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش

آپؒ نے خدام کو اندر آنے سے منع فرما دیا۔ صبح نماز
فجر کے وقت خدام دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے رہے۔

کے 6 مہینے بعد اکبر بادشاہ بغرض زیارت آستانہ اجیر
شریف آیا اور اس نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا یہ مسجد سرخ

جب دروازہ نہ کھلا تو خدام نے دستک دی تو کوئی بھی
جواب نہ آنے پر دروازہ توڑا گیا تو دیکھا آپؒ واصل

پتھر سے تعمیر ہوئی۔ مسجد مع متعلقہ عمارت 140 فٹ
تعمیر ہوئی۔

بحق ہو چکے تھے اور آپؒ کی پیشانی مبارک پر بخاطر نور
اہل سنت کی کہانی 120 ھ مارچ 2015ء

1

میں یہ عمارت تعمیر کرائی اس عمارت کی بنیاد 1306 ہجری میں پڑی اور 1309 ہجری میں مکمل ہوئی۔ اس کا طول و عرض 46.46 فٹ ہے۔ عرس میں محفل سار کا اہتمام اسی عمارت میں ہوتا ہے۔

لنگر خانہ

صحن چراغ کے پورب میں حجروں کی قطاروں کے درمیان ایک پھانک ہے اس پھانک سے جب اندر داخل ہوں تو وسیع صحن اور دالان کے اندر دو بڑے کڑھاؤں میں جن میں صبح و شام نمکین دلیا پکا کر غریب و فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ لنگر خانہ بھی اکبر بادشاہ نے غریب فقراء کے لیے بنوایا تھا۔

اولیاء مسجد
یہ مسجد احاطہ چنبیلی مندر خانہ سے چند قدم کے فاصلے پر پورب میں واقع ہے۔ یہ مسجد اس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں حضرت خواجہ معین چشتی نماز ادا کیا کرتے تھے۔

شاہ جہانی مسجد

یہ مسجد حرا اقدس کے پورب میں حسین سنگد، مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد شاہ جہان کے حکم سے تعمیر ہوئی اس مسجد کا طول شرقی 97 گز اور عرض 27 گز ہے۔ نماز جمعہ اس مسجد میں ادا ہوتی ہے۔

جنتی دروازہ

یہ مسجد کی محراب سے بالکل صاف سامنے نظر آتا ہے۔ شامی وقت سے یہ دستور ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے 4 توپیں داغی جاتی ہیں اول خطبہ سے 5 منٹ قبل دوئم خطبہ کے وقت سوئم اقامت کے وقت اور چہارم

لمبی اور 140 فٹ چوڑی ہے۔ محراب 56 فٹ بلند ہے۔

بلند دروازہ

یہ بلند دروازہ سلطان محمود خلجی کی یادگار ہے۔ اس کی بلندی 85 فٹ ہے۔ درگاہ کی تمام عمارتوں میں سے یہ دروازہ سب سے اونچا ہے۔

صحن چراغ

بلند دروازے سے آگے صحن میں ایک بہشت پہلو خوبصورت چھتری ہے اس میں پتیل کا بڑا چراغ رکھا ہوا ہے اسی وجہ سے اس کو صحن چراغ کہتے ہیں۔ بڑی دیگ

بلند دروازے کے بائیں طرف ایک بڑی دیگ ہے۔ اکبر بادشاہ نے عہد کیا تھا کہ چوڑ گڑھ فتح کرنے کے بعد وہ امیر شریف پا پیادہ حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ پیش کرے گا۔ فتح حاصل کرنے کے بعد وہ حسب عہد حاضر ہوایہ دیگ چڑھائی اس دیگ کا محیط ساڑھے بارہ (12.5) گز ہے اور اس دیگ میں سوا من چاول پک سکتا ہے۔ 976 ہجری میں یہ دیگ پیش کی گئی۔

محل خانہ

نواب بشیر الدولہ نے اپنے فرزند نواب معین الدولہ کی ولادت کی خوشی میں اسے تعمیر کرایا۔ یہ عمارت صحن چراغ سے پچھم کی جانب واقع ہے۔ نواب بشیر الدولہ کی 80 سال ہو چکی تھی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ میں بیٹے کی دعائے گنجی اسی سال کے عہد میں فرزند تولد ہوا۔ اسی خوشی

سلامت کے وقت۔

روضہ منور

روضہ اطہر اور گنبد شریف کی تعمیر سلطان محمد ظہری کے زمانے میں ہوئی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ روضہ منورہ اور گنبد خواجہ حسین ناگوری کی تعمیر کردہ ہے۔ گنبد کے اندرونی حصے میں طلائی و تین نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ سفید گنبد پر سونے کا بہت بڑا تاج لگا ہوا ہے۔ اس کو حیدر علی خاں برادر نواب قلب علی خاں والی رامپور نے نذر کیا تھا۔ مزار اقدس کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ مزار پاک ہمیشہ زریفتہ کھواب اور محفل کے قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے اور ان پر تازہ پھولوں کی چادریں پڑی رہتی ہیں۔ چمپرکھٹ کے بیچ سنہرا کٹہرا لگا ہوا ہے۔ جو شہنشاہ جہانگیر نے بنوا کر چڑھایا تھا۔

گنبد شریف محل روشنی

مغرب کی نماز سے تقریباً 20 منٹ قبل حسب دستور روضہ منورہ میں بجلی کی تمام بتیاں بند کر دی جاتی ہیں اور خالص موم کی بنی ہوئی بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ ان بتیوں کو روشن کرتے وقت حسب ذیل اشعار پڑھے جاتے ہیں۔

خواجہ خواجگان معین الدین
شرف الاولیاء روئے زمین
آفتاب سپہر کون و مکان
بادشاہ سریر یقین
در جمال اوچہ سخن
ایں مبین حصین
مطلع در مفلح

در عبادت بود چو در ہمیں

اے درت قبلہ گاہ اہل یقین

بردرت مہر و ماہ سودہ جیس

صد ہزاراں ملک چو خسرو چین

خادماں درت ہمہ رضواں

در صفاروضہ ات چو غلہ بریں

ذره خاک او غیر سرشت

قطرہ آب او چو ماہ معین

اٹھی تابود خورشید ماہی

چراغ چشتیاں را روشنائی

چلہ بابا فریدؒ

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے چلہ کیا تھا۔ یہ چلہ مسجد صندوق خانہ کے عقب میں زمین دوز ہے۔ خاص چلہ مسجد صندوق خانہ کے نیچے تہ خانے میں ہے نیچے اترنے کے لیے میڑھیاں بنی ہوئی ہیں اس کا دروازہ سال بھر بند رہتا ہے۔ صرف 5 محرم الحرام کی تاریخ کو ایک دن کے لیے کھلا ہے۔ لوگ دور دور سے زارت کے لیے آتے ہیں۔

مزار حضرت خواجہ فرید الدین گردیزیؒ

آپ کا اور آ۔ اہلیہ کا مزار گوشہ خانہ میں

ہے۔ جو نیکی دالان حق ہے۔ یہ حضرت خواجہ

غریب نوازؒ کے قریب رشتہ دار پیر بھائی اور مرید بھی

تھے۔ آپ کی اخدام سید زادگان کہلاتی ہے۔ جن

کو اندوکی گنبدی خدمت کا حق حاصل ہے۔ گنبد

شریف اور مزار شریف اور اس کا تمام سامان اخدام

حضرات کی تحویل میں رہتا ہے۔ یہی لوگ خدمت

کرتے ہیں پھول اور صندوق چڑھانا بھی انہی کے

ذمہ ہے۔

چلہ خواجہ غریب نوازؒ

مکیا ہے۔

چلہ شاہ مدارؒ

انا ساگر کے جنوب مشرق کنارے پر ایک وسیع پہاڑی ہے۔ جس کو سدا بہار پہاڑی کہتے ہیں۔ اسی پہاڑ کے جنوب مغرب گوشہ میں ایک چھوٹا سا عمار ہے جس کے اوپر اب گنبد بنا ہوا ہے۔ پہلے پہل حضرت خواجہ معین چشتیؒ نے یہیں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

چلہ بڑے پیر صاحب

درگاہ شریف میں کھڑے ہو کر جنوب کی طرف نظر دوڑائیں تو سامنے ایک پہاڑی نظر آتی ہے۔ جس کے اوپری سرے پر ہرے رنگ کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ روایت ہے کہ۔

”اس مقام پر حضرت پیر دغیرؒ کے مزار اقدس کی اہنت دفن ہے اور یہ جگہ بڑے پیر صاحب کے نام سے مشہور ہو گئی۔“

چلہ قطب الدینؒ

سدا بہار پہاڑی کے شمال مشرقی حصے پر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا چلہ بنا ہوا ہے۔ آپؒ جب بھی اجیر تشریف لاتے تو اسی جگہ پر مصروف عبادت رہتے تھے۔

دولت باغ

انا ساگر کے مشرقی کنارے پر شاہ جہاں بادشاہ نے سنگ مرمر کی عمارتیں بنوائیں۔ جن کے وسط میں بارہ دری ہے یہ مقام تہایت پر فزوا ہے۔ بارہ دری کے مشرق میں ایک تہایت سرسبز لہو پر فضا مبارک ہے۔ یہ باغ دولت باغ کے نام سے مشہور ہے۔ اب اس باغ کا نام دولت باغ سے بدلی کر سجاد باغ رکھ دیا

یہ چلہ اجیر کے مشرقی پہاڑی پر واقع ہے جس کی بلندی تقریباً 7 فٹ ہے اس مقام پر حضرت سید بدیع الدین قطب الدین المدارس شاہ مکن پوریؒ کا چلہ بنا ہوا ہے۔

چلہ تارا گڑھ

یہ چلہ درگاہ شریف کے جنوب میں ایک بہت اونچی پہاڑی پر واقع ہے اس پہاڑی کی اونچائی 800 فٹ ہے رائے چھوڑ کے زمانے میں اس قلعہ کو ناقابل تخیل خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اس کو آسانی سے سر کر لیا تھا۔

طاہر امین حضرت خواجہ معین چشتیؒ کے بہت ہی زیادہ معتقد ہیں اور آپ سرکار کے روضہ اقدس پر حاضری دینے کے بہت ہی زیادہ متہمی ہیں لیکن ابھی تک ہماری دربار پر حاضر ہونے کی قبولیت نہیں ہو رہی ہے۔ آپؒ کے عرس پر

جانے والے زائرین سے اور دربار پر جانے والے دیگر عقیدت مندوں سے ہماری دلی گزارش ہے کہ۔

”سرکار خواجہ غریب نوازؒ کے دربار پر اپنے

سلام کے بعد ہمارا بھی سلام ضرور پیش کرنا مہربانی ہوگی۔“

یا مودے اجیری خواجہ راجن کے مہاراجن رے

کریو موپہ نجرے کرم دوسویں کے سر تاج رے

موبائل نمبر 300-4896399

☆ ☆

☆ ☆

☆ ☆

☆ ☆

☆ ☆

☆ ☆

☆ ☆



کچھ..... رفعت محمود۔ موبائل نمبر 0300-5034313

”مجھے تو تمہاری مس عجیب و غریب نظر نہیں آئیں!“ ابھی تک تو کامران کو ان دیکھے مریض کی فکر لگی ہوئی تھی! سعد یہ ہنسنے لگی۔ ”دورہ پڑا ہوا ہے آج کل“.....

”دورہ“..... کامران نے حیرت سے عدیل کی طرف دیکھا ”کیا اسے دورے بھی پڑتے ہیں۔“.....

”جی اسے بڑے زبردست دورے پڑتے ہیں۔“ عدیل نے لاپرواہی سے کہا۔ کس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔ کامران نے حیرت سے پوچھا۔ ہر دورے کی نوعیت ملیندہ ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب! رانی نے منہ بسور کر اینٹنگ کی تو سب ہی ہنس پڑے۔

کیا مطلب؟۔ کامران نے ان کی ہنسی کو بیکر نظر انداز کر دیا۔

اور کب تک جاری رہتا ہے۔ کامران کی حیرت برقرار تھی۔

”کیا“..... عدیل نے ٹاک چڑھا کر کہا۔

کیا وہ دورہ.....

افوہ..... عدیل ہنس دیا۔ تو کامران نے محسوس کیا ان کے دلوں میں اس کے لیے ذرا بھی جگہ نہیں ہے۔

جب تک اس کا دل چاہے گا۔ کس کا۔ کامران نے آہستہ سے کہا۔ خود روٹی کا جب تک دل چاہے اپنے دورے کو برقرار رکھیں۔ تنزیل نے تسخیر سے کہا۔

اب جیسا کہ آج کل اس نے اپنے آپ کو کمرے میں قید کر رکھا ہے۔ رانی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ کامران نے حیرت سے کہا۔

اب یہ تو روٹی کا دل ہی جائے۔ عدیل نے بے زاری سے کہا۔

وہ..... وہ..... اسے..... فوزیہ ہکلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ کچھ بولو بھی..... تنزیل نے اسے شانے سے پکڑتے ہوئے کہا۔

روٹی کو پھر دورہ پڑ گیا مونانے بتایا۔ تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے یہ پہلا موقع ہے۔ عدیل نے ہنس کر کہا۔ تب ہی حیرت سیٹھی رہی۔

جھاروں کے پیچھے سے روٹی نے کامران کو دیکھا۔ ہاؤ آر یو! کامران کے منہ سے نکلا اس سے پہلے کہ وہ خود اپنا تعارف کراتا۔ سعد یہ آگے بڑھ آئی یہ کامران ہیں گل جان کے بیٹے.....

اچھا..... اس نے سعدیہ کو قطعی نظر انداز کر



کے گہری نظروں سے کامران کو گھورا پھر لاپرواہی سے آگے بڑھ گئی تو کامران نے ان سب کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور خود اس کے پیچھے ہو لیا۔ اب جاؤ نا تم..... روہی نے اسے پیچھے آتے دیکھ کر کہا۔ پہلی بار ملے ہیں۔ باتیں کریں گے کامران! نے نرمی سے کہا۔

ہوں۔ وہ حیرت سے پلٹنے لگی۔
بیٹھ جاؤں۔ کامران نے اس کی حیرت کو نظر انداز کر دیا۔

تمہاری مرضی، روہی نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تو کامران اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔
ہاں کرو باتیں.....

بست بڑی بات ہے۔ کامران نے اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھا کیا۔ روہی نے بالوں کو ہٹا دیا۔ گڑبھ سے اس کی طرف دیکھا یہی کہ کھانا نہیں کھا رہی ہیں آپ۔

اوہ..... وہ دنس پڑی۔ میری تو ہر بات بری ہے۔
مجھے تو بس ایک ہی بات بری لگی۔

کیا..... اس نے سوالیہ نظروں سے سامنے بیٹھے اس شخص کو دیکھا جو اس کی شکین آلود پیشانی سے ذرا بھی نہیں گھبرا رہا تھا۔ اور بڑے اطمینان اور نرمی سے بات کر رہا تھا۔

آپ نے کچھ دیر پہلے کھانا جو پھینک دیا تھا۔ اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں اس طرح سے۔ کامران نے کم سن بچوں کی طرح اسے سمجھایا۔
اچھا روہی نے اسی کے انداز میں کہا۔

تو اور کیا..... عمران نے غور سے اس کی طرف دیکھا وہ اس الجھے الجھے حلقے میں بھی پرکشش تھی۔

لاؤں پھر کھانا.....

تم بھی کھاؤ گے میرے ساتھ.....

میں تو کھا چکا ہوں کامران کہتا ہو گیا۔

مجھے برا سمجھتے ہو نا۔ اس کی اُچلی پیشانی پر پھر شکین ابھریں۔ یہ بات نہیں، کامران اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ تم تو مجھے یہاں کے سب لوگوں سے اچھی لگتی ہو۔

ج۔ وہ بچوں کی طرح اچھی۔ تو پھر میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔

اچھا تو پھر میں آپ کے ساتھ دوبارہ کھا لینا ہوں۔

کامران نے اس کو خوش کرنے کے لیے حای بھری اور باہر نکل گیا۔ کافی کامیاب کانفرنس رہی۔ رانی نے دور سے ہانک لگائی۔ تو اس نے مسکرا کر نظر انداز کر دیا۔ اور پھر عدیل موٹا، رانی، سہیہ، فوزیہ اور خزیل اسے کھانا گرم کر کے روہی کے کمرے میں لے جاتے دیکھتے رہے۔

رشید صاحب نے تسکین بیگم کی مرضی کے خلاف عامرہ کو ان کی بسو بنا دیا تو تسکین لاج میں بھونچال اٹھ گیا غریب گھری لڑکی کو بسو تسلیم کرنا گویا گناہ تھا۔

تسکین بیگم نے بیٹے کو عاق کرنے کی دھمکی دے دی۔ عامرہ رشید کے مستقبل سے گھبرا گئی کہ اس کی وجہ سے رشید گھروالوں سے کٹ جائے گا۔ اس نے واپس جانے کو کہا مگر رشید اٹل رہا اور عامرہ کو لے کر تسکین لاج سے دور چلا گیا۔ تسکین بیگم سمجھتی تھیں کہ عاق کر دینے کی دھمکی عامرہ کو طلاق دلوانے میں کارگر ثابت ہو گی۔ مگر رشید عزم کا پکا تھا۔ اس نے پرواہ نہ کی۔

آخری سال تھا اس زیادتی پر اور بھی مختل ہو گئی۔

اسی دنوں گل خانم کا اکلوتا بیٹا کامران سجدیہ سے شادی کرنے امریکہ سے پاکستان آگیا۔ تو تسکین بیگم نے اس کو ڈاکٹری سے فائدہ اٹھانے کے لیے روپی کی صورت حال سے آگاہ کیا اور کامران نے اس کی طبیعت اور مزاج کو سلجھانے کا ذمہ لیا۔ سب کزنز اس کے چڑچڑے پن کو طنز سے دورہ کہہ کر اسے چڑاتے تھے۔ اس کی غیر معمولی حرکتوں کو دورے کا نام دیا جاتا جس میں بے وجہ بھوک ہڑتال کمرے میں بند رہنا کسی کو خاطر میں نہ لانا۔ ضد کرنا بہت دھری سے کام لینا اور بات بے بات لڑائی شروع کر دینا ان وجوہات سے سب اسے پاگل کہتے تھے۔

کامران اس سے پہلی ملاقات میں ہی سمجھ گیا کہ اس کی روح کو پیار کی تلاش ہے وہ نفسیاتی طور پر الجھ کر رہ گئی ہے سب کی بے رغبی نے اسے نفرت کے جال میں قید کر رکھا ہے۔ تب ہی روپی نے نئی خبر سنی کہ گل خانم کے ڈاکٹر بیٹے کو اس کے علاج کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

میں کوئی مریض ہوں۔ وہ چلا آگئی۔ ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ تسکین بیگم نے ذرا کڑکتی آواز میں کہا تو وہ جھلا اٹھی۔

محرومیاں دینے والے بھلائی نہیں چاہا کرتے واوی جان۔

تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ تسکین بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر انہوں نے آواز میں سختی پیدا کر کے منہ موڑ لیا۔

میں کسی کو اپنا ڈاکٹر تسلیم نہیں کرتی۔ میں

وہ ابھی وہ اپنی پیاری پیاری گڑیا کو جی بھر کے پیار بھی نہ کر پایا تھا کہ ہارٹ انیک سے اس نے عامرہ سے کیا ہوا ہر وعدہ توڑا اور اکیلا راہ عدم کو روانہ ہو گیا۔

عامرہ روپی تڑپی اور آخر اپنی پکار سمیت دو سالہ روپی کو لے کر تسکین لاج میں آگئی۔ روپی کو دیکھ کر تسکین بیگم کے لبوں نے جوش مارا اور عامرہ کو زندگی گزارنے کے لیے پناہ مل گئی۔ اس نے سب کی خدمت میں تن من لگا دیا۔ مگر اسے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جو بڑی اور منجھلی بہو کو حاصل تھا۔ ایک تھی گل خانم وہ اپنے گھربار میں ٹھن تھی۔

وقت گزرتا رہا کسی کو عامرہ کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ مگر منی سی گڑیا جب اپنے کزنز کو اپنے ماں باپ کے ساتھ خوش دیکھتی تو اس کے دل میں طوفان اٹھتے اور دماغ میں زلزلہ سا آجاتا وہ اندر ہی اندر کانپ کر رہ جاتی۔ تسکین بیگم نے بھی اس کی خبر نہ لی اسے گھر میں دوسروں جیسا مقام نہ مل سکا۔ وہ جو بچپن سے مختلف حادثات سے گزری تھی۔ نفسیاتی طور پر الجھ گئی۔ دوسروں کی بے رغبی نے اسے حساس بنا دیا حالات میں وہ خود سر اور اپنی مرضی کی مالک بن گئی۔ اور اپنی اہمیت جتانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتی کہ دوسرے پریشان ہو جاتے۔

مگر کے ساتھ ہٹ دھری بڑھتی گئی۔ اٹھارہ سال اس نے دل و دماغ کی جنگ میں حصہ لیا اور آخر کار ان حالات کی عادی ہو گئی۔ جب تسکین بیگم کو ہوش آیا تو پیار کی کمی اور طلب نے اسے جنگی بنا دیا تھا پھر سجدیہ نے گھر آکر ایسی شکایتیں کیں کہ اسے کالج سے بھی اٹھایا گیا۔ لی اسے کا

بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاتھ میں پکڑی کٹھنی اس نے زور سے زمین پر دے ماری تو تسکین بیگم نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر نہ سہی۔ دوست تو مانتی ہیں نا، اسی لیے کامران اندر داخل ہوا تو روٹی نے جھلا کر پاؤں پٹخ ڈالے اور تسکین بیگم غصے میں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ تسکین بیگم جن سے تسکین لاج کا زورہ زورہ کانپتا تھا۔ انہیں روٹی ذرا بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ تم نے اپنی داوی انہ کو ناراض کر دیا۔ کامران نے فصے میں سبز ساڑھی کا پلو مروڑتی اس لڑکی کو دیکھا جو بے حد گستاخ تھی۔ مگر پھر بھی انہیں اچھی لگ رہی تھی۔ اس پر خود کامران کو بھی حیرت تھی۔ اونٹہ ناراض میں کوئی بیمار ہوں۔

بالکل نہیں.....

میں تمہیں بالکل نظر آتی ہوں۔

نہیں..... بالکل نہیں۔ کامران نے اس سے بے ترتیب سراپے پر نظر ڈالا۔ تو پھر تم کیا کر رہے ہو یہاں۔ ڈاکٹر ہو تو جاؤ اپنے مریضوں کو دیکھو۔ اس نے اسے دھکا دینے کو اس کے سینے پر ہاتھ رکھے تو کامران نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ تب روٹی نے پہلی بار اس خوبصورت سے شخص کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ذرا بھی ناگواری نہیں تھی۔

میں تو دوستی کرنے آیا ہوں۔ کامران نے اپنی بڑی بڑی بھوری آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں تو زندگی میں پہلی بار اس کی پلکیں لاشعوری طور پر جھک گئیں۔ اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑا لیے۔ اور واپس پلٹ کر بینڈ پر بیٹھ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ تو کامران نے آہستہ سے اس کے

شانے پر ہاتھ رکھا پلیز روٹی.....

روٹی نے ایک لمبے سے بال ہٹائے۔ بھیگی بھیگی ریشمی پلکوں کو جھپک کر اس مخلص سے خوبصورت انسان کو دیکھا۔

مجھے معاف کر دو۔ میری وجہ سے تمہیں ڈانٹ پڑی۔ کامران اس کے بینڈ کے قریب قالین پر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح تو زندگی میں پہلی بار روٹی کو کسی پر پیار آیا۔ اور وہ روتے میں مسکرا پڑی۔ ڈانٹ کا کیا ہے۔ کسی وجہ سے بھی پڑتی ہے۔ اس نے ساڑھی کے پلو سے آنسو صاف کیے۔

تو پھر دوستی..... کامران نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بلا تامل اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں دے دیا۔

پھر اس کی دوستی کامران سے خاصی پکی ہو گئی۔ اکثر وہ کافی دیر تک اس سے باتیں کیا کرتا اپنے امریکہ میں پیش آنے والے واقعات سناتا اپنی فریڈنڈز کی باتیں اور لطیفے سناتا اور وہ خاموشی سے سنا کرتی گھر والوں سے اس کا رویہ ایسا ہی تھا۔

یوں ایک ہفتہ گزر گیا اس کی عادتوں میں کوئی فرق نہ آیا سوائے اس کے وہ کامران سے اچھی طرح ملتی اور تدرے بہتر طریقے سے بات کرتی۔ تب ہی ایک دن کامران نے اس سے اس کی شخصیت کے بارے میں بات کی تو وہ خلاف توقع خاموش بیٹھی رہی۔ بولو نا آخر تم اتنی اکھڑی اکھڑی سی کیوں رہتی ہو۔ کامران نے اس کی طرف جھک کر پوچھا تو اس نے حیلکی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ تم دو ہفتے سے اس کوشش میں ہو کہ مجھے اپنا

جھٹٹ بنا لو۔ روہی کے لیے میں طر اور غصے کی
کٹ تھی۔

اف اتنی سمجھداری کامران نے آہستہ سے
کہا۔

میں میں تمہیں بے وقوف نظر نہیں آتی
ہوں۔ توجہ پہلی بار کامران سے اس طرح گستاخانہ
معتلو کر رہی تھی۔

کبھی کبھی کامران نے اس کی آنکھوں میں
دیکھا تو غصے کی چمک تھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیٹھ جاؤ نا۔ کامران نے اس کو شانوں سے پکڑ
کر بٹھا دیا تو اس نے حیرانی سے کامران کی طرف
دیکھا اور کامران کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ دیکھ
کر نظریں جھکا لیں۔

میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں۔ ہاں سنا تم
نے 'روہی نے غصے سے کہا۔ تو میں کب تمہیں
ڈرنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ کامران اس کے
نزدیک آگیا تو پرنیو م کی دھیمی دھیمی خوشبو چاروں
طرف پھیل گئی۔

پھر تم کیا چاہتے ہو۔ روہی نے اس کی براؤن
آنکھوں کے حصار سے نکل کر صوفے کی پشت سے
سڑیک دیا۔

ایک بات پوچھوں۔
ہاں اس نے آنکھیں موندے موندے جواب
دیا۔

تم سب سے زیادہ غصے میں کب آتی ہو۔
اور وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ بتاؤ نا
کامران نے نرمی سے اس کے بال پیچھے کیے۔

جب جب یہ لوگ مجھے بری طرح
گھورتے ہیں۔ مجھے حقارت سے دیکھتے ہیں اور

احساس دلاتے ہیں کہ میں ان سے کم تر ہوں۔

مگر تم تو بہت اچھی ہو۔ کامران نے اس کے
جذبات کو سارا دیا۔ پھر مجھ میں کیا تھا جو ان سب
نے مجھے خود سے دور کر دیا۔ روہی کی آواز بھرا گئی تو
کامران نے آہستہ سے اس کا چہرہ اٹھلایا۔ اس نے
بھگی بھگی خواب ناک آنکھوں سے عجیب انداز میں
کامران کی طرف دیکھا۔

چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ کامران نے موضوع
بدلا۔ اچھا یہ بتاؤ اس وقت کیسا محسوس کر رہی ہو۔
سچ بتاؤں۔ وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
دل میں عجیب سا انجھانا جذبہ ہے جو طوفان بننے کو
پہل رہا ہے۔

اس وقت میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اپنے
آس پاس بکھرے ان رنگوں کو سمیٹ لوں اور اگر
کوئی سمیٹنے نہ دے تو چڑا لوں۔ اس حد تک تجس
کامران مسکرایا وہ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح
لک رہی تھی۔

ہاں کامران ان رنگوں میں تمہاری ان براؤن
آنکھوں کا رنگ شامل ہے۔ روہی نے سرگوشی کی تو
کامران نے سیدھا ہو کر نیکی نظروں سے اس کی
طرف دیکھا وہ اٹھ کر فوم کے نرم صوفوں میں
دھنس چکی تھی۔ سر پر لمبے دوپٹے اوڑھے وہ آنکھیں
بند کیے بالکل نارمل لگ رہی تھی۔

اوکے روہی اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔
کامران نے سامنے صوفے پر آنکھیں موندے روہی
کو ہلایا تو وہ چونک کر اچھل پڑی۔

ج گئے آنکھوں میں خواب نہیں دیکھا کرتے۔
کامران نے اس کے شانے تھپکے کیا مطلب۔

مطلب یہی کہ تم اپنے کمرے میں جاؤ اور

بہانہ بنی کہانی لاہور 129 مارچ 2015ء

آرام کرو۔ اور وہ سینڈل تھپتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کتنی بڑی بات کہہ دی ہے تم نے روٹی۔ کامران نے اس کے مرمیں وجود کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

شمید تم ایک دم بدتمیز ہو۔ رانی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے شمید کی پٹیا کھینچی۔

والی۔ مونا ہنس پڑی کیا ہوا کوئی بست بڑی خطا سرزد ہو گئی ہے۔

مجھے عارفہ کے ہاں جانا تھا اور یہ ساتھ جانے کا وعدہ کر کے سوئی رہی۔ تو تم تنزل کے ساتھ چلی جاتیں۔

شمید نے چھیڑا تو رانی مسکرا پڑی۔ واہ کیا خوش ہوتی ہو تنزل کا نام سن کر۔ عدیل نے چمک کر کہا۔

ہیلو اوری پاڑی۔ کامران نے آکر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

کہاں ہیں سب کامران نے تنزل، سہیلہ اور مونا کے بارے میں پوچھا۔ وہ تینوں ہم سے چوری چوری شکر پڑیاں اور شاہ فیصل مسجد گئے ہیں۔ رانی نے منہ بسورا۔

اودہ افسوس کی بات ہے۔ تنزل تمہیں لے کر نہیں گیا۔ کامران نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تو سب ہنس پڑے۔

ہائے میں مر جاؤں، منگنی کیا ہو گئی ہر وقت چھیڑتے ہو۔ رانی اٹھ کر دور جا بیٹھی۔ تمہاری منگنی ہو لے پھر بتاؤں گی۔ چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دوں گی۔

اجی۔ ہم چھیڑنے کا موقع ہی کب دیں گے۔ چٹ منگنی، پت بیاہ، واہ اچھا خیال ہے۔ فوزیہ نے داوی دی۔

ہاں یا سننا ہے کہ آپ روٹی کے پاگل پن کو دور کر رہے ہیں۔ عدیل نے عجیب مزاحیہ انداز میں کہا۔

ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ کامران نے سرا

آہ بھرنے کی ایکٹنگ کی مگر آپ کو کس نے کہا ہے کہ وہ پاگل ہے۔

اس کی حرکتوں سے تو یہی ظاہر ہے۔ فوزیہ نے یوں کہا جیسے وہ ان کی کچھ نہیں لگتی۔

تم لوگ پڑھے لکھے ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کامران نے رک کر فوزیہ کی طرف دیکھا۔ تم تو

سائیکالوجی کی سٹوڈنٹ ہو اس کے کیس کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔

تو آپ نے اس کے رویے کو سائیکالوجی کا کیس بنا ڈالا۔

زبردستی۔ عدیل نے اطمینان سے کہا۔

تم سب سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ وہ تم لوگوں کے نزدیک آنے کی کوشش میں دھما ہوتی جا رہی ہے۔

اچھا چھوڑے سدھارتھ صاحب۔ اب کسے مرے کون سے سبج پر ہے۔ عدیل نے ایک بار پھر مذاق اڑایا۔

عدیل تم تو کم از کم مردوں کی طرح سوچو۔ عورتوں میں رہ کر کیا خاک مردوں کی طرح سوچیں گے۔ رانی نے عدیل کی شرارت کا بدلہ لے لیا۔

رانی تم بالکل ایڈیٹ ہو۔ جاہل ہو، منوار ہو، جنگی لڑکی وہ آپس میں لڑنے لگے تو کامران نے سکھ کا سانس لیا کہ روٹی کا پیچھا چھوڑا ہے۔ لیکن اسی لمحے وہ اپنی چاکلیٹ کھرکی ساڑھی کا پلو بے ترتیب کندھے پر ڈالے سینڈل تھپتی اندر آگئی۔

ہیلا کامران نے سب کو نظر انداز کر دینے والی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

آداب..... وہ لا پرواہی سے ادھر ادھر کچھ تلاش کرنے لگی۔

کیا ڈھونڈ رہی ہو۔ کامران نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

میرا پرفیوم گم ہو گیا ہے۔ اس نے بے حد پریشانی سے کہا۔

تمہارے پرفیوم کے پاؤں تھے جو چل کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ شمید نے لا پرواہی سے ٹاک چڑھائی تو وہ خاموشی سے ادھر ادھر کارلس اور ٹیبل پر ہاتھ مارتی رہی۔

جو پچھلے ماہ تمہارا سونے کا نکلس گم ہو گیا تھا تب تو تم اتنی پریشان نہ تھی۔ عدیل نے محورتوں کی طرح ٹانگ اڑائی۔

تم کون ہوتے ہو دخل اندازی کرنے والے۔ ہونہ..... فوزیہ نے حیلے انداز سے منہ موڑ لیا۔

شٹ اپ وہ چلا پڑی۔ میڈ گرل رانی نے ایک دم کہا تو اس نے پاس پڑی سننگ ٹیبل کا فوم اٹھا کر اسے دے مارا۔

میں تمہیں پاگل نظر آتی ہوں۔ وہ غصے سے سرخ ہو گئی ادو ایڈیٹ۔ ال منیرڈ فوزیہ بری طرف غصے میں تھی کیا یہ پاگل پن نہیں ہے۔ کامران شمید نے آہستہ سے پہلی بار کامران سے پوچھا تو اس نے مڑ کر سخت نظروں سے شمید کی طرف دیکھا۔

نہیں یہ پاگل پن نہیں غصہ ہے۔ کامران نے کرخت آواز میں کہا اور روٹی کو شانوں سے پکڑ کر صوفے پر دھکیل دیا۔

میں پہلے ہی پریشان ہوں اگر انہوں نے..... اس نے کھا جانے والی نظروں سے سب کی طرف دیکھا اور منہ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

تم آرام سے بیٹھو۔ کامران نے اسے تھکی دی اور سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

فلش گرل..... عدیل نے اسے گھورا اور سب باہر نکل گئے۔

کامران میرا پرفیوم بہت قیمتی تھا۔ روٹی دل برداشتہ تھی۔ کیا قیمت تھی اس کی.....

اس کی قیمت پیار..... اس کے آنسو بہہ نکلے۔ پیار کامران نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا مطلب وہ پرفیوم میری فرینڈ نے بڑی چاہت سے برتھ ڈے پر مجھے پریزنٹ دیا تھا۔ وہ کامران کے شانے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رو پڑی ادو تو یہ بات ہے۔ کامران نے اس کے بال سلائے۔ وہ بچوں کی طرح اچکیاں لے رہی تھی۔

اب تمہاری برتھ ڈے کب ہے۔ پینس آکٹوبر کو۔ اس نے انگ ہو کر منہ بسورا تو کامران نے جیب سے روٹل نکال کر اس کے آنسو خشک کیے۔

تو اب کی بار میں تمہیں اس سے بھی زیادہ چاہت سے دوسرا پرفیوم لا دوں گا۔ سچ۔ روٹی نے شوق اور چاہت آنکھوں میں سیٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ چاہت سے دو گے نا۔

ہاں بڑی چاہت ہے۔ کامران نے ایک نظر اس سر پھری لڑکی کی طرف دیکھا۔ تم جانتی ہو چاہت کیا ہے۔ یس آئی نو۔ وہ سمجھداری سے پلکیں جھپک کر بولی تو پھر تم تسکین لاج کے باسیوں

ہاں بڑی چاہت ہے۔ کامران نے ایک نظر اس سر پھری لڑکی کی طرف دیکھا۔ تم جانتی ہو چاہت کیا ہے۔ یس آئی نو۔ وہ سمجھداری سے پلکیں جھپک کر بولی تو پھر تم تسکین لاج کے باسیوں

کر رہا تھا۔ اس لمحے اس کی نظر دور جانی ساڑھی میں ساوہ چہرہ لیے ٹی وی کے سامنے بیٹھی روہی پر پڑی تو خود بخود اس کے لب مسکرائے۔

کم آن کامران، سعدیہ نے تاش کے پتے بانٹنے شروع کر دیے تو کامران نزدیک ٹکر بیٹھ گیا۔

بے ایمانی تو نہیں کریں گے۔ سعدیہ نے دور بیٹھی روہی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم جو کھیل کھیلے ہیں۔ ایمانداری سے کھیلے ہیں کامران کچھ کچھ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔

دل سے کہہ رہے ہیں۔ سعدیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو وہ پتے سینے لگا۔

جی نہیں میں زبان سے کہہ رہا ہوں۔ سائینس سائینس پلینز.....

وائی..... شملہ نے گھوم کر روہی کی طرف دیکھا جو ٹی وی پر بڑی دلچسپی سے غزل سن رہی تھی۔

تیری خوشبو کو مرے دل میں سجانے نکلا گل مستب تجھے مجھ سے ماننے نکلا

اونسہ..... رائی نے بیٹھ کی طرح منہ بسورا کیسی اچھی غزل ہے۔ روہی نے ٹی وی کی آواز بلند کر دی۔

خاک اچھی ہے۔ سعدیہ نے پتے سینے کم آن کامران۔

میرا خیال ہے۔ غزل اچھی ہے پہلے سن لیں، کامران سعدیہ کے چہرے پر شک کے اندازے بادل چھوڑ کر روہی کے نزدیک چلا گیا۔

اوہ نو، کم آن عدیل، سعدیہ جھنجھلا گئی۔ چلو چھوڑو بھی۔ مونا لڑائی سے بھاگتی تھی۔

یہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔ کامران نے سر چڑھا رکھا ہے۔

کی چاہتیں سمیٹ لو روہی۔ کامران نے اس کے بال سمیٹ کر اچھال دیے۔ چاہت کے رنگ ایک ایک کر کے بکھر گئے ہیں۔ کامران میں اب انہیں کیسے اکٹھا کروں۔ وہ غم انگیز لہجے میں بولی تو کامران خاموش سا اس عجیب سی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ جو بظاہر نفرتوں کا مرقع نظر آتی ہے مگر جس کے اندر پیاری پیار بھرا تھا۔

کوئی نہیں جو دکھ بانٹ لے اس بھرے شرم میں میں جو ہوں روہی میں تمہارے دکھ بانٹوں گا۔ میں چاہتیں اکٹھی کرنے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

کامران نے جبکہ کر اس کے ریشمی بال چوم لیے اور روہی کی آنکھوں کے کنول پہلی بار پوری سچائی سے مسکرائے موسم ایک دم پر لطف تھا۔ آکاش کے بادل چاند ستاروں سے آنکھ پھولی کھیل رہے تھے۔

تب ہی تھوڑی دیر میں بارش شروع ہو گئی۔ تو وہ برآمدے میں سے اٹھ کر اندر آگئی اور ٹی وی آن کر کے سب سے الگ بیٹھ گئی وہ شاید تاش کھیل رہے تھے۔ وہ مارا شملہ نے کافی کی چسکی لے کر پتے پھینکا ذرا آرام سے بھی۔ مونا نے تشویش سے اپنے

پتوں کی طرف دیکھا۔ شملہ تم بے ایمانی کرتی ہو۔ مونا نے پتے پھینک دیے اور کافی کا کپ اٹھا کر قالین سے صوفے پر آگئی۔

ہاں تھوڑی سی بے ایمانی میں نے بھی دیکھی ہے۔ سعدیہ نے پتے سمیٹ لیے۔

تم بڑی جلدی بھانڈا پھوڑ دیتی ہو۔ شملہ نے اس کے چنگلی لی۔

کامران آؤ تا ذرا تاش کھیلیں۔ سعدیہ نے کامران کو آواز دی جو تیزمل سے کسی بات پر بحث

مناستی کہانی لاہور 132 ص 2015ء

کمرے میں سرگوشیاں ابھریں۔ غزل ختم ہو رہی تھی۔ روہی کے دل سے شعلے نکل رہے تھے۔ اور ان کی شعائیں کامران نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیں۔

لب کے برسات سے دل جلنے لگے سب سلون اس بار جیب آگ لگانے لگا ایک دم بومس.....

روہی ہوا کے ایک جھونکے کی طرح اٹھی۔ اور باز کی طرح تاش کے پتوں پر جھپٹ پڑی سارے پتے ہوا میں اڑ کر پورے کمرے میں بکھر گئے۔

کھیلو اب کھیل کر دکھاؤ۔ وہ پھری ہوئی شیرنی کی طرح دھاڑی۔

میز گرل..... تنزل کھڑا ہو گیا۔ اپنی کیٹس چھو کر نہیں گزرے قریب سے پاگل ہو گئے ہو تم۔ روہی نے نوم اٹھا کر مارا تو تنزل غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا۔

باپ رے باپ..... عدیل بھی تنزل کے پیچھے ہو لیا۔ سعدیہ نے غصے سے تیریاں چڑھا کر اسے دیکھا۔ اس پر تو بس ہر وقت کوئی بھوت سوار رہتا ہے۔ اس لیے تو کہتی ہوں منہ نہ لگایا کرو۔

مسٹر سدھارتھ آپ کی ساری کوششیں بے کار ہیں۔ شیلہ نے طنز سے کہا تو وہ دھڑام سے قالین پر گر پڑی اور سب باہر نکل گئیں۔ بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے قالین کو گھور رہی تھی کامران نے قالین کے رنگ کی سرنخی اس کے چہرے پر بھی دیکھی۔ وہ روہی کے نزدیک قالین پر بیٹھ گیا۔ یہ لوگ مجھے کیوں ستاتے ہیں۔ اس کے لیے میں بے بسی تھی۔

اس لیے کہ تم انہیں ستاتی ہو۔ کامران نے

پانکھیں پھیلا کر صوفے سے ٹیک لگائی تو روہی نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا وہی ایک شخص تھا جس کے لیے میں اس نے اپنے لیے ہمدردی اور نرمی پائی تھی۔ ایک وہی تو تھا جو اس کو اداس دیکھ کر اداس ہو جاتا تھا۔

میں ستاتی ہوں۔ اس نے ریشمی پلکیں جھپکائیں تو آنسو نکل گئے۔

ہاں..... ہاں تم روہی تم اپنے احساس محرومی سے باہر آ کر کبھی ان سب کی خواہشات کا بھی تو احساس کرو۔ کامران کا لہجہ نرم اور سمجھانے کا تھا۔ یہ سب بھی مجھ سے محبت نہیں کریں گے۔ تم کب ان سے محبت کرتی ہو۔

کامران..... اس نے سختی سے گلابی ہونٹ کاٹ ڈالے۔ میں اتنی گھٹیا نہیں ہوں۔

محبت کرنا گھٹیا پن نہیں ہے۔ میں نے بھی تو تم سے محبت کی ہے تمہاری محبت کی پروا کیے بغیر کامران..... اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جس کی براؤن آنکھوں میں نمی تھی۔ روہی۔ چاہتوں کے سواے نہیں کیا کرتے۔

اس نے روہی کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔

تمہاری وجہ سے میری کتنی انسلٹ ہوئی ہے۔ کامران نے شکایت عبوری نظروں سے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ واقعی اس کی وجہ سے کامران کی اتنی انسلٹ ہو گئی تھی کہ سب کامران کو طنز کر رہے تھے۔

وعدہ کرو۔ ایسی حرکت پھر نہیں ہوگی۔ کامران نے اسے خاموش دیکھ کر اس کا سراٹھایا۔

میں وعدہ کرتی ہوں کامران تمہاری خاطر اور صرف تمہارے لیے آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ لیکن یہ لوگ مجھے وہ مقام نہیں دیں گے جو میرے

ابو نے میری امی سے شادی کر کے منوا دیا ہے۔ وہ سبک اٹھی۔

یہی تو تمہاری بھول ہے۔ تم ماضی کی تھنوں کو فراموش کر کے اپنے مستقبل کو رنگین کرنے کے لیے ان لوگوں سے رنگا رنگ خوشیاں مانگو۔ کامران تم نہیں جانتے میری امی کیسے سبک سبک کر مریں۔ ابھی تک ان کی کھانسی کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے۔ میری امی نے ان سب کی بہت خدمت کی مگر صلہ کیا ملا ان کو۔ اذیت ناک موت اور مجھے ذہن کی الجھن طے، جھڑکیاں، احساس کمتری، بے رخی جو زندہ درگور کرنے کے لیے کافی ہیں پھر بتاؤ میں اپنے ماضی کو کیسے بھول جاؤں۔ میری خاطر میرے بھروسے پر کامران نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کامران انہوں نے مجھے اٹھارہ سال تک عزت کی آگ میں جلا لیا ہے۔

یہ دنیا بڑے بڑے بڑا صدمہ سہ لیتی ہے۔

کامران نے آہستہ سے کہا۔

حیات کیا ہے اگر تلخی حیات نہیں۔

وہ زندگانی کیا جس میں حادثات نہیں۔

کامران نے اپنا چہرہ اس کے ریشمی بالوں میں

چھپا لیا۔ وعدہ کرو روٹی کامران نے ہاتھ پھیلایا تو اس

نے آنسوؤں سے تر ہاتھ کامران کے ہاتھ میں دے

دیا۔

کامران نے تسکین بیگم سے صاف صاف کہہ

دیا کہ روٹی سے سب کو پیار کرنا ہو گا۔ اس کی

طرف توجہ دینی ہو گی۔ اور ماضی کی اذیت ناک

نقوش مٹانے کے لیے ہمارے ذہنوں پر پیار کا مرہم

رکھنا ہو گا۔ اب تسکین بیگم نے بھی اسے

کی طرف مبذول کر دی۔ آخر ان کے سب سے عزیز بیٹے کی نشانی تھی۔ وہ پیار جو برسوں سے دل

کے کونوں میں چھپا کر رکھا تھا اس پر نچھاور کر دیا۔

روٹی نے بھی خود کو بدنا شروع کر دیا۔ سب

کی محفلوں میں بیٹھا کرتی۔ وہ سب دھیان نہ بھی

دیتے تو خاموشی سے مسکراتی رہتی۔ اور جب اس کا

ذہن جھنجھلا جاتا تو کمرے میں آکر دل کا بوجھ ہلکا کر

لیتی۔ اس نے دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا۔ سب

سے نرمی کے ساتھ بات کرتی۔ صاف ستھرا لباس

پسنتی، سلیقے سے پیش آتی اپنے کزنز کی محفلوں میں

شریک ہوتی۔ اگر وہ کوئی بات کہہ بھی دیتے تو

سانے منھے کامران آنکھوں کی جنبش سے اسے

خاموش رہنے کا اشارہ کرتے۔

تسکین لاج کے سب ہی لوگ اس کے تغیر پر

انگشت بندھاں تھے۔ اور وہ خاموشی اور سنجیدگی کے

ساتھ زندگی کے معمولات پر رواں دواں تھی۔

ایک روز تسکین لاج میں میلاد کرایا گیا۔ تو

سفید کپڑوں میں سادہ سا معصوم چہرہ لیے سپارہ پڑھتی

وہ کامران کو بہت پاکیزہ اور مقدس لگی دعا مانگتے

اسے روتے دیکھ کر کامران کی آنکھیں بھی بھگی

گئیں۔

کیا مانگا تم نے۔ انہوں نے میلاد کے بعد پوچھا

تو وہ خاموش رہی۔ تم رو رہی تھیں دعا مانگتے ہوئے

تم دیکھ رہے تھے۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں..... میں بھی دعا مانگ رہا تھا۔

کیا مانگا تم نے.....

میں نے تو سب کچھ اپنے لیے مانگا ہے۔

میرے لیے کچھ نہیں۔ وہ بچوں کی طرح پوچھ

اوں ہوں..... میں نے اپنی زندگی کی ڈگر پر روٹی کا ساتھ مانگا ہے۔ کامران نے بے دھڑک کہہ دیا تو وہ پہلی بار شرما گئی۔ اچھا تو ہم سے شرمانے لگیں۔ اچی ابھی نہیں جناب پہلے گل جان سے مشورہ تو کر لینے دو۔ کامران نے جھک کر اس کے بال چوم لیے۔

روٹی لیے ریشمی بال کمر پر ڈالے بند پر بے ڈھنگے انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے میگزین پڑھنے میں محو تھی۔ دھیمی دھیمی چارلی ریڈیو کی مخصوص خوشبو گھٹاؤں جیسی زلفیں کچھ کمر پر اور کچھ بند پر بے ترتیب سی ہو رہی تھیں۔ کامران دل تھام کر رہ گیا۔ وہ ابھی تک متوجہ نہ ہوئی تھی۔ کامران نے قریب آکر گلاب کی کھلی نکال کر اس کی دو دھلیا پستانی پر گدگد کی تو روٹی خلاف توقع خاموش رہی۔ پھر بڑے اطمینان سے ریشمی پتلون کی چٹن اٹھا کر کامران کو دیکھا اور پھر میگزین پڑھنے لگی۔

کیا میں بیٹھ جاؤں۔ کامران نے اس پر جھک کر کہا۔ تو اس نے میگزین میز پر رکھ دیا۔ ناراض ہو گیا.....

بست..... اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ اتنے دن سے کہاں تھے۔

گل جان کے ساتھ لاہور گیا تھا۔ کسی کی شادی تھی تو بتا کر جاتے۔ وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں آیا تھا تم کالج گئی ہوئی تھیں۔ کامران نے پھر صفائی پیش کی۔

تو وہ ہنس پڑی۔ تو غصہ ختم ہو گیا۔ میں نا۔

تو اور کیا تم تو صاف بچ نکلی۔ حالانکہ میرا پروگرام ایسی بورڈنگ ہائی کر کے کا تھا۔ وہ دیکھ کر انداز

میں بچ بول رہی تھی۔

اب بیٹھ جاؤ۔ کامران ابھی تک کھڑا تھا۔

ہاں۔ وہ ہنس پڑی۔

اچھا اب منسل بند کرو۔ اور یہ لو، کامران نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

یہ کیا ہے۔ اس نے پیکٹ لے کر سواپہ نظروں سے دیکھا۔

"اٹ از یور برتھ ڈے پریزنٹ"

برتھ ڈے.....

آج پچیس اکتوبر ہے نا۔

ہاں میں مر جاؤں۔ وہ ہنگامہ خیز انداز میں ہنس پڑی۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ لیکن میں نہیں بھولا چلو اٹھو تیار ہو جاؤ تم سے ریٹ لینے کا پروگرام ہے۔ لمبی سیر کریں گے اچھا تو تم میرا برتھ ڈے منا رہے ہو۔ وہ بے ساختہ انداز میں خوش ہو رہی تھی۔

بالکل جلدی نیچے تو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ تب کامران نے جاتے جاتے مڑ کر دیکھا وہ جھکی ہوئی ریڈیو کو چوم رہی تھی۔

ہلکے گلابی رنگ کے کپڑوں میں ادھ کھلے ریشمی بال لیے اسے میز پر اترتے دیکھ کر کامران حیران رہ گیا۔

کم آن۔ کامران اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

میں نے ریڈیو لگا لیا ہے۔ اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتی ہی کہا۔

اچھا..... کامران نے اپنا چہرہ اس کے بالوں میں چھپا لیا تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔

بھئی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اور اس نے اسپینا

میں صبر ہے۔

تمہیں پتہ ہے۔ اس میں میری چاہت کی خوشبو ہے۔ کامران نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

اوپر کامران..... وہ سیٹ پر اچھل پڑی اور کھڑکی سے آنے والی ہوا میں اس کے ریشمی بال لہرا گئے۔

مجھے معلوم ہے تم بہت خوش ہو۔

خوش..... روٹی نے دونوں ہاتھ فرط مسرت سے بھینچ لیے۔ تمہیں معلوم ہے خوشی کیا ہوتی ہے۔

اوں..... ہوں..... پلیز ٹیل می.....

خوشی ایسے احساس کو کہتے ہیں جو حاصل ہو جائے تو تن بدن میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ دل خلاؤں میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ اور زمین کے درہچکے وا ہو کر ارد گرد بھری ساری طہائیت سمیٹ لیتے ہیں۔

وہ اپنے ختائی ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھے جانے کن سپنوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ تب کامران کا دل چاہا اس نازک سی بے ضرر لڑکی کو تسکین محل سے دور لے جائیں جہاں اسے تسکین حاصل نہ تھی۔ کتنی خوبصورت باتیں کرتی ہو تم۔ کامران نے اس کی باتوں میں کھو کر بے ساختہ کہا۔

تم نے کبھی اتنی خوشی محسوس کی ہے۔ روٹی نے کامران نے گلاب کے کبج سے ایک کلی اتار کر اس کے بالوں میں لگا دی تو روٹی کو لگا جیسے وہ واقعی خلا میں پرواز کر رہی ہو۔

ہاں..... ہاں کامران ابھی ابھی مجھے یوں لگا جیسے جیسے..... اور وہ ہنس پڑی اور ایک کلی اتار کر کامران کے کار میں لگا دی۔ تب وہ ڈھیر ساری سیر کر کے تسکین ارج واپس آئے تو روٹی بے حد

خوش تھی۔

دن یونہی گزر رہے تھے۔ روٹی اور تسکین لانج کے کینوں کی اجنبیت ختم ہوتی گئی۔ وہ سب میں گھل مل گئی سب پر دے اٹھ گئے۔ اور نفرتوں کا مصنوعی خول اتار کر روٹی سب پر پیار بھجوا کر دے لگی تب وہ دل ہی دل میں کامران پر عقیدت کے پھول بھجوا کر دیا کرتی جس نے اسے یہ خوشی دی تھی ورنہ وہ تو سب اپنوں کے درمیان بے گانہ سی تھی۔ کامران تین ماہ کے لیے ضروری کام سے

کراچی چلا گیا۔ اور وہ کچھ اداس سی ہو گئی۔ پھر ان سب کی باتوں اور شرارتوں میں بہل سی گئی تھی۔ امتحان ختم ہو گئے اور وہ سارا دن مونا کے ساتھ بیٹھی کھانا پکانے کی ترکیبیں سیکھا کرتی یا پھر کبھی کبھی اپنی اپنی فیوض پر کڑھائی کرتیں۔ اور کبھی کبھی بینڈ مشن یا نیبل ٹینس کے کھیل ہوا کرتے۔ وہ ان سب میں گھل مل گئی۔ جیسے کبھی ماضی میں تلخ باتیں ہوئی تھیں نہ ہوں۔

آکاش پر کہیں کہیں بادل آنکھ بھولی کھیل رہے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا جیسے آسمان کی پگڈنڈیوں پر رقص کر رہے ہوں۔ ایسے میں کامران گاڑی سے اتر کر امرود کے بیج کے نیچے سے ہوتے ہوئے لان میں آگیا۔

ریڈ سو فیسی کی چینٹ اور بلیک شرٹ نیس ریڈ کیپ اوڑھے مونا کے ساتھ نیبل ٹینس کھیل رہی تھی۔ ہلکی ہلکی خنک ہوا میں اس کا رنگ چمک رہا تھا۔ مسلسل کھیل سے گل سرخ ہو رہے تھے۔

تو تم نے خود کو سمجھ لیا روٹی کامران نے سوچا کامران بھائی..... مونا دور سے چلائی تو روٹی نے اس کی براؤن آنکھوں میں خوشی کی کرنیں صاف چمکتی

دیکھیں۔

پیلو گر گر ہاؤ آر یو۔ کامران نزدیک جا کر کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ ہنس پڑی۔

بڑی خوشی ہوئی ہے آپ دونوں کو اکٹھا دیکھ کر کامران نے مونا کو چوت کی۔

اوہ کامران بھائی۔ روٹی تو اب اچھی ہے۔

شکر ہے آپ کو معلوم تو ہو گیا۔

کامران ہم دراصل اپنے اپنے خول میں بند

ہیں۔ جب اس خول کو اتارتے ہیں تو حقیقت کو

سمجھ لیتے ہیں۔ روٹی ریکٹ رکھ کر اس کے ساتھ

والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ میرے جانے کے بعد فلسفی ہو

گئیں۔ کامران نے نشی نظروں سے اس کی طرف

دیکھا۔

ارے کامران بھائی۔ روٹی نے فرسٹ ڈوین

میں بی اے پاس کر لیا ہے۔

سچ یہ حادثہ کب ہوا۔ کامران بے حد خوش

تھا۔

پچھلے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر..... مونا

اس کی خوشی میں خوش ہوتے ہوئے ہوئی۔

بڑی زبردست نیوز ہے۔ کامران نے تالی بھائی

تو روٹی نے سر جھکا لیا۔ وہ کتنا عرصہ ان لوگوں کے

پیار سے محروم رہی۔ آج اسے بے حد خیال آ رہا

تھا اور اپنے رویے پر بھی پشیمان تھی۔

یہاں تو صدیوں کے چکر چل رہے ہیں۔ مونا

اس کے بعد دو ماہ کی روئیدار سنا رہی تھی۔

کس کس کو ہو رہی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ کی ہو گی۔

ویری گڈ..... کامران نے روٹی کو دیکھ کر کہا۔

تو وہ شہرہ کر اٹھنے لگی لیکن مونا نے پکڑ لیا۔

کہاں محترمہ۔ ابھی تو ٹریٹ کا فیصلہ ہو گا۔

کیوں ان کی شادی بھی طے ہو گئی۔ کامران

نے شرع نظروں سے روٹی کی طرف دیکھا۔

ابھی نہیں۔ ویسے غریب مونا نے سرگوشی کی

فی الحال تو پاس ہونے کی ٹریٹ لیں گے۔

کب.....

بس آپ کا انتظار تھا۔ مونا نے آنکھیں

مٹکائیں۔ مگر تمہیں ٹریٹ دے کون رہا ہے۔ روٹی

نے ہنس کر کہا۔

کیوں..... کیوں تم دے رہی ہو۔ شمیلہ نے

پچھنے سے اس کے بال پکڑ لیے تو وہ شمیلہ کی اچانک

آمد پر گھبرا گئی۔

اچھا میرے بال تو چھوڑو۔ اس نے بالوں کو

سکاف میں باندھتے ہوئے کامران کی طرف دیکھا۔

جہاں خوشی کی ایسی رعنائی تھی جس پر وہ پوری

کائنات قریان کر سکتی تھی۔

دیکھو نا یہ لوگ پکچر کے بعد انٹر کائی نینٹل میں

ڈئر مائٹ رہے ہیں۔ اس نے کامران کی طرف دیکھ

کر شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

تو کیا ہوا..... شمیلہ نے منہ بنایا۔

ابھی کچھ نہیں ہوا۔ میری پاکٹ کی طبیعت نا

ساز ہے بھی۔ اس کے انداز پر سب ہنس پڑے۔

چلو روٹی کے پاس ہونے کی خوشی میں ٹریٹ

ہم دیں گے۔ کامران کے فرائڈ لانے اعلان پر سب

ہی خوش ہو گئے۔ اور باقی پارٹی کو بلانے اندر کی

طرف بھاگے۔ روٹی صرف تسماری خاطر۔ کامران

اس کی طرف جھکے وہ تو ہو ہی گئی تم سے محبت درنہ

ہم وہ خود سر ہیں کہ اپنی بھی تمنا نہ کریں۔

روٹی نے اس کی براؤن آنکھوں کو دیکھ کر

پلکیں جھپک دیں اتنے میں وہ سب قریب آگئے۔
 کائنات کتنی حسین کتنی دلکش ہے۔ اس نے
 اپنے ڈھیر سارے کزنز کے درمیان چلتے ہوئے ہادی
 سادگی سے سوچا دور ستارے اس کی تمناؤں کی طرح
 آنکھیں جھپک رہے تھے۔ ہال پر ہر طرف رنگ و بو
 کا سیلاب اٹھ رہا تھا۔

میری آسودگی تو انہی لوگوں میں ہے۔ میری
 امتگوں کے پھول انہی لوگوں کے درمیان کھلتے
 ہیں۔ اسے اپنی آرزوؤں کی خوشبو آس پاس اڑتی
 ہوئی محسوس ہوتی۔

کتنا خوشگوار تھا کامران کے ساتھ ان لوگوں
 کے ہمراہ گھومنا پھر وہ سارے ہال کی سیر کر کے گاڑی
 میں شخص گئے۔

اجھاڑا حانڈ۔

کامران نے انہیں تسکین لانج اتار دیا۔
 شکریہ.....
 تمینکس.....

اور گاڑی فرارے بھرتی نکل گئی۔

کامی وی گریٹ..... عدیل نے داد دی۔

واقعی تم لوگوں سے تو ایسی امید ہرگز نہیں کی
 جاسکتی۔ سعدیہ نے فخر سے کہا اور اندر چلی گئی۔

روہی کلیوں کے نیچے نیچے بچے بچے پر بیٹھ گئی۔ اور
 سکون کا لمبا سانس لیا تو آس پاس کی خوشبو اس کی
 ناس میں سما گئی۔ اچانک مونا نے آتے ہی اس
 کی زانوں کو درست کیا تو اس نے اپنی سیاہ آنکھیں
 جھپک دیں۔ مونا جانے کیا کہنے والی ہے۔ مجھے کیا

پتہ ہے اتنی بھولی نہ ہو۔ مونا نے اسے اس طرح
 اپنی طرف دیکھتے پا کر کہا۔ گھر بھر میں جو کانفرنس ہو
 رہی تھیں مجھے معلوم نہیں۔ میں ان سبازشوں سے

بالکل کنارہ کش ہوں۔ روہی نہیں۔
 یہ جو سات سمندر پار سے کامران آئے ہیں
 نا۔ مونا اس کے اور نزدیک ہو کر بیٹھ گئی۔

ہاں..... کیا ہے پھر انہیں.....
 شادی کرانے آئے ہیں۔ مونا نے گویا بہت بڑا
 انکشاف کیا تو اس نے سیٹڈل اٹھا کر وہ کیل تلاش
 کی جو اس کے مسلسل چہرہ رہی تھی۔

کس سے کریں گے میرج اس نے بالکل لا
 شعوری طور پر سوال کیا۔
 تمہیں نہیں معلوم۔ ان کی بات تو بچپن سے
 سعدیہ کے ساتھ ملے ہے۔

اس نے چونک کر مونا کی طرف دیکھا۔ اوہ
 روہی یہی وہ شخص ہیں جن کے لیے تم نے اپنی روح
 تک کو بدل ڈالا۔ اس نے بہت عرصے کے بعد
 تحریبانہ انداز میں سوچا اور سینڈل میں کیل تلاش
 کرنے کو ہاتھ پھیرا۔

اتنا عرصہ شادی اس لیے رکی رہی کہ دادی
 حضور کے حکم کے تحت کامران کو تہناری اصلاح
 کرنا تھی۔ مونا نے اس کو تمام تفصیل بتائی۔

کیا بات ہے کیل نہیں ملی۔ مونا نے اس کے
 ہچکے سر کو دیکھا تو..... کیل تو مل گئی ہے۔ روہی
 نے دل میں اٹھتی جھجھکی کو دباتے ہوئے مونا کی
 طرف مسکرا کر دیکھا۔ تم خوش ہونا تمہاری بات تو
 شاید عدیل سے..... مونا ڈیز چلو اندر چلو۔ وہ کانپتے
 وجود کو سنبھالتی اندر کو بڑھ گئی۔

ہیڈ پر گر کر وہ بڑی مدت کے بعد نیچے میں منہ
 دے کر سسک پڑی۔ آج بہت دنوں بعد اس
 کیسکڑے کا، رواڑہ بند تھا۔ ساری رات کرب ناگ
 وچیں اسے منظر پر لیتے۔ اور سوچوں سے

کرب سے بچنے کے لیے چادر مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ لی۔

تو یہ تم تھے کامران جو مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ مجھ پر خوں اتارتے وقت تم نے خوں کیوں پین لیا۔

کافی تم نے کتنا بڑا عو کا کیا میرے ساتھ۔ میرے دل میں چاہتوں کا ایسا عبادت خانہ تعمیر کر دیا جسے میں نہ توڑ سکتی ہوں اور نہ چھوڑ سکتی ہوں۔ تم تو میرے دیوتا تھے اور دیوتا تو اپنی پجاریوں کو ناراض نہیں کرتے اف اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور اوندھے منہ تکیے پر گر پڑی۔

کتنے جان لیوا ہوں گے وہ لمحے جب تم سجدیہ کو لے کر چلے جاؤ گے۔ پھر میں کس برتے پر چاہت کی تصویر بناؤں گی۔ تم..... تم کامران ڈاکٹر کی رہے انسان نہ بن سکے۔ تم ہمدردی کرتے رہے محبت نہ کر سکے۔ تو پھر وہ قہقروں کی بے تحاشا دیر کیا ہوئیں۔ وہ تمہاری آنکھوں کی مقناطیسی کشش کیا ہوئی۔ جس نے مجھے بے ساختہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ کس دور اسے پر کھڑا کر دیا مجھے نہ میں مڑ کر پیچھے جا سکتی ہوں اور تمہارے سارے کے بغیر آگے تو میں جابی نہیں سکتی۔ اس کی لامتناہی سوچوں نے اسے اذیت ناک حالات میں جگائے رکھا۔

دل و دماغ کی جنگ میں دونوں ہار جاتے اگر دوسری شام وہ ان سب کے قہقروں میں شامل نہ ہو جاتی۔ بیٹھو عدیل..... اس نے کہا اور قالین پر بیٹھ کر سروے پر رکھ دیا۔

کیا بات ہے سارا دن تم باہر نہ نکلیں۔ مونا اس کے قریب آگئی اور دور بیٹھ کر کامران نے دیکھا اس کے منہ پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

کی شکلیں کسی زبردست غم کی غمازی کر رہی تھیں۔ کچھ نہیں مونا ڈیر ذرا طبیعت پریشان ہے۔ کیوں.....

بعض پریشانیوں بلا وجہ ہوتی ہیں۔ اس نے سر جھکا کر آنکھیں موند لیں۔

یہ بات ماننے والی نہیں۔ عدیل نے جھک کر فور سے اس کی طرف دیکھا۔

دیکھو نہ عدیل جس بات پر پریشان نہیں ہونا چاہیے پھر بڑی پریشان ہو جائیں تو پریشانی بلا وجہ ہے نا۔

کامران نے چونک کر اس کے چہرے پر غم کا لہراتا سایہ دیکھ لیا۔ جب تم جانتی ہو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ پھر یہی تو میری کم عقلی ہے کامران۔ اس نے کامران کی بات کاٹ دی تو وہ چونک پڑا..... سنا ہے کامران کے پاس بہت عقل ہے۔ تھوڑی سی لے لو۔ ٹھیلہ نے اسے کافی کا گرم کپ پکڑا دیا۔ کوشش تو بہت کی تھی مگر میں بڑی کمزور ہوں۔ اس نے کپ منہ سے لگایا۔

تم کیا سوچ رہی ہو روٹی۔ کامران نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی کشش کا اندازہ لگایا چاہا میں سوچ رہی ہوں میں نے اب تک اتنا غلط نہیں سوچا۔ اس نے کافی کا کپ رکھ کر بازو گھٹنوں میں رکھ کر سر بازوؤں میں چھپا لیا تو مونا اس کے قریب آگئی۔ اتنے میں عدیل نے بہت پیارا گانا گایا دیا۔

دل میں کسی کے پیار کا جہا ہوا دیا۔ دنیا کی آنکھوں سے بھلا یہ مجھے لگا گیا۔ روٹی نے سر ٹپک کر جاتے ہوئے کامران کی طرف دیکھا اور اس کے منہ پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

سی تھی۔ اور کامران..... بے ساختہ روٹی کے منہ سے نکلا۔

پتہ نہیں کامران نے یہ فیصلہ کیسے کیا۔ کیا واقعی کالی تم سے محبت کرتے ہیں روٹی۔ مونا نے آہستہ اور حیرت سے کہا۔

پتہ نہیں۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔
دیئے تم خوش قسمت ہو کہ کامران جیسے شخص کو تم سے شادی کرنے پر اصرار ہے۔ مونا نے خوش ہو کر کہا۔ اور سعدیہ.....

اسے تو خیر بہت دکھ ہے۔ مونا نے کہا اور گھٹی کی آواز سن کر باہر کی طرف چلی گئی۔
ملکے سے سائے بلند ہوئے تو کامران کی کار تیزی سے تسکین منشی کے پورچ میں داخل ہوئی۔
روٹی کدھر ہے۔ انہوں نے برآمدے میں ہی عدیل سے پوچھا کیا بات ہے کامران۔ مونا بھاگی ہوئی آئی۔

روٹی کہاں ہے کامران نے گھبراہٹ سے پوچھا۔ اپنے کمرے میں ہو گی صبح سے نہیں نکلی شاید بخار ہے۔ عدیل نے کہا۔
یہ..... یہ خط۔ کامران نے گھبراہٹ سے خط مونا کو پکڑا دیا یہ کریم دے لیا تھا۔

مونا نے جلدی جلدی خط کی تہہ کھولی۔

مائی ڈر کامران

پیار کی قسمت میں جدائی قبول کریں

جانتے ہو زمین کچھ درتےچے وا ہو کر موت کی طمانیت کو سمیٹ رہے ہیں۔ میری چاروں طرف چاہتوں کے رنگ بکھرے پڑے ہیں میں ان رنگوں کو تمہاری مدد سے ہی سمیٹ سکی اس لیے تمہاری

سانس کی شکل میں باہر نکال دیا۔

پلیز عدیل اسے بند کرو۔ اس نے کپ پھر اٹھا لیا تو عدیل نے ٹیپ بند کر دی۔

پھر کامران نے صاف صاف سعدیہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ میں شادی کروں گا تو صرف روٹی سے۔ کامران کے اٹل فیصلے کے آگے گل جان جھٹلا اٹھیں۔

تمہیں اس کے علاج کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔
مائی کے لیے نہیں۔

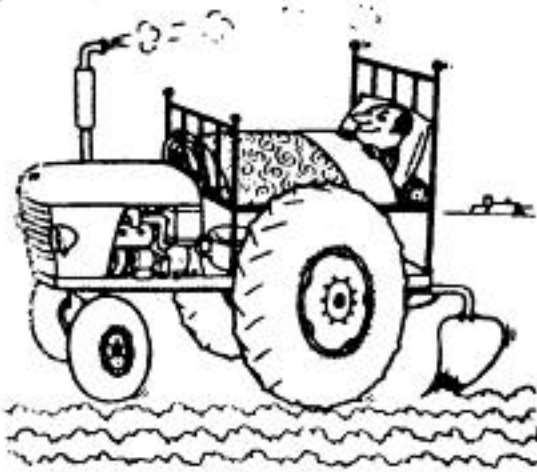
گل جان میں نے روٹی کا علاج نہیں کیا۔ اس نے محبت کی ہے اور یہی محبت اس کا علاج ہے۔
اب آکر آپ سب نے اس سے زیادتی کی تو ایک بار روہ بکھر جائے گی۔ تب بیٹے کے عزم کے آگے جان ہار گئیں اور پھر تسکین بیگم بھی یہ سن کر شش ہو گئیں آخر وہ ان کی پوتی تھی۔ گل جان نے یہیں تھیں روٹی مونا نے کمرے میں داخل ہو کر اس سے سرگوشی کی تو اس نے ناول پر جھکا پریشان و اٹھایا۔

کیوں کیا انوکھی بات ہوئی۔
تمہارا رشتہ مانگتے آئی تھیں۔

میرا رشتہ..... ناول اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔
ہاں کامران نے سعدیہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ روٹی کو کچھ بجھائی نہ دیا کہ وہ کیا رہی ہے۔

اور سعدیہ رو رہی ہے۔ مونا کے الفاظ اس نے کانوں میں پڑے تو وہ خوش کن خیالات سے مٹی۔ سعدیہ کیوں رو رہی ہے۔

اسے کامران سے محبت ہے۔ بچپن سے اس کو اس سے ملے تھی۔ گل جان بھی بھیجی بھیجی



منگور ہوں تم کہتے تھے نا چاہتوں کے سودے نہیں کیا کرتے۔ پھر میں بھلا سعدیہ سے ایسا کوئی سودا کیسے کر لوں۔ میں نے جو رنگ اکٹھے کیے ہیں۔ انہیں زبردستی گل جان کی ہو بن کر بکھیرنا نہیں چاہتی.....

تم سے چھڑ کر جی تو میں سکوں گی نہیں اور اس لیے میں مرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کبھی اچھے ہوئے پانی میں بلبلے کو دیکھا ہے۔ پکڑنا چاہو تو ہاتھ بھی جائیں اور بلبلہ بھی نہ ملے۔

میرے ذہن میں جو سکون اور اطمینان آج ہے شاید پہلے کبھی نہیں ہوا۔ آج کی خوشی کا احساس بالکل انوکھا ہے زندگی کے اس انوکھے رخ کے متعلق تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا جو درد ناک ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی ہے۔ اپنے حصے کی جائیداد میں تمہارے گلشن حیات میں کھلنے والے پہلے پھول کے نام کرتی ہوں۔ امید ہے یہ تحفہ سعدیہ رانی قبول کر لے گی۔

تمہاری روٹی
آج زندگی میں پہلی بار اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور نہ وہ ہمیشہ شام کو کمرے میں جاتے ہی دروازہ بند کر لیتی تھی۔

روٹی کامران آگے بڑھا وہ کمزری کی طرف منہ کیے ایزی چیئر پر بیٹھی تھی۔

روٹی پلیز..... میری..... میری محبت پر ایسے چرکے نہ لگاؤ۔ کامران نے روتے ہوئے کہا۔ روٹی اٹھو میں..... میں تمہیں ان نفرتوں کی وادیوں سے دور لے جاؤں۔

روٹی کے آتشیں ہونٹوں سے خون کی لکیر اس کے کپڑوں کو بھگو رہی تھی۔ بال شانو پر بکھرے

ہوئے تھے۔ جس طرح موت اس کی زندگی پر بکھر گئی تھی۔ روٹی کامران نے بے اختیار اس کے بال چوم لیے۔ روٹی تمہاری اس عقلیت نے مجھ سے میری محبت چھین لی۔ اس نے روٹی کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔ باہر تسکین محل کے مکیں حیران کھڑے تھے۔

دیکھا..... دیکھا تم نے سعدیہ سے روٹی ہے جس نے اپنی محبت تم پر قربان کر دی اور..... اور گل جان دیکھو یہ زبردستی آپ کی ہو بننا نہیں چاہتی تھی۔

دیکھا تم سب کی چاہتوں کا صلہ وہ کتنی جلدی دے کر خود نامراد ہی چل دی۔ وہ اس کے بالوں میں منہ چھپا کر سسک پڑا۔ دیکھو اس کے بے جان چہرے پر چاہتوں کے رنگ بکھرے پڑے ہیں۔ لو سمیٹ لو انہیں کامران نے اسے تسکین بیگم کے گمے ڈال دیا۔ تو انہوں نے زندگی میں پہلی بار آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اور اس کا بے جان چہرہ تسکین بیگم کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔



پیغامات

کوین ماہ مارچ 2015ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے ذریعے سے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ سچی کہانی لاہور کے متعلق آپ ہمیں اپنی آرا بھی دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ اس ماہ کا کوین کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوین نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 سے زیادہ لائن پر مشتمل نہ ہو۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

سکندر انچا سرج پیغامات ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

سچی کہانی لاہور کے نام

جنگ سمیت تمام اقسام کے تعصبات، انتشار، فرقہ واریت کا خاتمہ ہو، امن و امان، دوستی، اخوت، محبت و خلوص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کو فروغ ملے، ملک ترقی کرے۔ تمام سچی کہانی پڑھنے والوں کو سلام قبول ہو۔

☆ عبد الغفور۔ حافظ آباد

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔
جس کی عمر 12 سے 15 سال ہو۔ مجھے فون یا SMS کرے۔

☆ اے شید، موبائل نمبر 0044-7922838325

☆☆☆

سچ تو یہ ہے.....!

انسان کا اپنا کردار ہے.....؟ اس کو نام بھی دوسروں سے ملا پیدا دوسروں نے کیا اس نے چلنا

سچی کہانی میں تمام لکھنے پڑھنے والوں سے خلوص دل سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ میں سب دوستوں سے سچی دوستی نبھاؤں گا۔ لالچی اور ناظم پاس کرنے والے دوست رابطہ نہ کریں۔ دوستی جس سے بھی کر دو خلوص دل سے کرو۔ آپ کا انتظار کروں گا۔

☆ شاہد رفیق سہو۔ کبیر والا

موبائل نمبر 0345-3272617

پیغام قارئین سچی کہانی کے نام

پیارے قارئین!

آپ پر سلامتی ہو نئے سال کی مبارک ہو اور میری دعا ہے کہ نیا سال کامیابیوں اور کامرانوں کی خوشیاں لائے۔ اس ملک سے غربت لوڈ شیڈنگ، دہشت گردی، معاشی بد حالی ختم ہو جائے۔ نفرت اور

ماہنامہ سچی کہانی لاہور (142) مارچ 2015ء

کرو گے تو تمہیں اس کی مہک آئے گی.....! جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھولوں کو "زندگی" اور تازگی بخشتے ہیں۔ "دوستی" ایک خوبصورت احساس اور روحانی مسرت کا نام ہے۔ تنہائی صرف بوریّت ہی نہیں بلکہ بے شمار ذہنی و نفسیاتی بیماریوں کا بھی مَوّجِب بنتی ہے۔ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی گلو زفرینڈ ہونا ضروری ہے۔ جس سے وہ دل کی باتیں شیئر کر سکے اور اپنے دکھ درد بانٹ سکے۔ "دوستی" دنیا کے لیے قدرت کی طرف سے ایک حسین اور اصول تحفہ ہے۔ دوستی زندگی کو خوبصورت اور رنگین بنادیتی ہے۔ تمام دنیا کے نام میرا پیغام محبت امن اور دوستی ہے۔ تنہا اور دکھی لوگوں کا مجھے بہت خیال آتا ہے کہ وہ کتنی اذیت ناک زندگی گزارتے ہوں گے..... کیا اس دنیا کی خوشیوں پر ان کا کوئی حق نہیں..... اچھے لوگوں سے دوستی میرا محبوب مشغلہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دوستی محبت ہے..... سچ تو یہ ہے کہ محبت پرستش ہے..... سچ تو یہ ہے کہ محبت پوجا ہے..... سچ تو یہ ہے کہ وفا زندگی ہے اور زندگی محبت کے بغیر ادھوری ہے۔ چلتے چلتے اپنی ڈائری سے ایک شعر تحفا آپ کی نذر کرتا ہوں۔

بن کہ آواز دل میں اترنا سکھے

جس کو چھینے کی تمنا ہے وہ مرنا سکھے

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0320-6039346 سبھرات

☆☆☆

بھی دوسروں سے سیکھا، اہمیت دوسروں نے دی رشتہ بھی دوسروں سے جزا کام کرنا بھی دوسروں سے سیکھا اور تو اور آخر میں قبرستان بھی دوسرے ہی لے کر گئے تو انسان کا اپنا تھا کیا.....؟ کچھ بھی نہیں.....! انسان کو آخر غرور ہے تو کس بات کا.....؟ ذرا سوچو.....! دنیا کے ہر میدان میں ہار جیت ہوتی ہے لیکن "اخلاق" میں کبھی ہار نہیں ہوتی اور تکبر میں کبھی جیت نہیں ہوتی۔ جانور میں عقل اور فرشتے میں خواہش نہیں ہوتی مگر انسان میں دونوں ہوتی ہیں اگر وہ عقل کو دبا دے تو "جانور" اور اگر خواہش کو دبا دے تو "فرشتہ"۔ معزز قارئین!

اپنی زبان کو سلام کرنے کا عادی بنا لو اس سے دوست بڑھتے ہیں اور دشمن کم ہوتے ہیں۔ رات کے وقت صدقہ دو کیونکہ رات کو صدقہ خدا کے عذاب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اچھے تعلقات ایک کتاب کی طرح ہوتے ہیں جو بننے بہت دیر لگتی ہے..... لیکن ختم ہوتے صرف چند منٹ لگتے ہیں جیسے کسی کتاب کے اوراق جٹنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ جب توجہ کا مرکز صرف اپنی ہی ذات ہو تو انسان اصلاح کرنے میں سست اور دوسروں پر تنقید کرنے میں بہت چست ہو جاتا ہے۔

اپنا فائدہ سوچے بناء سب کے ساتھ اچھا کرو کیونکہ جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو ضرور رہ جاتی ہے۔ ایک اچھے دوست کی یاد ایک اچھی خوشبو کی طرح ہے۔ جب بھی آپ اس کو یاد

😊 نئے لکھنے والوں کے لیے خوشخبری 😊

آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں..... لکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہے ہیں..... اپنے دل کی آواز دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا دوسرے رسائل و ذرائع سے مایوس ہو چکے ہیں۔ گھبرائیے نہیں! آپ کی تحریروں کے لیے ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ کے دروازے کھلے ہیں۔ ہم آپ کی تحریر کی نوک پلکھ درست کر کے شائع کر دیں گے۔ آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے اور اصلاح کرنے میں آسانی رہے۔ آپ کی تحریر خوفناک ہونی چاہیے۔

✉ ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530

نامور قلم کار محمد رضوان قیوم کی 11 انعام یافتہ دلچسپ منفرد پلاٹ کے حامل سچی کہانیوں کا مجموعہ ”کربِ ماضی“

کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب درج ذیل بکسٹال پر دستیاب ہے

📖 ورائٹی بک شاپ، بینک روڈ، صدر راولپنڈی کینٹ فون: 051-5583397

📖 ملک بک شاپ، کمیٹی چوک، مری روڈ راولپنڈی فون: 051-5530352

🌸 قیمت کتاب -/250 روپے 🌸

عزیز قارئین!

سلام خلاص! آپ کا اپنا خادم انسانیت سید راحت علی شاہ (روحانی سکالر) آپ کے کالم روحانی دنیا کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور ہدیہ سلام پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ پاک آپ کو اپنی امان میں رکھے (آمین)

نا کامیاں آپ کا مقدر ہیں۔۔۔؟ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ تو اس قدر مایوسی کیوں؟
نا کامیاں نا اتفاقیات گردش حالات تمام گھریلو کاروباری پریشانیاں تمام الجھنیں تمام رکاوٹیں خاندان کا نامناسب رویہ دشمنوں حاسدوں کا خوف اولاد کا نہ ہونا معذور پیدا ہونا بندش شادی بندش رشتہ ناطہ تعویذات جادو ٹونہ کالا علم کے برے اثرات کی وجہ سے بربادی تمام روحانی جسمانی اور آسمانی بیماریاں مرگی ذریشین زینہ اولاد کے لئے رابطہ کریں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج میں اپنی ذات کے حوالے سے مطمئن ہوں کہ وہی خواتین و حضرات اپنی زندگی خوشگوار مثالی اور پرسکون طریقے سے گزار رہے ہیں یہ علم حق کی سچائی کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی منزلوں پر کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں اور بارگاہ الہی میں میرے جیسے حقیر کے لئے دعائیں کرتے ہیں تاکہ میں وہی لوگوں کے مزید کام آسکوں ہم بھی مخلوق خدا قارئین ماہنامہ نجی کہانی کی خدمت کے لئے **0300-6483614** (24 گھنٹے موجود رہتے ہیں) تاکہ آپ ہم سے رابطہ کر کے فیض یاب ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے آپ نے حصول مقصد کے لئے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہو بھی حقیقت ہے کہ الجھنوں پریشانوں میں گھیرا ہوا انسان ذہنی طور پر اس قابل نہیں رہتا کہ وہ راہ نجات خود ہی تلاش کر سکے لہذا آپ ہماری خدمات حاصل کریں دنیا کے قدیم اور پراسرار علوم کے ذریعہ آپ کی مکمل راہنمائی کریں گے۔ انشاء اللہ آپ کامیاب ہو گئے۔

تمام قارئین کرام سے امید واثق ہے کہ آپ کا تعاون اسی طرح جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ خدمت انسانی میں عبادت ہے

شاہین چوک جی ٹی روڈ گجرات پاکستان
سید راحت علی شاہ
0300-6483614

حل تجویز فرمائیں؟

جواب = محترم محمد شبیر صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے مگر سکون کی دولت نہیں ہے۔ اگر آپ سکون کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کی خدمت کریں۔ ایک اور بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ خدمت کرنا بہت آسان ہے لیکن خدمت کرنا بہت مشکل ہے۔ خدمت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ خدمت کرنا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ تو محترم آپ آج سے بلکہ ابھی سے اللہ کے بندوں کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیں اور پابندی نماز بھی کریں۔ آپ کو سکون قلبی نصیب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آمین

☆ تمام اولادنا فرمان تھی

رحیم! داخاں ۰۰۰۰۰۰۰ کوئی (AK) :

سوال = میری بچیاں اور بچے سب نافرمان تھے ہماری بے عزتی کرتے تھے۔ صرف اپنی بات منواتے تھے۔ دوسرے کی نہیں سنتے تھے۔ اسی وجہ سے میری بچیوں کے رشتے بھی نہیں ہو رہے تھے۔ ہم پورے خاندان میں بدنام اور ذلیل ہو رہے تھے۔ میں نے ”ماہنامہ گچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے پوری لگن اور محنت سے وہ تمام عملیات خود کیے۔۔۔۔۔ جو میں نہیں کر

سکتا تھا۔ ان کی بدولت اب میری ایک بیٹی کی شادی طے ہو گئی ہے سب بچیاں اور بچے فرمانبردار ہو گئے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میرے گھر میں کوئی طوفان تھا جواب ختم کیا ہے۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دھکی بھائیوں کو مشورہ دیتا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں آمین

جواب = محترم رحیم! داخاں صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی اولاد درست پر آگئی ہے۔ آپ کی ایک بیٹی کی شادی طے ہو گئی ہے اسی طرح دوسری بچیوں اور بچوں کی بھی شادی طے ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو اور آپ کی اولاد کو عقل سلیم عطا فرمائے (آمین) آپ سے انتہا ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آمین

☆ بیماریاں جان نہیں چھوڑتی ☆
محمد دین ۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ جزا انوالہ
سوارا = میں کافی عرصہ سے بیمار ہوں۔ ہر قسم کے علاج بھی کروائے مگر شفا نہیں ہو رہی۔ ایک

☆ اولاد (خاص کر اولاد زینہ) کے لیے پریشان بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائے اور آزمائے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی۔ آمین

سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "101 مرتبہ یا قادر یا قدیر یا قوی" پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ حاسدوں کا پراگینڈا ☆

☆ ایم شہزاد ○○○○○○○○○○○○○○○○○○○ خانیوالہ سوال = جو کبھی میرے اپنے تھے اب حاسدوں و دشمن بن چکے ہیں۔ تمام رشتہ داروں میں میرے خلاف غلط قسم کا پراگینڈا کرتے ہیں۔ جس سے میری عزت میں فرق آ رہا ہے۔ انھیں بہت سمجھایا مگر وہ باز نہیں آتے۔ ذہنی پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = جادوؤں کے گندے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے۔ آپ ہر وقت باوجود ہونے کی کوشش کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "11 مرتبہ سورۃ الفلق" کھل پڑھیں اور سب رشتہ داروں کا تصور باندھ کر ان پر پھونک مار دیں۔ ہر منگل کو صدقہ بھی ادا کیا کریں۔ مدت عمل 21 روز ہے ☆

اپنی ماں بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے۔ اب مجھے ذہنی سکون ہے۔ اب میرے شوہر ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میں بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں۔ میں اپنے بھی انکی بہنوں کو مشورہ دیتا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی طاہرہ صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا نوحہ ہوا مگر دوبارہ مثالی گھر بن گیا ہے اب آپ کا شوہر آپ کا اور بچوں کا بھی خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کا ہمیشہ کے لیے شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکر ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو جو عظیم سے کامیابی نصیب ہوگی ☆ بچوں کو روزگار نہیں ملتا ہے

☆ محمد اعظم ○○○○○○○○○○○○○○○○○○○ لیے سوال = میرے بچوں کو کام نہیں ملتا۔ اگر کہیں ملتا ہے تو دو دن یا چار دن کے لیے۔ اس کے بعد جواب ہو جاتا ہے۔ گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا شعلہ دستی کی وجہ سے ہوتا رہتا ہے۔ آپ

بے گھر شعلہ دستی قرض تلے دے مجبور بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائے اور آواز دینے کا مطالبہ کروں گا۔ فون ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب
ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب
اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد
رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ انجانا سا خوف طاری رہتا ہے ☆

☆ محمد صدیق ۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ کھاریاں ☆

سوال = مجھ پر ہر وقت ایک انجانا سا خوف طاری رہتا

ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھی کام صحیح طریقے

سے نہیں کر سکتا اور ہر وقت یہی ڈر رہتا ہے کہ

گھر سے باہر گیا تو یہ ہو جائے گا..... وہ ہو

جائے گا..... رات کو نیند بھی نہیں آتی۔ خدا

کے لیے رہنمائی فرمائیں۔ آپ سے التماس

ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سلفی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی

نماز کریں اور ہر وقت با وضو رہنے کی کوشش

کریں۔ ہر نماز کے بعد "144 مرتبہ بسا

جیسر یا جامع بحق یا ککائیل"

پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف

ضرور پڑھیں اور صدقہ بھی ادا کریں۔ آپ یہ

عمل بعد از نماز عشا سے شروع کریں۔ مدت

عمل 31 روز ہے اس سے زیادہ روز مت

کریں ☆

☆ بہت ہی بے بس تھا ☆

☆ محمد الیاس ۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ راولپنڈی ☆

سوال = میں نے گیارہ بار شراکت سے شروع کیا۔

میں نے ان کیوں روک دیا؟.....

سب کچھ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا تھا۔ شراکت
دار کے ہاتھ جو لگا وہ لے گیا یوں کہہ لیں کہ نہ
کاروبار ہا اور نہ کچھ اور..... سب کچھ ختم ہو گیا

تھا۔ اب ہم اہل خانہ روٹی کے ایک ایک

نوالے کو ترس رہے تھے۔ میں نے "ماہنامہ

ہجی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ

صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بڑے

غلوں اور محنت سے تمام مشکل ترین عملیات

خود کیے..... جن کی بدولت ایک مرتبہ پھر میرا

کاروبار شروع ہو گیا ہے۔ گھریلو حالات بھی

بہتر ہو گئے ہیں۔ اب ہم پر مسرت اور خوشگوار

زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم آپ کو دن رات

دعائیں دیتے ہیں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے

(آمین) میں اپنے جسے دیکھی بھائیوں کو مشورہ

دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل

کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد الیاس صاحب! میں اس ذات باری

کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے

آپ کی تمام مشکلات کا خاتمہ ہوا۔ آپ کے

گھریلو حالات بھی بہتر ہوئے۔ آپ کا کاروبار

بھی آہستہ آہستہ ترقی کی طرف گامزن ہے۔

یہ علم کی سچائی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ

کو سدا خوش و خرم رکھے (آمین) آپ سے

التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے

بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین

صاحب اور..... کو اپنی مقدس دعائیں میں

خصوصی اعلان

بیرون ممالک میں بھی آپ کی خدمت
بیرون ممالک خصوصاً شارجہ، ابوظہبی، یورپ،
سعودی عرب، امریکہ وغیرہ کے لوگ ایک فون
کال پر اپنا مسئلہ گنتی سے حل کروائیں..... ☆
☆ وطن سے دور ہم وطن، بہن بھائیوں کی خدمت ☆

سے بات کروں تو لڑتے ہیں۔ کل جو میری
ایک آواز پر بھاگتے چلے آتے تھے آج مجھ
سے نفرت کرتے ہیں۔ خدا کے لیے میری
رہنمائی فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز
فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے
آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "101
مرتبہ اللہ نور السموات والارض"
پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف
ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی
12 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری
رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع
کریں ☆

آپ کا اپنا ☆ خادم انسانیت
(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ
شاہین چک جی ٹی روڈ، گجرات
(0300-6493614)

☆☆

میاں بیوی کی ناچاقی سے خاندان اور معاشرے میں بے بس اور پریشان بہن بھائیوں میں آپ
سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائے اور آزمائے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی..... ☆

رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔
انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ ہمارا گھر انہ ایک مثالی گھر نہ تھا ☆
☆ عبدالحق لفظ ۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ سا ہیوال ☆
سوال = پہلے ہمارا گھر انہ ایک مثالی گھر نہ تھا۔ گھر کا
ہر فرد ایک دوسرے کی بہت عزت کرتا تھا۔
اب نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔ گھر انہ
کے تمام افراد ایک دوسرے کو برداشت نہیں
کرتے بلکہ ہر وقت ایک طوفان برپا رہتا ہے۔
آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل
تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے برے اثرات کی وجہ سے ایسا
ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد
"135 مرتبہ "ت" بے اسوَاب بحق
عز و شریف پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ
درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ
یہ عمل چاند کی 9 تاریخ سے لے کر 29 دن
تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء
سے شروع کریں ☆

☆ جذبات کی توہین ☆

☆ فقیر حسین ۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ راجن پور ☆
سوال = جب عروج تھا سب میرے تھے۔ ہر چیز گھر
کا روبرو یعنی ہر آسائش تھی۔ اب انہوں نے
سب کچھ چھین کر مجھے باہر کر دیا ہے اگر کسی

تحقیق چاند بابو

پرائز بانڈز کی دنیا

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرامہ نمبر 61 02-03-2015 40000

01	046	064	165	226	460	561	60		
03	10	15	22	1	4	41	50	54	61
04	11	16	36	6	45	51	56	64	
05	14	17	40	0	5	46	52	57	65
06	0615	1011	1654	4601	5100	5610	84		

شہر حیدر آباد ڈرامہ نمبر 61 16-03-2015 200

12	123	131	233	321	428	824	80		
13	21	24	31	1	8	35	42	50	81
14	22	27	32	2	38	43	51	82	
15	23	28	34	4	3	41	48	77	83
18	1214	1138	2495	3214	4293	8241	84		

انعامی مبلہ

تحقیق بابا رازو شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

40000		02-03-2015		61		مظفر آباد		شہر	
01	020	108	204	402	720	801	78		
02	10	18	23	4	8	32	40	48	80
03	12	20	24	0	36	41	72	81	
04	14	21	28	1	2	37	42	73	82
08	1082	1117	1559	2041	4028	8014	84		

200.....16-03-2015.....		شہر.....حیدرآباد.....		ڈرامبر نمبر 61.....					
01	041	140	287	347	743	844	71		
03	10	15	30	1	7	35	41	67	72
04	13	17	31	4	37	43	68	73	
07	14	20	34	3	0	40	47	70	74
08	0315	0413	1407	2530	3470	7431	78		

قسمت اپنی اپنی تحقیق بابا کمال شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرائنگ نمبر 61 02-03-2015 40000

01	041	104	200	205	401	502	50		
02	09	14	21	4	2	25	35	41	51
04	10	15	23		0	33	37	42	52
05	12	20	24	5	1	34	40	45	54
07	1033	1045	2054	3723	4012	5021	91		

شہر حیدر آباد ڈرائنگ نمبر 61 16-03-2015 200

00	101	123	231	428	824	961	82		
01	14	20	24	1	8	31	38	43	83
05	18	21	28	2	32	41	48	84	
12	19	23	30	4	3	34	42	81	90
13	0420	1234	2505	3214	4283	8241	94		

تحقیق..... بابا رومی شاہ

مفت کا مکتبہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر..... مظفر آباد..... ڈرامبر 61..... 02-03-2015..... 40000

03	127	217	326	623	630	721	67		
11	16	23	29	1	6	32	36	61	71
12	17	26	30	2	33	37	62	72	
13	21	27	31	3	7	34	44	63	73
15	0315	1276	3267	3884	6231	7213	76		

شہر..... حیدر آباد..... ڈرامبر 61..... 16-03-2015..... 200

00	061	074	140	160	467	764	71		
01	07	14	19	7	0	41	50	64	74
04	08	16	31	6	46	60	67	76	
05	10	17	40	1	4	47	61	70	95
06	0617	1302	1530	1604	4671	7640	99		

اس عنوان کے تحت ہمیں ”بیوٹی ٹپس“ ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کروا سکتی ہیں۔

کچھ بیوٹی کیئر۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

رہنے دیں۔ اپنے بالوں کو ہر مرتبہ ڈرائر سے خشک نہ کریں۔ قدرتی ہوا میں خشک کرنے کی کوشش کریں کیونکہ میئر ڈرائر کے بے جا استعمال سے بال ٹوٹ بھی سکتے ہیں اور ان کی چمک بھی مدھم پڑنے لگتی ہے۔ تازہ اور ہرے پتوں والی سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں۔ اپنی غذا میں پھلوں کی تعداد بڑھائیں۔ صحت مند بالوں کے لیے یہ ضروری ہے۔

گوری رنگت کا جادو

گوری رنگت ہر صف نازک کا خواب ہے۔ ہر عورت چاہتی ہے کہ اس کی رنگت گوری ہو اور اس کے لیے ہزار جتن و ٹوٹے کیے جاتے ہیں۔ ہر کسی کا بتایا ہوا نسخہ بازار میں دستیاب کریمز اور نہ جانے کیا کیا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پارلز میں جا کر ہزاروں روپے کے ٹرینٹ بھی کروائے جاتے ہیں۔ ایک آسان اور سستا نسخہ ہمارا بھی آزمائیے۔ 2۔ کھانے کے چمچ دہی لے کر اچھی طرح پھیٹ لیں۔ اس میں ایک کھانے کا چمچ بیسن شامل کر کے دوبارہ پھیٹ لیں۔ چہرے اور گردن پر لگا کر 25 منٹ کے بعد دھو لیں۔ سورج کی تہاڑت سے سوختہ ہو جانے والی اور چمکی ہوئی جلد کے لیے یہ ماسک بہت کارگر ہے۔

☆ سین بشارت۔ لاہور

☆☆

گرتے اور روکھے بالوں کے اسباب زیادہ تر خواتین اور مرد بھی بالوں کے بے تحاشا جھڑنے اور ان میں سے چمک زندگی رونق اور خوبصورتی ختم ہونے یا ماند پڑنے کا رونا روٹے نظر آتے ہیں۔ سردی آنے سے ذرا قبل ہی بالوں کے جھڑنے کی رفتار اور تعداد دونوں میں ہی اضافہ دیکھنے میں آتا ہے۔ چند افراد تو یہ بھی کہتے پائے جاتے ہیں کہ یہ بال گرنے کا موسم ہے۔ یہ بھی بہت سے لوگوں کا ماننا ہے کہ روزانہ 100 بال گرنا نارمل ہے۔ وہیں بہت سے لوگ یہ سوال بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ اگر 100 بال گرنا نارمل بات ہے تو کیا اسی رفتار سے بال ہماری کھوپڑی پر اگتے بھی ہیں؟ بال جھڑنے کی دراصل کئی وجوہات ہیں جن میں سب سے عام تو یہ کہ کھوپڑی پر خشکی ہو جانا سر کی جلد پر داد کا ہو جانا ناقص غذا اور غیر صحت مند بخش غذائی عادات وغیرہ۔ اگر ان میں سے کوئی بھی علامت کسی فرد میں موجود ہے تو اس کا علاج ضروری ہے۔ بالوں کے روکھے اور بے جان ہونے کی وجوہات میں ایک تو غیر متوازن وغیر صحت بخش غذا کا استعمال دوسرے شیمپو کا ضرورت سے زائد استعمال اور تیسرا میئر ڈرائر کی ضرورت کو کثرت سے محسوس کرنا بھی شامل ہیں۔ سر اور بالوں کو دھوتے وقت شیمپو کو اپنی کھوپڑی پر 5 منٹ سے زیادہ نہ لگا

طب ہونانی، طب۔ روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ..... موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

کم یا ختم ہو جاتی ہے اور ناقابل برداشت درد میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات مریض چلنے پھرنے اور کروٹ لینے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اگر یہی چوٹ یا زخم ریزہ کی ہڈی کے اندرونی اعصاب کو اپنی پیٹ میں لے لے تو انسان فالج کا شکار ہو جاتا ہے۔

حد سے زیادہ جنسی عمل میں مبتلا رہنے والے عادی شرابی اور نشہ باز ہڈی بلڈنگ سر اور پشت پر وزن اٹھانے والے اور نرم بستر پر سونے والے مرد و خواتین موہروں کے درد کے عارضہ میں مبتلا پائے گئے ہیں مزید یہ حادثاتی طور پر ریزہ کی ہڈی پر چوٹ لگنے سے بھی موہروں کا درد ہو سکتا ہے۔ جسم میں کشیم کی کمی بھی اس مرض کے اسباب میں اضافہ کر سکتی ہے کمزور استخوانی ڈھانچے والے افراد کو بھی اس مرض میں عام طور پر مبتلا دیکھا گیا ہے۔

موہرے جب اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں تو بعض اوقات پٹھوں اور رگوں پر ان کا پریشر فالج کا باعث بن جاتا ہے اور نچلے دھڑبے کا رہو جاتا ہے اور مریض اپنے آپ سے نفرت اور گھر والوں کے لیے بوجھ بن جاتا ہے۔ اس کو رفع حاجت ادراک نہیں ہوتا اور اس کا بول و براز بستر پر خطا ہو جاتا ہے۔

ریزہ کی ہڈی میں درد اور موہروں کا اپنی جگہ سے ہل جانا ایک قابل علاج مرض ہے لیکن معالج کا اس سلسلے میں مشاہدہ اور تشخیص کے علاوہ قابل عمل وسیع تجربہ ضروری ہے۔ علاوہ ازیں علم البدان میں

ریزہ کی ہڈی، موہروں کے درد سے سکون (زیبہ زندگی کورس)

انسانی بدن میں ریزہ کی ہڈی کو تمام استخوانی ڈھانچے قائم رکھنے میں مرکزی کردار کی حیثیت حاصل ہے۔ دماغ سے نکلنے والے اعصاب ریزہ کی ہڈی میں سے گزر کر تمام جسم میں حرکات و سکنات پیدا کرتے ہیں۔ ریزہ کی ہڈی اسی اعصابی ریشوں کے ذریعے موہروں کو آپس میں مربوط و منظم رکھتی ہے اور اس میں اقراط و تفریط مختلف عوارض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس میں موہروں کے درد جس میں موہروں کے درد سے فالج کے مراحل شامل ہیں۔

ریزہ کی ہڈی کئی موہروں کے باہم ملنے سے مکمل ہوتی ہے۔ جس کے درمیانی عمودی غلطہ کو دماغ سے آنے والے اعصاب اور موہروں کے درمیانی فرق کو سفید رنگ کی مڑکنی ہڈی پورا کر کے اس کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ اس سفید ہڈی کی شکل و صورت اس طرح کی طرح ہوتی ہے اور اس طرح انسان کو حرکات میں کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا۔ مزید یہ اسٹیل ہڈی کو یہ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور ریزہ کی ہڈیوں کو ضرب حلاق سے محفوظ کر دیتی ہے۔

بعض اوقات یہ موہرے چوٹ وزن زیادہ اٹھانے اور بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں یا ان کی اسٹیل سفید ہڈی میں چمک کی قوت

دسترس بھی لازمی ہے۔ قدرت نے دنیا میں کوئی ایسا مرض نہیں اتارا جس کی شفاء نازل نہ کی ہو۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر ایک خامی موجود ہے کہ مرض کی ابتداء میں ہم معالج سے رابطہ نہیں کرتے ہیں اور جب مرض شدت اختیار کر لیتا ہے تو ہم علاج و معالج سے جادوئی اثر کی امید وابستہ کر لیتے ہیں۔ مرض کے آنے میں جتنا وقت درکار ہوتا ہے۔ اس کے دفع ہونے میں بھی کم و بیش اتنا ہی وقت چاہیے۔ موہروں کا درد اور ان کا اپنی جگہ سے ہلنا ایک دم پیدا نہیں ہوتا اس کا علاج بھی ست روی سے ہی ممکن ہے۔ صبر اور اسفادیت سے اس مرض کا علاج کروایا جائے تو قدرت شفا ضرور عطا کرتی ہے۔

ہیلپ لائن..... 0345-7000088

☆☆☆

ہیپاٹائٹس بی سے مکمل علاج یونانی اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے گردے کے امراض، مردانہ امراض، پرانا نزلہ زکام، جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے۔ حکیم محمد امین ماہر معالج و کولڈ میڈلسٹ تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب مشرقی ایشیاء اور اس کے گرد و نواح کے ملکوں میں ایک وباء کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے تباہ کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک وباء کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جاسکیں۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا

کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص ہیپاٹائٹس B یا C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جو ایک انسان سے دوسرے انسان کو منتقل ہو جاتا ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں جتنا اس مرض سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ عام برقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف ٹوکوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہلاکتیں ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HBsAg مثبت ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض درطہ حیرت ہوتا ہے۔ مہنگا علاج، مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive) ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود

میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں

کی زیادتی کے جگر پر مضر اثرات

شراب نوشی، تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال

مثلاً جس 'افیون' بکثرت تمباکو نوشی یا بوریچ کا پانی استعمال

کرتا اور بڑی مقدار میں پیرا سیدنا مول کا استعمال وغیرہ

ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی

جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو

جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں

کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا

اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت

مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو

آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں

موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا

عمل روکا جاسکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو

وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی

حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام

A, B, C, D, E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان

دے دے ہیں C اور B ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک

قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ

آدھرتے ہیں اور متعدد دیرقان پیدا کرنے کو موجب

ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis. B)

ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ

ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید

ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء

اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان، مصر، چین، ایران،

شرق قد اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے

علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف

یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو

جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور معروف

عظیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں

کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات

کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل

چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض

ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ

کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا

وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک

عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی

ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے

اندرونیوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان

انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے

مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں

کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور ہزرنگ کا

مادہ یعنی "بائل" کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی

ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے "پتہ" میں

داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے

ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر

مریض شفا یات ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آپ لوگ مٹی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج گھر بیٹھے کورس مکمل کر سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے و علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C معتدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارہواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزار ہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم کے معر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی مؤثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں جسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatitis Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکڑ (Cirrhosis of Liver) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض

کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاء اللہ تعالیٰ 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا

کے لیے غذائی چارٹ

لوکی، بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی) (دبلی مرغی
(کم مقدار) ٹینڈے، کوئنگ آئل، حلیم، خربوزہ، کالی
مرچ (ہلکی) موٹی مسمی، کھیرا، میتھی، سرسوں کا ساگ،
نکری، کریلہ، لوبیا، گریب، فروٹ اور پالک ہے۔

دی کلر پیٹائٹس کورس

موبائل نمبر 0345-7000088

☆☆☆

عضو مخصوص کی صحت و تندرستی

(شاہی لاگو کریم)

قدرت نے دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت
کھل اور اجماع آگے تناسل مرد کو عطا کیا ہے۔ جسے
نوجوانی کی غلطیوں بے اعتدالیوں سے ناقص اور بجا
اوقات ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ
اس کی موٹائی، لمبائی اور استادی کے ذریعے اور طاقت
سے کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کی لاغری، کمزوری، کچی اور
اس پر ابھرنے والی نیلی موٹی رنگیں اس کی ناقص
کارکردگی کی دلیل ہے۔

عورت کے عضو مخصوص کی گہرائی عموماً چھ انچ
سے زائد نہیں ہوتی۔ اسی مناسبت سے ایک بالغ مرد
کے عضو مخصوص کی لمبائی زیادہ سے زیادہ آٹھ انچ ہوتی
ہے۔ بعض عورتوں میں عضو مخصوص کی گہرائی زیادہ
بھی ہو سکتی ہے۔ قدرت نے اسی مناسبت سے مرد
کے عضو مخصوص کو مناسب لمبائی دے کر اولاد پیدا
کرنے کی مکمل صلاحیت دے دی ہے۔

عورت کا رحم ایک ایسا جانور ہے جو بار بار
ہونے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ ازدواجی عمل میں

عورت کی تنگی کی تکمیل کے لیے مرد کا عضو مخصوص کا
صحت مند اور لمبائی، موٹائی میں مناسب ہونا ضروری
ہے۔ بہر کیف جنسی لحاظ میں مرد، عورت میں صحبت
کے لطف و جذبات کو فروغ دیتے ہیں۔ ہمارے
معاشرے میں لڑکے دس سے بارہ برس کی عمر میں بالغ
ہو جاتے ہیں۔ فطری طور پر ان کو اپنے پہچان کو دور
کرنے کے لیے جنس مخالف کی ضرورت پڑتی ہے۔
جب اس کی تکمیل کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو وہ ہم جنس
پرستی اور مشت زنی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔
معاشرے میں عریاں عورتوں کی بھرمار اور سفلی جذبات
کو فروغ دینے والے ذرائع ابلاغ اس میں اور بھی
اضافہ کرتے ہیں۔ شادی کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنا
جوہر حیات ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ عضو مخصوص
کے عوارض میں مبتلا ہو کر ازدواجی تعلقات کی تکمیل
سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ عضو مخصوص میں کچی، لاغری
آ جاتی ہے۔ سرعت انزال سے دخول کا مرحلہ ہی نہیں
آتا اور شرمندگی الگ ہوتی ہے۔

ہم جنس پرستی اور بلیک زنی کی عادت دونوں یکساں
طور پر عضو مخصوص کی صحت و تندرستی کے لیے زہر قاتل
کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح نشہ اور شراب بھی
جنسی صحت کے لیے از حد نقصان دے ہے۔ اس سے
مراورہ روانہ طاقت میں کمی کے ساتھ ساتھ عضو مخصوص
ڈھیلا اور درمیان سے جھک جاتا ہے اور فریق مخالف
کے جنسی جذبات کی تکمیل سے عاری ہو جاتا ہے۔
تندرست اور توانا اولاد کے حصول کے لیے مرد و زن
کی عمومی صحت اور ان کے اعضائے مخصوص کی تندرست
اور توانا صحت کی ضرورت ہے۔ مرد کا کمزور عضو مخصوص

میں کمی کے باعث ایسا دگی مکمل نہیں ہو پاتی اس لیے
مخلوق افراد کا عضو مخصوص اپنی قدرتی شکل کھودیتا ہے۔
(رابطہ 0345-7000088)

☆☆☆

س= ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی
صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی
جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

جواب= بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی
جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری
ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا
جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب
ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت
پر موسم، جذبات، دوست و احباب، ثقافت والدین
اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت
پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں
سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے
رویے کا ذکر تو بڑی شدت کے ساتھ کرتے ہیں
مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری
توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری
سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے
خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی
سوچ اور کردار کا ناقدرانہ جائزہ لینا چاہیے۔
اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت
تبدیلی ہوگی وہ ذہنی، جسمانی اور جنسی صحت کی
بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ماہرین
نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج
ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی

اولاد کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے لیکن پیدا
شدہ بچہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور مرتے دم تک اس
کی کمزوری رفع نہیں ہوتی۔ وہ زندگی بھر مختلف امراض
و عوارض کا شکار رہتا ہے۔ صحت مند اولاد کے حصول
کے لیے خصوصاً مرد کے عضو مخصوص کا تندرست و توانا
ہونا ضروری ہے۔ اس کی موٹائی، لمبائی اور ایستادگی کا
زاویہ درست ہونا چاہیے تاکہ وہ عورت کے رحم تک
رسائی حاصل کر سکتے..... اس سے فریق مخالف کی
مکمل تسکین کے ساتھ ساتھ قرار حمل کے امکانات
بڑے رافع ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ کے عضو مخصوص میں کئی لاغری، کمزوری
اور نیلی رنگوں کا ابھار ایستادگی میں کمی ہے تو آپ کو
معالج کی شدید ضرورت ہے۔ ایک اچھا معالج آپ
کی تمام خامیوں کو دور کر کے آپ کو صحت مند جنسی
زندگی لوٹا سکتا ہے۔ معالج کی تمام حقیقت حال و وضاحت
سے بتانا ضروری ہے کہ وہ درست تشخیص کر کے مرض کا
جز سے خاتمہ کر سکے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا نہایت اہم ہے کہ مرد
کے عضو مخصوص کی ساخت کے بارے میں یہ بات علم
میں ہونا ضروری ہے کہ اس میں تھیلی نما خانے چنے
ہوتے ہیں خون کی آمد کا راستہ ہر تھیلی میں خاصا فراغ
اور واپس جانے کا راستہ نہایت باریک ہوتا ہے۔ جسکی
کی وجہ سے خون رک کر ایسا دگی اور ختی کا سبب بنتا
ہے۔ یعنی عضو مخصوص میں ختی ان کی تھیلیوں کی مضبوطی
اور خون کی مقدار کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتی ہے۔
ہاتھ کی رگڑ سے تھیلیوں کی دیواروں کو خاصا نقصان
پہنچتا ہے اور اس میں خون روک لینے کی استطاعت

دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں بے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پرواہی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک رکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پرواہی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہنا دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوا گا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے "اس دفعہ اور" کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور "نہ" کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر "نہ" کہنے کا سلیقہ آ جائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی حرارت و اعتماد کا احساس ہوگا۔

خوفزدہ مری ہوئیے

کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت و احترام اور قربت و لگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات و جذبات کا احترام کرتے ہوں اور پرسکون مطمئن ہوں۔ اپنے آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جنسی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام معزز ہیں انہیں ترک کر دیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ یہی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے

”معذرت“ کرنے یا ”نہ“ کہنے کی جرأت نہ ہونے کی وہ یہ ہے کہ لوگ ”نہ“ کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو خفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہر حال صاف گوئی کو بیٹے۔ صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے بارے میں افراد خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے ہیں رہتے ہیں اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل کیجئے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری

غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آسٹیاں دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نوجوانوں کو بھی قابل اعتماد سنجیدہ اور باعمل اور با علم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد مل جائیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگے) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے لیکن نوجوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مندرکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی دہیر کیجئے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ لوگ جنس کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆ حکیم شیخ محمد امین

موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

☆☆☆

ہمارے ڈیلر حضرات

☆ خواجہ شہود بال قاضی ایمریس ملکیٹ صدر کراچی

☆ صدر میڈیکل شہود صدر کراچی

☆ سپر ہومیو پیتھ میڈیکل تالپور روڈ صدر کراچی

☆ محمد علی میڈیکل شہور رام باغ کراچی

☆ طلحہ ریڈرز و اثر پب چورنگی کراچی

☆ عرفان قادری جزی بوٹی لاندھی کراچی
☆ بسم اللہ ہومیو پیتھ ڈاکٹر کراچی
☆ مصطفیٰ دوا خانہ رسالہ روڈ راحت سینما حیدر آباد
☆ ماریہ دوا خانہ پولیس لائن حیدر آباد
☆ محمد علی دوا خانہ لبرٹی پلازہ آپارہ اسلام آباد
☆ مسلم ہومیو نیمان ہومیو لچیت روڈ حیدر آباد
☆ جرمین ہومیو لچیت روڈ حیدر آباد
☆ عدنان میڈیکل سٹور گیشن مارکیٹ کورنگی کراچی
☆ طارق ہومیو ڈہرگی
☆ اشار شاپ تھلہ

☆ غاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ ٹنڈو آدم
☆ کڑوئل پشاور سٹور شانی بازار لاڑکانہ
☆ خالد برادر مدلی سکھر
☆ مدینہ میڈیکل ورکشاپ ٹنڈو آدم
☆ پاپلر میڈیکل سٹور شانی بازار جبک آباد
☆ ضیاء ہومیو سکندر پورہ پشاور
☆ عارف میڈیکل سنڈھی ہوٹل نیو کراچی کراچی
☆ شانی دوا خانہ شہزاد دوا خانہ شانی بازار بہاولپور
☆ علی ہومیو سٹور گھنٹہ گمر مٹمان
☆ امین سینا دوا خانہ بلاک سی گھنٹہ گمر ڈی جی خان
☆ ارشد برادر گھاس منڈی مٹمان

☆ حافظ دوا خانہ کلاں بازار ڈی آئی خان

☆ مسعود دوا خانہ مسلم بازار پشاور

☆ اصحت عابد شیخ روڈ دوا خانہ گھنٹہ گمر پشاور

☆ رحمانی ملت دوا خانہ گھنٹہ گمر پشاور

☆ نوید صحت ناصر دوا خانہ پشاور صدر

☆ حافظ دوا خانہ شکر درہ کوہاٹ

- ☆ حکیم جمیل دینا بازار، جگہ گورہ
☆ مدینہ پنسار گجوجان، روز، مردان
☆ سعید میڈیکل، نوشہرہ
☆ المہر پنسار، ایبٹ آباد
☆ البخت پنسار، ایبٹ آباد
☆ مشتاق پنساری، غازی گھاٹ
☆ بادشاہ دہی، بی بی بڑ بازار، راولپنڈی
☆ حکیم صوفی نور محمد، احمدیٹ چوک، جہلم
☆ زمان دواخانہ، رہتاس روڈ، جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ، جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ، دینہ
☆ ہمدرد دواخانہ، کالہ موسیٰ
☆ ہمدرد دواخانہ، میرپور
☆ ہمدرد دواخانہ، مظفر آباد
☆ ہمدرد دواخانہ، گلگت
☆ ہمدرد دواخانہ، چلاس
☆ الحسن پنسار، شورنگلی، مروت
☆ امجد برادرزگی، گیٹ 2، بھون
☆ امجد برادرزگی، گیٹ ڈیرہ
☆ امجد برادرزگی، گیٹ کوہاٹ
☆ نعیم دواخانہ، حافظ آباد
☆ الرحمن دواخانہ، 2، نو بارہ، گوجرانوالہ
☆ علی ہومیو، اچھرہ، شاپنگ سنٹر، اچھرہ، لاہور
☆ یو سال پنسار، صدر بازار، منڈی بہاؤ الدین
☆ نذرانہ برادرزگی، نیکل شور، ہسپتال روڈ، چکوال
☆ المدینہ ہومیو، چو بارہ، روڈ، لیہ
☆ عوامی دواخانہ، امین بازار، مظفر آباد
- ☆ عرفان الیاس، بیرکنڈہ
☆ الشفاء ہومیو، پارا چنار
☆ اسلم کریانہ، چکوال
☆ الحمد دواخانہ، کوٹ محمد
☆ شفیق بخاری، خواجہ پنساری، سیالکوٹ
☆ قدیمی چینیوٹی دواخانہ، کچہری بازار، سرگودھا
☆ باسط ہومیو، ایف ون، میرپور
☆ بسم اللہ ہومیو، نشتر روڈ، میاں چنوں
☆ عنایت پنسار، بنگرام
☆ ہاشمی دواخانہ، واہ
☆ شاعری طیبی دواخانہ، چنیوٹ بازار، فیصل آباد
☆ وحجاب ہومیو، چنیوٹ بازار، فیصل آباد
☆ علی ہومیو، نور پور، رام روڈ، کوئٹہ
☆ مومن پنسار، شور مسجد، باغ والی، وہاڑی
☆ مدنی پنسار، صدر بازار، ساہیوال
☆ میاں ہومیو، کر بلا روڈ، ساہیوال
☆ گلکس دواخانہ، حمام روڈ، انک
☆ مولگا پنسار، لیاقت آباد، کوٹ لکھپت، لاہور
☆ نیا دواخانہ، انارک، ہومیو، مین بازار، جھنگ، صدر
☆ قادری میڈیکل، شور مین بازار، کوٹلی
☆ راوی دواخانہ، ڈی کی، لورالائی
☆ ایس ایس ٹنکرز، 22، علامہ اقبال روڈ، لاہور
☆ سلیمان پنسار، چوک سرائے کالہ، ٹیکسلا
☆ یاسر ہومیو، شور سردر، شہید چوک، جوہر آباد
☆ الشفاء ہومیو، شور نر، نیشنل بینک، پارا چنار
☆ سندھ ہومیو، چکر بازار، نواب شاہ

☆☆

کوہن ماہ مارچ 2015ء

قلمی دوستی

ماہنامہ جی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اس ماہ کوہن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوہن ارسال نہ کرنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

سکھ انچارج قلمی دوستی..... ماہنامہ جی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل. ایل. بی

مشغلہ: مطالعہ کرنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ پوسٹ بکس نمبر 217

جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com



ماہنامہ جی کہانی لاہور (171) جولائی 2015ء

نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، سکوائش کھیلنا اور قلمی دوستوں

سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasooelzia@yahoo.com



نام: اسے رشید

عمر: 33 سال

مشغلہ: جی کہانی پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن



موبائل نمبر 0310-7009507



نام: ملک محمد رضا حیدر

عمر: 32 سال

تعلیم: جاری ہے

مشغلہ: اچھی بکس پڑھنا، ماہنامہ نچی کہانی پڑھنا، موسیقی

سننا، اچھے اچھے دوست بنانا اور دوستوں سے مکمل روابط

قائم رکھنا، ہر ایک کی عزت کرنا، اچھے اور وفا دوست

ضرور روابط قائم کریں۔

پتہ: ملک محمد رضا حیدر، پتہ بھانڈہ راولپنڈی کینٹ

موبائل نمبر 0300-5606793

0312-8341035



نام: حافظ عبدالغفور

عمر: 45 سال

تعلیم: ایف اے (فاضل عربی) بیچلر

مشغلہ: مذہبی تاریخی روحانی اور ہر قسم ناسک کا مطالعہ

کرنا، سیر و سیاحت کرنا، طو کتابت کرنا، ٹیلی فونک

دوستی، اچھے اور با وفا لوگوں سے قلمی دوستی کرنا اور بھانا۔

پتہ: عبدالغفور، موبائل نمبر 0305-5435104

307-3828139 فہ آباد



نام: ساحل علی

عمر: 22 سال

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ساحل علی، موبائل نمبر 0300-8366273

0337-4995595 لاہور



نام: پرنس بابر علی خاں بلوچ

عمر: 17 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: با وفا لوگوں سے قلمی دوستی کرنا، اچھی اچھی

کتابیں پڑھنا، تحریریں لکھنا، فلاحی کاموں میں بڑھ

چڑھ کر حصہ لینا، تصویریں جمع کرنا، سیر و سیاحت کرنا

اور کرکٹ کھیلنا۔

پتہ: پرنس بابر علی خاں بلوچ ولد محمد ایوب خاں بلوچ

چک نمبر 99.9L بھولے دی جھوک ڈاک خانہ خاص

تحصیل ضلع ساہیوال

موبائل نمبر 0345-6324499

0300-4896399



نام: خضر حیات

عمر: 25 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: رسائل پڑھنا، ٹکھیلنا، میوزک سننا

غریب لوگوں کی مدد کرنا اور

پتہ: خضر حیات، روڈ، تھل، تحصیل

ماہنامہ نچی کہانی لاہور، جے 2

نام: شاہد رفیق سہو

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: بچی کہانی پڑھنا لوگوں کی مدد کرنا اچھے دوستوں کی تلاش ہے۔

پتہ: شاہد رفیق سہو ڈاک خانہ جسوکانویں تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال۔ موبائل نمبر 0345-3272617



نام: محمد عمران

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا لوگ ڈرائیونگ کرنا لڑکے لڑکیوں کے ساتھ قلمی دوستی کرنا، قلمی لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: محمد عمران۔ موبائل نمبر 03104628414 لاہور



نام: امین مراد انصاری

عمر: 40 سال

تعلیم: ڈبل

مشغلہ: اخبار و رسائل میں لکھنا، قلمی دوستی کرنا لڑکیاں زحمت نہ کریں۔

پتہ: امین مراد انصاری لال مارکیٹ سیکٹر 5-F سنگل

اسٹوری نیو کراچی کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75850

موبائل نمبر 0308-3922934

0344-2029086



نام: امتیاز حسین

عمر: 20 سال

تعلیم: B.A

مشغلہ:

لڑکوں سے دوستی۔

پتہ: شمع اسٹور حاجی فتح خان روڈ کوئٹہ



نام: عبدالستار

عمر: 25 سال

مشغلہ: لڑکے، لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، قلمی لوگ رابطہ کریں۔

پتہ: عبدالستار موبائل نمبر 0315-7796853 لاہور



نام: رسول شاہ

مشغلہ: R.S مجبور لوگو۔

پتہ: رسول شاہ موبائل نمبر 0332-6666747

0304-5135763 پشاور



نام: سپر آگولے والیہ

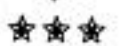
عمر: 16 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا ہر وقت گاتے رہنا تاکہ دل کے دکھ کم ہوں۔

پتہ: تحصیل و ضلع خوشاب ڈاکخانہ رکھلا منڈی

G/H سکول رکھلا منڈی سپر آگولیوالیہ۔



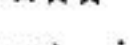
نام: جاوید اقبال ساجد

عمر: 20 سال

تعلیم: ایف اے

پتہ: معراج فلوور سٹور قریش کلونی نئی آبپوی

بہاولنگر



ایہا۔ بچی کہانی لاہور 173 مارچ 2015ء

نام: علی خان
عمر: 22 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: دوستی کرنا

نام: محمد نسیم
عمر: 22 سال
تعلیم: بی کام
پتہ: 513 رضا بلاک، سٹریٹ نمبر 13، علامہ اقبال
ٹاؤن لاہور

پتہ: پوسٹ آفس سند آباد گارٹو شوگر ملز تعلقہ
T.M.K ڈسٹرکٹ Hyd معرفت غلام رسول کرمانہ
مرچنٹ اسٹور سعید خان لنڈے علی خان کو۔

☆☆☆

نام: شہزاد بٹ
عمر: 20 سال
تعلیم: ایف اے

☆☆☆

نام: فرخ نذیر
عمر: 28 سال
تعلیم: ایف اے

مشغلہ: پڑھنا اور ہاؤس بلڈنگ کرنا، میوزک
سننا اور اچھے دوستوں کی تلاش۔

مشغلہ: مطالعہ کرنا

پتہ: محلہ کرم اللہ شاہ نزد پرانی جیل۔ شہزاد بٹ
گجرات

پتہ: فرخ نذیر معرفت سلطان جرنل سٹور نزد سلطان
مسجد گلی نمبر 28 سلطان پورہ لاہور

☆☆☆

نام: محمد نسیم
عمر: 22 سال
تعلیم: بی کام

☆☆☆

نام: ظہیر عباس
عمر: 15 سال

مشغلہ: خوبصورتی میری کمزوری ہے
پتہ:

پتہ: ضلع انک تحصیل پنڈی، محلہ ڈاک خانہ بمقام
لیوادی محلہ ٹیرھا۔ فاروق دکاندار کو ملکہ ظہیر عباس کو
ملے۔

P.O. Box NO-29474
DUBAI-U.A.E

☆☆☆

نام: محمد قرین شاہین
عمر: 21 سال
تعلیم: بی اے

☆☆☆

نام: جنید عالم ساگر
عمر: 17 سال
تعلیم: میٹرک

پتہ: کانشیل قرین شاہین، سنٹرل جیل کوٹ
لکھنپٹلاہور

مشغلہ: پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، بے وقار لوگ
سفر کی تلاش۔

☆☆☆

نام: محمد جاوید
عمر: 25 سال

پتہ: ضلع تحصیل گجران دو سہرہ جو کہ محلی محلہ جہن
آباد نظر حکیم دوکاندار کو ملکہ جنید عالم ٹیلر کو ملے۔

☆☆☆

پتہ: سچی کہانی لاہور (174) مارچ 2015ء

تعلیم: ایم اے

پتہ: محمد جاوید ولد ماسٹر محمد رفیق، چک 9 نمبر
362/W.B ڈاکخانہ خاص تحصیل دہراپور ضلع
لودھراں۔

○ ☆ ○

نام: فرہاد عباس آتش

عمر: 19 سال

تعلیم: فیسٹ ایئر

مشغلہ: باوقالوگوں سے دوستی کرنا گانے سننا

پتہ: اسم عباس کو ملکر فرہاد عباس آتش کو ملے۔

پوسٹ بکس نمبر 1759 ادنیٰ یو۔ اے۔ ای

نام: عزیز اللہ خان نیازی پٹوں خیل

عمر: 21 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: رسالے پڑھنا اور اچھی کتابیں پڑھنا

اور لڑکوں سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: عزیز اللہ خان پٹوں خیل سنٹرل جیل میانوالی

احاطہ نمبر 4

نام: ایس ناظم

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: تنہائی کی شکار، خود مختار، بااعتماد

پتہ: ضلع حیدرآباد تحصیل کھاریاں ڈاک خانہ بمقام

خاص دھڑ شریف

نام: مجاہد انیس

عمر: 21 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: ٹریجڈی میوزک سننا

پتہ: جاوید بک ڈپو اردو بازار ساہیوال پاس مجاہد انیس
کو ملے۔

نام: رانا وسیم طاہر

عمر: 25 سال

تعلیم: میٹرک

دوستی کرنا اور ایک عسکر کی تلاش۔

پتہ: معرفت شاہنواز راشن شاپ گلشن اقبال کراچی

نمبر 47 بلاک نمبر اضیاء الحق کالونی، رانا وسیم طاہر۔

○ ☆ ○

نام: خیال اقدس

عمر: 30 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی لڑکے لڑکیوں سے، فلمیں دیکھنا

مطالعہ کرنا، ہر خط کا باقاعدگی سے جواب دینا، شاعری

کرنا، تحائف کا تبادلہ

پتہ: پوسٹ بکس نمبر 46350 راولپنڈی۔

○ ☆ ○

نام: عاشق رفیع

عمر: 19 سال

پتہ: این اے 371-B سینٹرائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

نام: عمر احمد

عمر: 19 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے دوستی کرنا

پتہ: بہدیاں روڈ ٹاور آبوالا، ہور کینٹ۔ مدنی اسٹیٹ

کارپوریشن، چوہدری اختر علی کو مل کر عمر احمد کو ملے۔

نام: آصف محمود چوہدری

عمر: 23 سال

تعلیم: B.A گریجویشن

مشغلہ: میوزک سنٹا

پتہ: آصف محمود چوہدری، ندیم سٹیشنری اینڈ گفٹ
سٹور، حیدری مارکیٹ، زیدی سٹریٹ نمبر 32۔ سائندھ کلاں
لاہور

نام: عمران ناز

عمر: 25 سال

تعلیم: میٹرک جاری

مشغلہ: مخلص باوقا شعرو شاعری سے دلچسپی

پتہ: عمران ناز، معرفت نیو کشمیر ٹیلرڈ بھٹی چوک
شریف پلازہ سیکٹر 3 ڈیال آزاد کشمیر

نام: شفاء اللہ خان روکھڑی

عمر: 27 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: ہر قسم کی کتاب کا مطالعہ کرنا، حقیقی اور

مخلص دوستوں کی تلاش، بے وقاف لوگ خط لکھنے کی

زحمت نہ کریں۔ خطوط کے جواب دینا فرض سمجھتا۔

پتہ: شفاء اللہ خان روکھڑی، سنٹر جیل میانوالی۔

احاطہ نمبر 4/4

نام: تنویر احمد خان

عمر: 18 سال

تعلیم: بی اے (جاری)

مشغلہ: سرکٹ کھیلنا، رسائل پڑھنا، میوزک سنٹا

ماہنامہ سچی کہانی، 176 مارچ 2015ء

لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: 53 ای بلاک ماڈل ہاؤس گلہاڑ

نام: سپاہی صوفی محمد شاکر

عمر: 28 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: شاعری، قلمی دوستی

پتہ: سپاہی صوفی محمد شاکر

معرفت کشم کلینر ڈرائی پورٹ ملتان ریلوے سٹیشن
ملتان

نام: ملک افضل رومانی

عمر: 22 سال

تعلیم: ایف۔ اے

مشغلہ: شاعری، قلمکاری، قلمی دوستی، سرکٹ کھیلنا

پتہ: ملک افضل رومانی، ملک میڈیکل

ہال۔ سورج میانی ملتان

نام: ڈاکٹر طاہر غفور انجم

عمر: 36 سال

تعلیم: بی۔ اے

مشغلہ: مطالعہ، کہانیاں اور افسانے لکھنا، میوزک

پتہ: معرفت پوسٹ بکس نمبر 58-13 لاہور



ناقابل فراموش واقعات کوپن ماہ مارچ 2015ء

اس کالم میں آپ مختصر سبق آموز، معلوماتی، حیرت انگیز، ناقابل فراموش، خوفناک، دہشت ناک واقعات اور اسلامی معلومات ارسال کر سکتے ہیں۔ جس کے ہمراہ آپ کو اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کرنا ہوگا۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں۔ اپنی تحریریں صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

کچھ انچارج ناقابل فراموش واقعات..... ماہنامہ نجی کہانی 29 حبیب ہینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

آزمائش آئی ہے کہ قیامت سے پہلے قیامت کا سماں ہے۔ شمالی علاقوں، خیبر پختونخوا اور پنجاب کے متاثرہ علاقے خوف و ہراس کے لہے لہی اور عبرت کی ایسی تصویر بنے ہوئے ہیں کہ قلم لکھنے سے زبان اظہار سے قاصر ہے۔

گزشتہ دنوں امریکہ میں طوفان سے ہونے والے نقصانات کا جہرہ عام ہے۔ مظلوم و غریب انسان پر جس جگہ بھی مصیبت پڑے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ایک فطری عمل ہے۔ امریکی ریاستوں لوزیانا، میسیسیپی، الاباما اور ٹیکساس وغیرہ میں بڑے درجے کی تباہی ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق امریکی معیشت جو کوکم از کم 125 ارب ڈالر سے زائد کا مالی نقصان ہوا۔ ایسے میں اکثریت اسے عذاب الہی سے تعبیر کرتی ہے کہ امریکہ آج کل جس فرعونی دور سے گزر رہا ہے قدرت نے اس کے لیے نیل کے پانیوں جیسا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ بعض اہل الرائے اس چیز کے سخت مخالف بھی ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ قدرتی آفات محض ارضیاتی تغیرات کے باعث وجود میں آتی



القارعتہ صالقارعتہ
”کمز کرنے والی یہ کمز کرنے والی کیا ہے؟“
”یہ ایسی ہی ہے اچانک اور فوراً جکڑ لینے والی“
مہلت دیئے بغیر حملہ کرنے والی جب پوری زمین شدت سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے اندر کے بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا؟“
(سورۃ الزلزال)
”جس دن لوگ بکھرے ہوئے پر دانوں کی طرح ہو جائیں گے۔“ (سورۃ القارعتہ)
یہ نقشہ تو قیامت کا ہے مگر وطن عزیز پر کیسی

ہیں کہ یہ دنیاوی سزا ان کے گناہوں کو ختم کر دے، واپاک ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہو سکیں۔

”اور ہم یقیناً تمہیں خوف، بھوک اور اموال نفوس اور ثمرات کی کمی سے آزمائیں گے اور اے پیغمبر آپ ﷺ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔“ (سورۃ بقرہ 155)

بعض کے لیے مشکلات و آفات امتحان ہوتے ہیں کیونکہ مصائب انسان کے دل سے پردہ غرور و تکبر کو ہٹانے، خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ہوس رانی اور خود پسندی سے نکالنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے۔ مگر جب بندہ اپنے رب کو بھول جائے اور اس کی رحمتوں کا سوال نہ کرے تو اللہ رب رحیم اسے خود ہی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔ جو اسے بھجھوڑ دے، خواب غفلت سے بیدار کر دے۔ دنیا کی خواہشات میں غرق انسان کو دنیا کی حقیقت دکھا دے تاکہ اس کا بندہ اس کی طرف لوٹ آئے اور اس کی رحمتوں کے خزانے سے مستفید ہو سکے۔“

”ہم ان کو بڑے عذاب (عذاب آخرت) سے پہلے چھوٹے عذاب (دنیاوی عذاب) کا مزہ چکھائیں گے شاید وہ راہ راست پر لوٹ آئیں۔“

(سورۃ سجدہ 21)

”ہم تو برائی اور بھلائی کے ذریعے آزمائیں گے اور تم سب پلٹ کر ہماری بارگاہ میں لائے جاؤ گے۔“ (سورۃ انبیاء 35)

یہ مصائب اور آفات مومن کے لیے آزمائش ہوتی ہیں اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا سبب ہوتی

ہیں۔ ان کے لیے عذاب الہی کی اصلاح استعمال کرتا درست نہیں۔ اس ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ امریکہ میں آنے والا طوفان اگر عذاب الہی تھا تو ماضی کے زلزلے جو پاکستان، ترکی، افغانستان اور ایران جیسے اسلامی ممالک میں آئے اور موجودہ ہولناک زلزلہ جس کے نقصانات سے ننھے ننھے میں حکومت کو شاید سالوں لگیں گے انہیں آپ کیا کہیں گے.....؟

بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہ قدر خواہ خیر کی ہو یا شر کی منجانب اللہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ انصاف اور عدل کرنے والا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی بھی کام بغیر وجہ یا سبب کے نہیں ہے۔ یہ قدرتی فیصلے دنیاوی نظام کا حصہ نہیں ہیں۔ جس میں ایک نتیجے کے پانے کے لیے دس طرح کے عمل کیے جائیں۔ یہ تو نظام الہی ہے جس میں اس کے ایک عمل سے دسیوں نتیجے نکلتے ہیں۔ مشکلات اور مصائب بعضوں کے لیے بطور سزا ہوتے ہیں مگر صرف ان کے لیے جن کے گناہ اس قدر شدید ہو جائیں کہ وہ دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق بن جائیں۔

”خشکی اور سمندر میں فساد انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے۔“ (سورۃ الروم 41)
”ان میں سے بعض بستیاں رہ گئی ہیں اور بعض کٹ پھٹ کر برابر ہو گئی ہیں۔“ (سورۃ ہود 101)
”اور جب انہوں نے بہت فساد مچا دیا تو ان کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔“

(سورۃ الفجر 12-13)

اور بعض کے لیے یہ آفات سزا کے طور پر ہوتی

ہیں۔ اللہ اپنے کسی بندے کو جان و مال کا عذاب دے کر اس کا صبر آزماتا ہے۔ کسی کا جذبہ ہمدردی آزماتا ہے جو اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھ کر بیدار ہوا ہو۔ کسی کا جذبہ درگزر آزماتا ہے کہ مسلمان کی پریشانی ہماری سب کی پریشانی ہے اور ہمیں اپنے کسی مسلمان بھائی سے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ہمیں کسی مسلمان بھائی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

”بلا اور مصیبت ظالم کے لیے تادیب مومن کے لیے امتحان انبیاء کے لیے درجہ اور اولیاء کے لیے کرامت و عظمت ہے۔“

مگر تاریخ شاہد ہے اور قرآن صراحتاً کہتا ہے کہ بہت سی منحرف اقوام نے ان مصائب و مشکلات کے باوجود صحیح رویہ اختیار نہیں کیا حتیٰ کہ سخت عذاب خداوندی نے انہیں تباہ کر دیا۔

”ہم نے انہیں عذاب و مصائب میں مبتلا کیا مگر یہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ گریہ و زاری (توجہ) کی۔“ (سورۃ مومنین 76)

جیسے سائنس کی روشنی میں زلزلے کا سبب زمین کی تہوں میں موجود فالٹس ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی زندگی میں آنے والے مصائب کا سبب اس کی نافرمانی اور اللہ کی طرف سے تنبیہ اشارے ہوتے ہیں کہ کائنات کا مالک تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

زمین کو فراغت نہیں زخروں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

”تو فلاح پا گیا جس نے تزکیہ (نفس کو گناہوں

سے پاک) کیا اور ناکام ہو گیا وہ جس نے خاک میں ملا دیا۔ (توجہ کے قائل نہ سمجھا)“

(سورۃ شمس 9-10)

☆ پرس بار علی بلوچ، بھولے دی جھوک، ساہیوال

☆☆☆

گستاخی کی سزا

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ..... میں ملک شام کی سرزمین میں تھا تو میں نے ایک شخص کو بار بار یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ۔

”ہائے افسوس میرے لیے جہنم ہے۔“ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے۔ وہ دونوں آنکھوں سے اندھا بنا ہوا تھا۔ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔

”ہائے افسوس افسوس میرے لیے جہنم ہے۔“ یہ منظر دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ۔

”اے شخص! تیرا کیا حال ہے اور کیوں اور کس بناء پر تجھے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟“ یہ سن کر اس نے کہا۔

”اے شخص! میرا حال نہ پوچھ۔ میں ان بد نصیب لوگوں میں سے ہوں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے ان کے مکان میں گھس پڑے تھے۔ میں جب تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو ان کی بیوی صاحبہ نے مجھے ڈانٹ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ تو میں نے ان کی بیوی کو ایک تھپڑ مارا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ تیرے

ان لوگوں کا اتنا برا حال ہوا کہ تو بہ تو بہ نحوذ بالشد
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اللہ والوں کی بے ادبی
گستاخی کی لعنت سے محفوظ رکھے اور اپنے محبوبوں کی
تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و احترام کی توفیق بخشے۔
☆ عبد المجید شاہد فیصل آباد

موبائل نمبر 0344-7865442

☆☆☆

ایک ٹولہ

یہ عالمی شہرت یافتہ ناول نگار پیرس میں 1840ء
میں پیدا ہوا اور 1902ء میں وفات پائی۔ ابھی بائیس
سال ہی کی عمر تھی کہ ایک پبلشری دکان پر ملازمت کر
لی۔ 1864ء میں پہلا ناول

TALES FOR NINON

لکھا۔ مگر کچھ زیادہ پسند نہ کیا گیا۔ اب اس نے
ملازمت ترک کر دی اور پوری زندگی ناول نگاری کے
لئے وقف کر دی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اس کا ایک اور
ناول شائع ہوا جو اسلوب کے اعتبار سے بہت کامیاب
تھا اور بے حد مقبول ہوا۔

1898ء میں کپتان الفریڈ ڈرنفس پر خداری کے
جھوٹے مقدمے کا آغاز ہوا۔ ٹولہ نے حق گوئی اور
بے باکی کا عملی ثبوت دیتے ہوئے ان تمام فراہسی
اعلیٰ افسران کو خدار اور مجرم ثابت کیا جنہوں نے
کپتان ڈرنفس کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنایا تھا۔

ٹولہ کو ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور وہ انگلینڈ
چلا گیا۔ لیکن اس کے کھلے خط کی اشاعت نے
فراہسی عوام کو بڑی حد تک بیدار کر دیا۔ پلاؤ
ڈرنفس کیس کی ازسرنو سماعت ہوئی اور کپتان
ڈرنفس کو باعزت طور پر نہ صرف بری کر دیا گیا بلکہ
اس کا عہدہ اور اس کے اعزازات واپس کر دیے

ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ ڈالے اور تیری آنکھوں کو
اندھی کر دے اور تجھ کو جہنم میں جھونک دے۔ اسے
فحش! میں امیر المومنین کے پر جلال چہرے کو دیکھ کر
اور ان کی اس دعا کو سن کر کانپ اٹھا۔ میرے بدن کا
ایک ایک روتھکا کھڑا ہو گیا اور میں خوف و دہشت سے
کانپتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔ امیر المومنین
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی چار دعاؤں میں سے تین کی
زد میں تو آچکا ہوں۔ تم دیکھ رہے کہ میرے دونوں
ہاتھ اور پاؤں بھی کٹ چکے ہیں۔ اب صرف چوتھی
دعا یعنی جہنم میں میرا جانا باقی رہ گیا ہے۔ مجھے یقین
ہے کہ یہ معاملہ بھی یقیناً ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اب میں
اس کا انتظار کر رہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کر کے
نادم و شرمسار ہو رہا ہوں اور اپنے جہنمی ہونے کا اقرار
کرتا ہوں۔“

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اگرچہ بہت بڑا ستار و غفار اور غفور رحیم ہے۔ لیکن اگر
کوئی بد نصیب اس کے محبوب بندوں کی شان میں
گستاخی و بے ادبی کرے تو اللہ تعالیٰ کی کہاری و جباری
اس مردود کو ہرگز ہرگز معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور
بالضرور دنیا و آخرت کے بڑے بڑے عذابوں میں
گرفتار کر دیتی ہے اور وہ دونوں جہان میں تہمتار
و غضب جبار کا اس طرح سزاوار ہو جاتا ہے کہ دنیا میں
لعنتوں کی مار اور پھٹکار اور آخرت میں عذاب نار کے
سوا اس کو کچھ نہیں ملتا۔

لوگوں نے ان گستاخوں اور بے ادبوں میں سے
کئی ایک کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان پر قہرائی
کی ایسی بار پڑی ہے کہ تو بہ تو بہ الامان اور مرتے وقت

گئے۔ اب ڈولا پیرس واپس آگیا اور وفات پانے تک
خلیق کاموں میں مصروف رہا۔

✽ محمد عظیم ----- میاں چنوں

جیز ایک لعنت ہے

کہتے ہیں کہ بیٹیاں خدا کی رحمت ہیں۔ لیکن
مب یہ بیٹیاں کسی غریب گھر میں پیدا ہوتی ہیں تو مکی
الدین کے لیے زحمت بن جاتی ہیں۔ غریب والدین
پنا پیٹ کٹ کر اپنی بیٹی کو تعلیم، سلیقہ اور شرم و حیا
کے زیور سے آراستہ تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی
بیٹیوں کا مقدر نہیں بدل سکتے۔ کیونکہ یہ ظالم سلج
الے جو زمین پر نافذ اپنے بیٹھے ہیں ان کے لالچ
نے انہیں اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ یہ دیکھنے کے
بہل ہی نہیں رہے۔ اور انہوں نے غریب بیٹیوں
کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے اندھیرا لکھ دیا ہے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ بد نصیب ہیں۔ جنہیں
پتہ ہی نہیں ہے کہ بیٹیوں کا اصل سرمایہ ان کی
خلیم اور اصل زیور شرم و حیا ہے۔

جیز ایک لعنت ہے میں کہتی ہوں آپ کہتے
ہیں اور آپ جیسے اور نبھانے کہتے ہوں گے لیکن ہم
نے سوچا ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اس کا
ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ ہم کہتے تو
ہیں لیکن اس پر عمل کرنا بھول جاتے ہیں۔ یہ
حالات ہمارے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ کبھی ہم
نے یہ سوچا کہ ہم کس ملک کس قوم اور کس مذہب
سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو نبی حضرت
محمد ﷺ کی امت کہتے ہیں لیکن ان کی کتنی باتوں
پر عمل کرتے ہیں۔ یہ کبھی سوچا ہے ہم نے

آنحضور ﷺ اگر چاہتے تو مٹی کو سونا بنا سکتے
تھے۔ وہ اپنی بیٹی کو کیا کچھ نہیں دے سکتے تھے لیکن
نہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے ایک روشن مثال
چھوڑی ہے۔ لیکن ہم بد نصیب سب کچھ بھلائے
بیٹھے ہیں۔ اپنے مذہب سے دوری ہی ہمارے زوال
کا سبب ہے۔ آپ نے جیز کے خلاف نبھانے کہتے
فیجز، کتابیں، فلمیں اور ڈرامے دیکھے ہوں گے
لیکن پھر بھی ہمارے معاشرے میں جیز کی وبا زخم
ناسور کی طرح پھیلی جا رہی ہے۔ مکی وہ ہے کہ
معاشرے کی غریب بیٹیاں اپنے لیے سرخ جوڑے کا
خواب دیکھتے دیکھتے سفید لبادہ اوڑھ کر اپنے باہل کے
گھر سے بیٹھ کے لیے رخصت ہو جاتی ہیں۔ کہ
دیکھ باہل میں ہماری بریشائیاں سارے دکھ ہمیشہ
کے لیے ختم کیے جا رہی ہوں اب کوئی ہماری دلہن پر
ہولی لگانے نہیں آئے گا۔

میں کسی سے یہ گزارش نہیں کروں گی کہ جیز
ایک لعنت ہے اسے ترک کر دیں کیونکہ میں جانتی
ہوں کہ اس پر عمل کوئی نہیں کرے گا۔ بس اپنے
رب سے دعا کروں گی کہ اے میرے رب کسی
غریب کے گھر بیٹی نہ دینا اور اگر دینا تو اسے دولت
بھی اتنی دینا کہ اسے باعزت طریقے سے رخصت کیا
جائے ورنہ یہ دنیا والے طعنوں اور تہمتوں سے اس
کا جینا دو بھر کر دیں گے اور پھر سرخ جوڑے کی
بجائے سفید جوڑا اس کا مقدر بن جائے گا۔ یا پھر
اس سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دے یا رب۔

ناگل اپنا نا خدر اپنا نا باغی اپنا
آہ کس گلشن میں بیٹا آشیں اپنا

☆ ثناء۔ لاہور

ماہنامہ سخن کہانی لاہور (181) مارچ 2015ء

دھرتی کی صرف تیس سیکنڈ کی جنبش ہے زندگی کی رونقیں اپنے اندر سمیٹ کر اور سنبھال کر رکھنے والے گاؤں بری طرح تباہ ہو کر انسان کی بے بسی کی الم ناک تصویر انسان کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ گاؤں کے پختہ نیم پختہ مکانات لمبے لمبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ہزاروں لوگ اپنے اپنے مکانوں میں دب کر مر گئے تھے۔ جو کسی طرح زندہ رہ گئے تھے۔ وہ اپنے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی موت پر آنسو بہا رہے تھے۔ آہوں، سسکیوں اور ہچکیوں کا دل کو چیر کر رکھ دینے والا شور مچا رہا تھا۔ کچھ مکانوں کے لمبے سے نکلی ہوئی ایسی لاشیں بھی تھیں جن پر کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں تھا ایسی لاشوں کے کرایا کرم میں فوجیوں کے وقت کی کافی بچت ہو رہی تھی۔ ایک چتا پر ایک ساتھ پانچ چھ مردے جلائے جا رہے تھے۔ مگر لاشیں تھیں کہ 'کم ہی ہمیں ہو رہی تھیں۔ ملک کی آبادی کی طرح بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ لمبے سے جب ایک عورت کی لاش نکالی گئی تو تین آدمی اسے دیکھتے ہی ہاتھوں میں اپنے چہرے چمپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے ان تینوں میں سے ایک آدمی سبک کر کہنے لگا میری بیویں ساتھ تیرے بغیر اب میرا جیون کیسے گزرے گا۔ کیوں بچ گیا میں۔ اس کے الفاظ سن کر باقی دو آدمی رونے لگے چھوڑ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگے۔ پھر ان دو میں سے ایک نے عورت کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہنے والے آدمی سے غرا کر پوچھا یہ تیری بیویں ساتھ کیسے ہو گئی یہ تو میری چچی کی لاش ہے، میری چچی کی لاش۔ دوسرا اگر جا کیا کہتے ہو تم دونوں یہ میری چچی کی لاش ہے۔ اس کا جی ہوں نہیں..... میں

اس کا جی ہوں نہیں میں۔ ایک عورت کی لاش دیکھ کر تین آدمی اس عورت کا شور ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ معاملہ الجھا ہوا تھا اور تشویش ناک بھی، کیونکہ عورت کی لاش زیورات سے آراستہ تھی۔ گلے میں سونے کا ہار کانوں میں سونے کی بالیاں، کھانوں میں سونے کے ہی کنگن، معاملہ تحقیقاتی کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ جس نے یہ طے کیا کہ تینوں دعوے داروں میں سے جو آدمی اس عورت کی لاش کی کوئی چھپی ہوئی نشانی یا پہچان بتا دے گا یہ زیور اس کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ نہیں..... مجھے زیور نہیں چاہئے زیور ان دونوں کو دے دیجئے مجھے صرف اس عورت کا جی ہونے کا حق چاہئے تینوں میں سے ایک ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑانے لگا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تمہاری چچی ہے تو نشانی بتاؤ کمیٹی نے یہی فیصلہ کیا ہے دوسرا آدمی بھڑک بولا میں کیا نشانی بتاؤں اپنی چچی کی میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ 'یہ میری چچی ہے' اچھا..... تو تم بتاؤ کوئی نشانی دوسرا آدمی تیسرے آدمی سے مخاطب ہوا نشانی..... نشانی تیسرا آدمی سوچنے لگا پھر بولا مجھے کوئی نشانی یاد نہیں آ رہی ہے..... لیکن میری چچی بالکل ایسی ہی شکل و صورت کی تھی بالکل ایسی ہی..... بھڑک اٹھنے والا آدمی تلخ لمبے میں تحقیقاتی کمیٹی کے افسر سے کہنے لگا..... صاحب یہ دونوں لالچی زیوروں کیلئے میری چچی کا جی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں دراصل میں اس کا جی ہوں میں ہی اس کی پہچان کی کی چھپی ہوئی نشانی بتا سکتا ہوں۔ اس کے سینے پر دونوں چھاتیوں کے درمیان ایک قے ہے۔ تحقیق کیلئے لیڈی کانسٹیبل نے عورت کی لاش کے بلاؤز کے جھن کھولے سینے پر پتلا نور..... درمیان واقعی اسے

تھا۔

تھی۔ جب اس کا پتی کہیں باہر گیا ہوا ہوتا تھا۔ اس کا پتی میرا دوست بہت بھروسہ کرتا تھا مجھ پر بے چارہ اچھے مکان میں دب کر مر گیا ہے شکر ہے یہ بات میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ذیوایا کھوسہ شارچہ پو اے اسی



چنانچہ سارے زیور اس آدمی کے سپرد کر دیے گئے..... وہ آدمی زیور لٹنے کے بعد اپنے اندر ایک عجیب طرح کی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا..... قسمت نے اسی دن کیلئے شاید اس کا قتل کھایا تھا وہ مجھے بہت چاہتی تھی..... ایک دستر خوان کی طرح میرے سامنے اس وقت بچھ جاتی

انچارج۔ شاہدہ پروین

شاہدہ کا دستر خوان

کھانے پکانے کی ترکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہونے چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

کھلے شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ گجی کہانی 29 صیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



آلو گوشت

بند کر کے پھا ہوا گرم مصالحہ اور ہر ادھنیا ڈال کر گرم گرم روٹیوں کے ساتھ پیش کریں۔

۱۰۰ گرام نمک۔ کوئٹہ

قیمے اور آلو کے سمو سے

سمو سے کی پٹی کے اجزاء۔

میدہ 1.5 کپ
نیم گرم پانی 1/3 کپ
آئل دو کھانے کے چمچ
نمک ایک چائے کا چمچ
ترکیب۔

میدے کو چھان لیں۔ نمک آئل ملا کر پانی سے آنے کی طرح گوندھ لیں۔ گوندھے ہوئے میدے کو بال کی طرح ٹاٹ پر پلاسٹک کی تھیلی سے ڈھانک کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دوبارہ گوندھ کر 12 سے 14 برابر کے بیڑے بنالیں۔ ہر بیڑے کو گول روٹی کی طرح نیل کر درمیان میں سے دو حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اب کٹے ہوئے حصے کے دونوں کناروں کو اٹھا کر روٹی کے بغیر کٹے ہوئے حصے سے ملا کر ایک ٹکون شکل دے دیں۔ اس میں ایک سے دو کھانے کے چمچ فلنگ لے کر سمو سے میں بھر دیں۔ کناروں کو دبا کر بند کر دیں۔ اگر ضرورت ہو تو میدہ مچھول کر لٹی کی طرح بنالیں اور اس سے سموں کو بند کر دیں۔ اس طرح تمام سمو سے بنالیں۔ کڑھائی میں آئل یا گھی گرم کر کے سموں کو ہلکا کولڈن براؤن کر لیں۔ نشو پیچ پر رکھ دیں۔ مختلف چینیوں کے ساتھ سرو کریں۔

اجزاء۔

گوشت آدھا کلو

آئل اگھی آدھی پیالی

تین عدد (درمیانہ سائز باریک کاٹ لیں)

آدھی ٹمبی (باریک کاٹ لیں)

چار عدد (چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں)

دو کھانے کے چمچ

ایک پاؤ (درمیانہ سائز چھیل کر دو حصوں میں کاٹ لیں)

چار عدد (موٹی موٹی کاٹ لیں)

حسب ذائقہ

آدھا کھانے کا چمچ (پیٹ)

آدھا چائے کا چمچ

آدھا کھانے کا چمچ (پیٹ)

ایک کھانے کا چمچ (پا ہوا)

ایک چائے کا چمچ (پا ہوا)

ایک کھانے کا چمچ (پسی ہوئی)

ترکیب۔

دیکھی میں گھی یا آئل گرم کر کے پیاز براؤن کر لیں۔ گوشت اور کھن پسن ہلدی اور پھا ہوا ادھنیا ڈال کر ڈھک دیں۔ گوشت کا اپنا پانی خشک ہو جائے تو نمک پسی لال مرچ ٹماٹر اور دہی ڈال کر بھوئیں۔ ٹماٹر گل جائیں اور تیل یا گھی الگ نظر آنے لگے تو آلو اور ہری مرچیں ڈال کر اتنا پانی ڈال دیں کہ گوشت اور آلو گل جائیں۔ جب حسب منشا شور بہ رہ جائے تو آٹھ درمیانی کر لیں۔ جب روغن اوپر آجائے تو چولہا

قیے کی فلنگ کے اجزاء۔

آدھا چائے کا چمچ	کلوئی	آدھا کلو	قیر
دو کھانے کے چمچ	آئل	3 سے 4 عدد (باریک کاٹ لیں)	ہری مرچ
1/4 چائے کا چمچ (پاؤڈر)	جائفل	ایک عدد (باریک کاٹ لیں)	پیاز (درمیانہ سائز)
آدھی گٹھی (باریک کاٹ لیں)	ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچ (پاؤڈر)	دھنیا
2 سے 3 عدد (باریک کاٹ لیں)	ہری مرچ	آدھا کھانے کا چمچ (پیست)	لہسن
حسب ذائقہ	نمک	حسب ذائقہ	نمک
	ترکیب۔		

فرانگ بین میں آئل یا گھی گرم کر کے پیاز کو ہلکا گلابی کر کے سفید زیرہ اور کلوئی ڈال کر 2 سے 3 منٹ ایک کھانے کا چمچ لال مرچ ایک چائے کا چمچ (کئی ہوئی) پودینہ آدھی گٹھی (باریک کاٹ لیں) ہرا دھنیا آدھی گٹھی ترکیب۔

ایک فرانگ بین میں آئل یا گھی گرم کر کے پیاز کو ہلکا سا نرم کر لیں۔ قیر، اورک، لہسن اور تمام خشک مصالحے ڈال کر تھوڑی دیر چھون لیں۔ قیے کا پانی خشک ہونے لگے تو ہری مرچیں ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ قیر براؤن ہونے پر تار لیں اور ٹھنڈا کر کے سموسوں میں بھر دیں۔

آلو کی فلنگ کے اجزاء۔

آلو	آدھا کلو (اہال کر چھیل لیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	پانی	ایک گلاس
لہسن جوس	ایک کھانے کا چمچ	برف	کوٹ لیں
پیاز (درمیانہ سائز)	ایک عدد (باریک کاٹ لیں)	دودھ	آدھا گلاس
اورک	آدھا کھانے کا چمچ (پیست)	گلاب کی پتیاں	چند عدد
سفید زیرہ	دو چائے کے چمچ	چھوٹی الائچی کا سفوف	4 چائے کے چمچ
لہسن	آدھا کھانے کا چمچ (پیست)	روح افزاء	ایک چمکی
		ترکیب۔	4 چائے کے چمچ

پانی، دودھ، چھوٹی الائچی اور روح افزاء کو آپس میں مکس کر لیں۔

اس میں الائچی کا سفوف گلاب کی چٹیاں اور اجزاء۔
برف ملا دیں۔ فوراً سرو کریں۔

ہری مرچ
گھی / آئل
☆ طاہرہ۔ گوجرانوالہ

ناریل کی مٹھائی

اجزاء۔

ناریل ایک پاؤ (باریک پسا ہوا)
کیوڑہ ایک چائے کا چمچ
کھویا ایک پاؤ
پانی آدھا کپ
چینی 3.5 کپ
دودھ آدھی پیالی
الائچی 6 عدد (دانے نکال لیں)
آئل اگھی دو یا تین چائے کے چمچ
بادام حسب پسند (باریک کاٹ لیں)
ترکیب۔

8 عدد
آدھا کپ
ایک پاؤ
آدھا کھانے کا چمچ
ایک بڑا انگڑا
ایک چائے کا چمچ
ایک پاؤ
ایک کپ
ایک پاؤ
ایک چائے کا چمچ
دو چائے کے چمچ
ایک چائے کا چمچ
دو چائے کے چمچ
ترکیب۔

ہر سے پیاز کے پتے نکال کر گولی گندی کو لمبائی
میں کاٹ لیں اور باقی تمام ہنریوں کو بھی لمبائی میں
کاٹ لیں۔

ایک برتن میں آئل
اس میں ذال کر فرانی
ذال کر کمس کریں اور
بھجائے ہوئے چاولو

☆ شاہین مرزا۔ فیصل آباد

پانی میں چینی ڈال کر پکائیں۔ جب شیر و گاڑھا
(دو تار) کا ہو جائے تو پسا ہوا ناریل شامل کر کے
خوب اچھی طرح چمچ چلائیں۔ ملس ہو جائے تو دودھ
اور کھویا ڈال کر اچھی طرح پکائیں۔ جب ناریل سننے
لگے تو الائچی اور کیوڑہ ذال کر 2 یا 3 منٹ تک بجائی آٹے
پر رکھ کر اتار لیں۔ ایک ٹرے میں آئل یا گھی لگا کر چکنا
کر لیں اور مٹھائی کو اس میں ذال کر پھیلا دیں۔ ٹھنڈی
ہونے کے بعد مونے چکوروں میں کاٹ لیں۔
آد پر سے بادام ڈال دیں اور پیش کریں۔

☆ نسرین۔ ملتان

☆ انیسرہ۔



عائمہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائمہ جبین

اس عنوان کے تحت ہمیں "گھریلو ٹوٹکے" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

کھدھ عائمہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

دھاتی اشیاء و زیورات

کوئی چمک دمک دیں

عام طور پر گھروں میں مختلف دھاتی اور شیشے کی اشیاء برتن ڈیکوریشن ہیں اور زیورات وغیرہ کو صفائی کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ گھر پر بھی با آسانی کر سکتی ہیں شیشے کی آرائشی اشیاء آئینے یا لیپ بلب کو چکانے کے لیے کپڑے کے چھوٹے کپڑے کو اسپرٹ میں بھگو کر ان اشیاء پر لگائیں پھر اخبار کی مدد سے صاف کر لیں۔ آپ کی پرانی اشیاء صاف شفاف ہو کر چمکنے لگیں گی۔ تانبے کی اشیاء میں چمک پیدا کرنے کے لیے لیموں کی چھال پر نمک ڈال کر تانبے پر رگڑیں 5 منٹ بعد صاف کپڑے سے اچھی طرح صاف کر لیں۔ چاندی کے زیورات اور برتن وغیرہ صاف کرنے کے لیے تین کھانے کے چمچ مٹھا سوڈا پانی میں شامل کر کے پانی ابال کر چوبے سے اتار لیں اور چاندی کی اشیاء اس پانی میں 4 گھنٹے تک بھگو رکھیں اور پھر پانی سے نکال کر خشک کر کے نرم کپڑے سے اچھی طرح صاف کر لیں۔ سونے کے زیورات

کے بھی بہت زیادہ استعمال کے باعث چمک دمک مہم پڑ جاتی ہے۔ انہیں دوبارہ نئی چمک دینے کے لیے کالٹن کے نرم کپڑے کو مٹھا کالٹن اسپرٹ میں بھگو کر اس کپڑے سے زیورات صاف کریں۔ ہیرے کے زیورات صاف کرنے کے لیے المونیم کے برتن میں پانی ابالیں۔ اس میں سوڈا ابائی کاربونیٹ شامل کریں اور ہیرے کے زیورات اس پانی میں ڈال کر برتن چوبے سے اتار لیں۔ آدھے گھنٹے بعد زیور پانی سے نکال کر اسے کسی صاف نرم کپڑے یا پیرانے تو تھ برش کی مدد سے صاف کر لیں۔ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ ہیرے کے زیورات کو بہت نرمی اور احتیاط سے صاف کرنا چاہیے۔

☆ شازیا انصاری۔ سلاٹوالی ضلع سرگودھا

کیٹرانہ لگے

اگر سفید زیرہ، حلوے کی سوچی کو ہلکا سا بھون کر کبھی سلف میں رکھیں تو اس میں کیڑے نہیں لگیں گے۔

☆ سبین بشار۔

کوپن ماہ فروری 2015ء

انچارج
نور فاطمہ

میری پسند

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنا شعر یا قطعہ یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پیلازی روانہ کریں۔

کچھ میری پسند..... ماہنامہ گنجی کہانی 29 صیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

دنیا میں ہوتے ہیں کئی ہزار دوست
ایک دوست ایسا بھی رکھو جسے دیکھ کے مسکرا نہ سکو
☆ عبدالغفور۔ حافظ آباد

ماگھی تھی ہم نے خدا سے محبت کی زندگی
خدا نے تم جیسے دوست سے ملا کر زندگی کو بھی محبت بنا دیا
☆ رانا شاہد محمود۔ روڈہ محل ضلع خوشاب
دولت کے پہاڑی رشتوں کے دیوانے ہوئے
جانے یہ لوگ کس شمع کے پروانے ہوئے
آگ کھانا، آگ پینا، آگ ہی ہے اوڑھنا
آخرت کے انجام سے سب لوگ بیگانے ہوئے
صیب اللہ شہزاد..... گوجرانوالہ کینٹ

لوگوں کی باتوں میں آ کر ساتھ ہمار چھوڑ گئے
آپ نے یہ کیا علم کیا ہے دل کا رشتہ توڑ کے
عاشق حسین..... بہاولپور
افسانے لاکھ تراشو ہزار دو الزام
تمہارا نام تو ہو گا کیونکہ ہمیں ہدایم
راجہ بشیر احمد..... کتواکھرمیدیاں



کسی اپنے کے نام
تیری یادوں سے کوئی سانس نہ خالی جائے
زندگی اتنی حسین کیوں نہ بنالی جائے
اتنی شدت سے نہ کر ترک تعلق کا سوال
یہ نہ ہو کہ ہم سے تیری بات نہ ٹالی جائے
ہم پر سب بابر علی خاں بلوچ، چک نمبر 99.9L ساہیوال
وہ وعدے نہ کرو جس کو نبھانہ سکو
اس شخص کو مت چاہو جسے پا نہ سکو

ماہنامہ گنجی کہانی 188 مارچ 2015ء

نہ کئے ہاں نہ کئے آپ کو مجھ سے محبت ہے
نگاہیں خود ہی دے دیں گی جواب آہستہ آہستہ

محمد اقبالؒ-----سکھر

مجھ کو ہی روشنی بھی میسر نہیں یہاں
صحن چمن میں نے ہی سورج اکائے ہیں
مرزا ذوالفقار علی.....کراٹہ

دیکھا تو تھا یونہی کسی غفلت شعار نے
دیوانہ کر دیا دل بے اختیار کے

جویریہ خاتون-----میرپور

اے آرزو کے دھندلے خوابوں جواب دو
پھر کسی کی یاد آئی تھی مجھ کو پکارنے

یا سر نواز-----چشتیاں

تجھ کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح کو
بہاد کر دیا تھے دو دن کے پیار نے
نصیر رحمان.....نواب شاہ

اپنی قسمت میں زمانے کے ستم رہ جائیں گے
ہر خوشی چھن جائے گی اور غم ہی رہ جائیں گے
تم چلے جاؤ گے محفل کو تڑپا چھوڑ کر
ڈائری پر میرے افسانے رقم رہ جائیں گے

شریفاں بی بی-----فیصل آباد

آدمی سے زیادہ شب غم کاٹ چکا ہوں
اب بھی اگر آ جاؤ تو رات پڑی ہے

فتح محمد-----ہارون آباد

ہم تم جدا ہوئے کسی کو خبر نہ ہوئی
مڑ مڑ کر تیرا دیکھتا ہمیں بدنام کر گیا

محمد اشفاق-----شجاع آباد

تجھ سے چھڑ کر ایسا لگتا ہے رومانی
جیسے زندگی کو کھو دیا ہے میں نے
ملک افضل رومانی.....ملتان

میں بھی تمام زندگی خوشگوار بسر کرتا
کاش میری محبت کاسیاب ہو جاتی
معراج دین-----شاہ کوٹ

مرحمائے چہرے پہ نکھار آ جائے
اجڑے چمن میں بہار آ جائے

عدالت دے بے رخی کے موجد کی آنکھ میں
نظر راحت اگر پیار آ جائے

راجہ منشی خاں-----سواہ

جتنا تجھے دیکھوں ہی نہیں بھرتا
بڑی کشش ہے تیری جمیل سی آنکھوں میں
محمد بشیر-----سکھر

اب ایک گھر بھی نہیں سارے شہر میں باقی
جو آگ سے بچا پانی میں بہہ گیا
محمد شفیق خان آئمہ.....جہلم

ترپتے ہیں دل میں ارماں مرغ بیل کی طرح
دستی ہیں یادیں راحت ناگن کی طرح

فوزیہ سکندر-----خانپور

توہین ہے درویش کا اس شہر میں بیٹا
ہو فائدہ کشی نام جہاں صبر و رضا کا

غلام مرتضیٰ-----گجرات

کسی اپنے کے نام

ہے برقرار میرے دوستی جان من کے ساتھ
یقین کیجئے سوتا ہوں اطمینان کے ساتھ
زمیں پہ ایسی کہیں تو کوئی جگہ چھوڑ
غریب لوگ جہاں رہ سکیں امان کے ساتھ
ہم پر نس با بر علی خاں بلوچ، چک نمبر 99.9L ساہیوال
دل دکھ نہ جائے بات کوئی بے سبب نہ پوچھ
خانہ بدوش لوگوں سے نام و نس نہ پوچھ
سجاد الفت کاظمی..... میانوالی

عاشق ہیں مگر کئے تو شاکر بھی ہو جائیں
کچھ اپنے ہنر ہم کو سکھایوں نہیں دیتے
سکھاتو جنجوعہ..... بھول
طوفان ابرو باد میں سب گیت کھو گئے
جھوٹا ہوا کا ہاتھ سے مضرب لے گیا
ظہیر جنجوعہ..... بھول

طریقہ یہ نکالا ہے ان سے اٹھار شکایت کا
یوں کسی کے چشم شوق میں رکھ دی زبان میں لے
نصیر حیدر بلوچ..... خوشاب

مہماں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

سجاد خان..... بھیرہ
ہائے آداب محبت کے قحطی سفر

لب لے لے اور شکایت نے دم توڑ دیا
محمد اقبال..... انک

ظہوتوں میں روئے گی چمپ چمپ کے بلوائے غزل
اس بیاباں میں نہ اب آئے گا دیوانہ کوئی

مہاس کاظمی..... میانوالی

دیدہ شگ میں اب اٹک بھی زندہ ہے
ایک خط اور ابھی یار کو لکھتا ہو گا
ایم طاہرہ بھٹی..... مردان

تیری باتیں، تیری یادیں، تیرے رنگین خطوط
اپنے ہمراہ بھی زاد سفر رکھتے ہیں
نعیم الرحمان..... میان چنوں
مجھے ذلیل سمجھتے ہیں خود رفتی تیرے
ہے ان کے دل میں دی جو میری زبان پہ ہے
نواز کوثر کاظمی..... میانوالی

میں جتنا پریشان تیری زلفوں کے لئے ہوں
اتنی تو نہ ہوں گی تیری زلفیں بھی پریشان

محمد زمان..... ضلع ملتان
یہ حال ہو گیا آخر تیری محبت میں
کہ چاہتے ہیں تجھے اور تیری خبر سے مجھے

غلام رسول..... کبیر والا
وہ مخاطب بھی ہیں قریب بھی ہیں
ان کو دیکھوں یا ان سے بات کروں

محمد رمضان..... جڑانوالہ
طرب انگیز ہے دنیائے محبت کی فضا!!
دل لے ہر رنگ میں ٹوٹے ہیں قیامت کے مزے

عبدالرشید..... ضلع فیصل آباد
جب تھا ناز قسمت پر تو دنیا ہنس کے ملتی تھی
جب اجڑی دل کی بستی تو دوست بھی کنارہ کرنے لگے

☆ عبدالغفور۔ حافظ آباد

اب آپ کے اپنے علاقہ میں حیدر روڈ رانا ٹاؤن میں

صدیقی بک ڈسٹریبیوٹرز



ہمارے ہاں تمام مسئلہ کی بکس اور جن جن بکس ہمارے شعبہ شاعری، ادبی، علمی، تاریخی

اور اس کے علاوہ تمام جرنل بکس بازار سے بارعانت خرید فرمائیں
تمام کمپنیوں کی گائیڈ، خلاصے، ماڈل پیپرز، اور پنجاب بورڈ کی بکس اور
نیشنل کاپیاں رجسٹرڈ، سنوڈنٹ ڈائری، ڈکشنریاں، اہم بکس، رسالے ڈائجسٹ
کوئٹہ بکس، بیوٹی بکس، وغیرہ دستیاب ہیں

نیز جلدیں بھی کی جاتی ہیں اور ناول وغیرہ ریٹ پر بھی دیے جاتے ہیں

بشارت صدیقی 0334-9915359
شاگر صدیقی 0323-7183071
ناصر صدیقی 0320-4337473

0313-5095721

بمقام: مین حیدر روڈ رانا ٹاؤن لاہور

ہمجا سمجھ پائیں وہ بس درد دل ہے چیز کما
انداز اپنا دیکھتے ہیں آئینے میں وہ
سوتے چاندی کی چمک میں بک مٹی جن کی وفا
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
محمد مقبول۔۔۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان
تائبندہ پرویز۔۔۔۔۔ سرگودھا

80 روز
دریاد

Pain Go Plus



پین گو پلس کیپسول

(مکمل ہر بل دوا) 14 کیپسول کی خوبصورت پیکنگ

دردوں کی بے مثال کامیاب مکمل ہر بل دوا

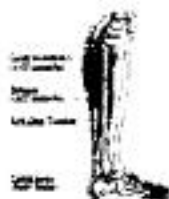
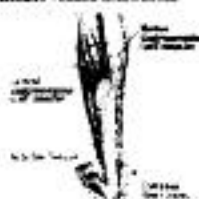
پٹھہ، ٹانگ، کمر، جوڑ

اور ہر طرح کی جسمانی دردوں کیلئے اکثیر خاص

ایک کیپسول صبح وشام کھانا کھانے کے آدھ گھنٹہ بعد ہمراہ پانی استعمال کریں

TM No.337610 (لاہور، پاکستان) علی ہر بل فارما

Achilles Tendon Illustration



حاصل کرنے کیلئے رابطہ کریں

ابوالفضل

0311-9423339

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 192ء مارچ 2015ء

کوپن ماہ مارچ 2015ء

غزلید نظمید

انچارج معیزہ اختر

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنی غزل، نعت، نظم یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پیلا لازمی روانہ کریں۔

سچہ غزلیں، نظمیں..... ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

افلاس کے جو مارے وہ ہو چکے پیارے
ورثے میں ان کی ساری غربت ہمیں ملی ہے
تو کر نہ ہائے دانے اس کو نہ ترس آئے
رہیں حسرتوں کے سائے یہ عظمت ہمیں ملی ہے
☆ حمد حبیب قیصر۔ لاہور



شکوہ جواب شکوہ

تیری شان بے نیازی کی صورت ہمیں ملی ہے
یہی تھے نصیب اپنے یہ قسمت سے ہمیں ملی ہے
میں ہوں مریض حسرت کہ بری ہے اپنی قسمت
جو ملی تو نامرادی کی زحمت ہمیں ملی ہے
ہائے راس آسکا نہ انکار پیار ہم کو
مرنا ترپ ترپ کے جو فرقت ہمیں ملی ہے
حالات پر ہے اپنے محرومیوں کا سایہ
ناکام زندگی کی ذلت ہمیں ملی ہے

غزل

پتھر سے ہو گئے ہیں تیرے جانے کے بعد
رخ تاباں کو بھول گئے ہیں تیرے جانے کے بعد

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 193 مارچ 2015ء

ہم نے ہاتھ تھام لیا تھا تیرا اے بے وفا!
 اب بھٹکتا چھوڑ کے جاتے ہو کمال کرتے ہو
 دانستہ لیتے ہیں مات تیری خوشی کی خاطر
 ہماری ہار کے قصے سناتے ہو کمال کرتے ہو
 تمہیں دل تو ملا ہے مگر ہے پتھر کا
 کسی کو یوں ٹھکراتے ہو کمال کرتے ہو
 ہم نے بہت چاہا تھا تمہیں زمانے سے چھپا کر
 انگلی غیروں میں اٹھاتے ہو کمال کرتے ہو
 ہم مانتے ہیں دنیا کو بھلا چکے ہیں تیرے پیار میں
 پاگل کہہ کر تنہا دل پہ چلاتے ہو کمال کرتے ہو
 ہم تو قائم ہیں اک اسی بات پہ اعظم آج بھی
 نیچی نظر کر کے دھیرے سے گزر جاتے ہو کمال کرتے ہو
 ☆ محمد اعظم۔ موبائل لاہور

غزل

پیار نہ ہوگا تو پھر خود غرضیاں رہ جائیں گی
 آئینہ ٹوٹنے کا جس دن کرچیاں رہ جائیں گی
 جب نہ دو گے تم کسی مزدور کو محنت کا پھل
 لوگ ڈوبیں گے لہو میں سرخیاں رہ جائیں گی
 وحشتوں کی موج تو سب کچھ بہا لے جائے گی
 دیکھنے کو دور ہی سے بستیاں رہ جائیں گی
 اے دل خستہ اگر خود کو سنبھالے گا نہیں
 تیرے دامن میں فقط مجبوریاں رہ جائیں گی
 ہم زرے کر چلی جائیں گی شاہد کشتیاں
 ساحلوں پہ دل شکستہ زریاں رہ جائیں گی
 ☆ شاہد رفیق سہو۔ کبیر والا
 موبائل نمبر 0345-3272617

اپنے دل پہ یوں قفل ہم نے لگا دیے
 کھل نہ پائے یہ تالے تیرے جانے کے بعد
 یہ سچ ہے کہ ہماری شوخ ادائیں بھی ساتھ لے گیا تو
 کسی سے ہم مسکرا کر نہ بولے تیرے جانے کے بعد
 کاجل ہماری آنکھوں کا پھیل سا گیا
 سب آئینے توڑ ڈالے ہیں تیرے جانے کے بعد
 رنگ لائیں گئیں خاموشیاں کبھی دیکھنا اے جان من
 ہمارے چہرے ہوئے اس شہر میں تیرے جانے کے بعد
 ☆ پرنس باہر علی خاں بلوچ، چک نمبر 99.9L ساہیوال

غزل

نکتے ہی رہے کچھ کہہ نہ سکے
 یونہی بیت گئی رات ہماری
 رابطے بھی رہے ملتے بھی رہے
 پھر بھی اک منزل نہ ہوئی ہماری
 چاہا تھا تجھے پانا تھا تجھے
 آرزو رہی دل میں پوری نہ ہوئی ہماری
 آتا ہے خیال بھی ہر پار تابش
 اک بے وفا سے دل لگایا غلطی تھی ہماری

☆ علی حسنین تابش۔ چشتیاں
 موبائل نمبر 0305-3621382

غزل

بڑے پیار سے دل چراتے ہو کمال کرتے ہو
 پھر خود ہی نظروں سے گراتے ہو کمال کرتے ہو
 روشن کر کے میرے دل میں پیار کی لو
 دیپ پیار کے یوں بجھاتے ہو کمال کرتے ہو

سندری اور من موہنی سے ایک مورت کو
کہو جمال کہ آخر ہم بھلائیں کیسے
☆ جمال زیدی۔ کراچی

غزل

ملا وہ بھی نہیں کرتے
ملا ہم بھی نہیں کرتے
انہیں تنہائی کا دکھ ہے
ہمیں رسوائی کا دکھ ہے
گلا وہ بھی نہیں کرتے
گلا ہم بھی نہیں کرتے
کسی سوڑ پر ہو جاتا ہے اکثر ان سے سامنا
روکا وہ بھی نہیں کرتے
روکا ہم بھی نہیں کرتے
جب بھی دیکھتے ہیں انہیں
سوچتے ہیں کچھ کہیں ان سے
سنا وہ بھی نہیں کرتے
کہا ہم بھی نہیں کرتے
لیکن

یہ بھی جگ ہے
محبت ہمیں بھی ہے ان سے
محبت انہیں بھی ہے ہم سے
کہا وہ بھی نہیں کرتے
کہا ہم بھی نہیں کرتے

☆ رانا شاہد محمود۔ روڈ تھل ضلع خوشاب

موبائل نمبر 0301-5799104

غزل

ابنا سنجی کہانی لاہور (195) مارچ 2015ء

تیری عنکوں سے ہوں میں بے خبر
یہ میری نظر کا قصور ہے
تیری راہ گزر میں قدم قدم

کہیں عرش اور کہیں طور ہے
یہ بھیجا ہے مالک در جہاں
میری بندگی میں قصور ہے
یہ کہتا ہے میری خطا مگر
تیرا نام بھی رحیم و غفور ہے
ہوتا تجھ سے ملوں کہاں
مجھے تجھ سے ملنا ضرور ہے
کہیں دل کی شرط نہ دلاں

یہ دل گناہوں سے چور ہے
تو بخش دے میرے سب گناہ
تیری ذات رحیم و غفور ہے
☆ عبدالغفور۔ حافظ آباد

غزل

تم کو اپنی پریم کٹھا سنائیں کیسے
کیا کھویا تھا کیا پایا بتلائیں کیسے
خود ہی اپنے ہاتھوں جب تاراج ہوئے تو
اس پر اب ہم یہ الزام لگائیں کیسے
تیرے پنوں سے بیاتی تھیں اپنی نیندیں
اوڑھ کنوارے خوابوں کو سو جائیں کیسے
شہر تمنا اجڑے عرصہ بیت گیا جب
تم ہی کہہ دو من کا مگر بسائیں کیسے

وقت کا سارا ہنر سارا سفر سچ دیا
گھر کہاں جاؤں گا یہ سوچ کے گھر سچ دیا

یوں خریدا ہے غلامی کو کہ شرمندہ ہوں
ایک دستار کے بدلے میں یہ سر سچ دیا
مجھ سے دیکھی نہ گئی بھوک مرے بچوں کی
خود کو نیلام کیا اور ہنر سچ دیا
میں تو سمجھا تھا مرے ہاتھ میں اک پتھر ہے
مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے گوہر سچ دیا

صرف اتنی سی کہانی ہے مرے جیون کی
کل بنایا تھا محل آج کھنڈر سچ دیا
فاختہ جاں سے گئی امن کی کوشش میں مراد
کیا غریبی ہے کہ سرخاب نے پوچھ سچ دیا
☆ رحمان امجد مراد سیالکوٹ

غزل

ہر بار میں بھی جیت کا امکان جان کر
وہ جی رہا ہے درد کا دریاں جان کر
اس کو بھی دل میں آنکھوں پہ دیتا ہے وہ جگہ
دشمن بھی گھر پہ آئے تو مہمان جان کر
وہ چاہتا ہے شہر ہو آلودگی سے پاک
ہر دل میں زندہ رہنے کا ارمان جان کر

دیتا ہے خار بھی تو سمجھتا ہے اس کو پھول
وہ زندگی پہ دوست کا احسان جان کر
کہتا ہے سچی بات بلا خوف بے جھجک
وہ ہر فقیہ شہر کو انسان جان کر
کھانے لگا ہے خوف رفاقت کے نام سے
وہ قتل اعتماد کا عنوان جان کر

دیکھا ہے اس کا زخم بھی تم نے کبھی امتیاز
اپنوں میں بن گیا ہے جو انجان جان کر

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی
موبائل نمبر 0300-2253370

غزل

تجھے پا کر ہمیں لگی ہے خوشگوار زندگی
ہر طرف خوشبو ہے لگتی ہے بہار زندگی
تیرے تصور کے بغیر جو گزرتا ہے میرا دل
میرے لیے وہ لمحہ بن جاتا ہے پہاڑ زندگی
اب تو ہر سانس میں تیری خوشبو ہے
لگتا ہے جیسے بن گیا ہو تیرا پیار زندگی
راہ وفا سے قدم ڈگمگانے نہ دیتا کبھی
خوشیوں سے بھری کہیں بن نہ جائے اشکبار زندگی

زمانے کی باتوں میں آکر وعدے بھلا نہ دینا
پھر تنہا کیسے کٹے گی میرے دلدار زندگی
تم سے عہد وفا نبھائے گا پرنس بائیر یہ وعدہ رہا
تیری تھی شہری رہے گی لمانت میرے یار زندگی
☆ پرنس بائیر علی خاں بلوچ چک نمبر 99.9 ساہیوال

غزل

دل کی بستی کو کر کے دیراں وہ چلا گیا
بڑھا کر قربتیں پھر چھوڑ کر تنہا وہ چلا گیا
ایک ہی دیپ تھا جو مجھے روشنی دیتا تھا
جلا کر غموں کی تیز آندھیاں وہ چلا گیا
ڈوب رہا تھا جب ساگر میں سفینہ میرے پیار کا
ساحل پہ کھڑا مسکراتا رہا پھر وہ چلا گیا

کیا آنکھوں سے تیرے آنسو بہتے ہوں گے
کیا لب تیرے نام میرا لیتے ہوں گے

طارق حسین اداس..... خانجواں

غزل

لکھا نہ تھا افسانہ لکھ دی کہانی اپنی
گذری ہے دکھوں میں زندگی گانی اپنی
تیرے آنے سے خوش ہوا تھا دل میرا
تیرے جانے سے بڑھ گئی پریشانی اپنی
ابہ ان گلیوں میں بھول کر نہ آنا ساگر
یہ وہی جگہ ہے جہاں برباد ہوئی زندگی گانی اپنی

احسان احمد ساگر..... کوثر انوالہ

بہادر قوم

کسی بھی حال میں ہم کو دبا نہیں سکتے
ہم ان کے رعب میں ڈالہ آ نہیں سکتے
کراہیں کھل کے فسادات جتنے جی چاہے
ہماری قوم کو لیکن یہ مٹا نہیں سکتے
ہمیں مٹانے کی سازشیں کرتے رہے ہیں جو
ہمارے خون کی قیمت وہ چکا نہیں سکتے
ہماری راہ میں کانٹے نکھیرنے والے
کبھی بھی اپنے مقصد کو پا نہیں سکتے
کنا تو سکتے ہیں سربا علی کہہ کر راہ حق میں حیدر مگر
سید سردار مددے ظلم کبھی سراپا جھکا نہیں سکتے
سید علی حیدر نقوی..... ذریہ وال

غزل

پھول چمن سے توڑو نہ ابھی
حصیوں کی محفل چھوڑو نہ ابھی

شاید کشتی اپنی ساحل پہ پہنچ جائے
ماہوی کا دامن موڑو نہ ابھی
باروں کے موسم میں آ گئے سب
خزاؤں کی رت چھوڑو نہ ابھی
جانے والے کہہ جاتے ہیں خدا حافظ
زاہد ان سے منہ پھیرو نہ ابھی
زاہد علی بگلش..... منگو کوہاٹ

غزل

نہ جانے کیوں آج در پہ پردہ لگایا جا رہا ہے
بن کے غیر ایہوں کو دکھایا جا رہا ہے
ہم تھے رچے تو اندھیروں میں بسر کرتے تھے یہ لوگ
اور اب ہے کہ دن میں بھی دیا جلایا جا رہا ہے
پہلے کبھی در کھلا رہتا تو دیدار ہو جاتا تھا
اب تو چہرہ آشیاں تک چھپایا جا رہا ہے
اے غلامو یہ سیاہ پردہ تو نہ ڈالو رخ یار پہ
ہمیں کی خاطر تو ہم کو محفل میں بلایا جا رہا ہے
اک دور تھا کہ ہم سے ہر چیز چھین لیتے تھے
یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہیں آج ہم سے چھپایا جا رہا ہے
رچے تھے وہ مٹلاشی ہم دم رقیبوں کے ساجد
ہم بنے رقیب تو غیروں کو بلایا جا رہا ہے
ایم اے ساجد..... ملتان

غزل

ہم سے آنکھ ملا کر گزرنے والے
کھلی جاتا ہے دل میں اترنے والے
مشق و محبت کے بہت سمندر میں
ذوبے وہی ہیں جو تھے تیرے والے

غزل

دل جلانے کی بات کرتے ہو
کس کے آنے کی بات کرتے ہو
مٹ چکا ہے غلوں دنیا سے
کس زمانے کی بات کرتے ہو
اپنوں سے تو خوشی مل نہ سکی
تم بیگانے کی بات کرتے ہو
ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کی
کس افسانے کی بات کرتے ہو
امید کے تارے کو روشن رہنے دو
کیوں وہ بچ بچانے کی بات کرتے ہو
راز و نیاز مہمانے کہہ دیا صنم
تم درد چھپانے کی بات کرتے ہو
صلیم صنم عابدی..... ملتان

نظم ”نازیہ کے نام“

برہوں سے تھا حلاشی کہ حبیب اسے بناؤں گا
جو ہو گا صلوات و سلام کا پابند طیب اسے بناؤں گا
دیکھ کر تیری پاکیزہ سیرت دل نے یہ جان لیا
تھا جس کا انتظار اس کو ہم نے پہچان لیا
اب رہ کر تیرے سنگ گیت خوشی کے گائیں گے
اپنی آرزوؤں کو ہم! عملی جامہ پہنائیں گے
اک دوسرے کے دل میں رہ کر دنیا کو تھانا ہے
ہر گام پہ اپنی بچی دوستی کو بھانا ہے
سُہو اب دیکھ نازیہ کو! اسی سے سچا پیار کر
چھوڑ دے یہ دنیا ساری ہر پہل اسی کا انتظار کر
محمد ضیف سرور..... منظر گڑھ

اب ترا حاصل ہی مقصد حیات ہے میرا
پل دو پل مل کے بچھڑنے والے
اب دل و نگاہ میں تو ہی رہے گا
جاتے جاتے پلٹ کے دیکھنے والے
سے نوش نہ کہہ تو مجھ کو اے کلیب
ہم ہیں تجھے دیکھ کے جھوٹے والے
عبد القادر کلیب..... خانیوال

غزل

راتوں کو فٹ پاتھ پہ سونا اچھا لگتا ہے
مجھ کو اپنا مفلس ہونا اچھا لگتا ہے
کھلی فضا میں عرش کو ٹکنا رہتا ہوں
اینٹوں کا یہ سخت پھوٹا اچھا لگتا ہے
اولاد بھی رب کی اعلیٰ نعمت ہوتی ہے
’شئی‘ منی اور یہ ہونا اچھا لگتا ہے
نوک پلک پہ موتی رکھنا کبھی کبھار
چاندنی رات کو ہار پرونا اچھا لگتا ہے
دل ہے اب بھی ہاکی بچوں جیسا
رات کو روتے روتے ہونا اچھا لگتا ہے
احمد افسی..... کندھلیا

غزل

زیست میں اک دن ایسا وقت آئے گا
تجھ سے نہ روٹنے والا روٹھ جائے گا
اشکوں کے گوہر آنکھوں سے گریں گے
اک شخص کے لئے کوئی ہار پرو جائے گا
کیسی محبت کیسی مجبوری کیسی دشواری
کہ پہ دل اس کا دیوانہ ہو جائے گا
پاس بلا کر اس سے کہیں گے عابد
خدارا تم ہو جاؤ میرے یہ دل تمہارا ہو جائے گا



ذوالشہین بھٹی جناب سردار میر بلخ شیر خان مزاری (سابق نگران وزیراعظم) کو اپنا سرائیکی ناول پیش کرتے ہوئے۔

وہ لوگ کیسے ہیں جو منم کو خدا سمجھتے ہیں
عبد یزداں کو چھوڑ کر ہمیں پیار کروں! توبہ توبہ
خدا جیسے چاہے محبت سے نواز دیتا ہے
میں اپنے دل کو نگار کروں! توبہ توبہ
میرے مقدر میں ہو جدائی تو ملتا کیسے نصیب شاہد
تمہارے فراق میں آنکھیں اشک بار کروں! توبہ توبہ
✽ مہر النساء ----- کراچی

○.....☆.....○

غزل

تم سے میں پیار کروں! توبہ توبہ
البت کا اقرار کروں! توبہ توبہ
عالم شباب میں محبت پہ جینا محبت پہ مرنا
ایسی غلطی پہ جان نثار کروں! توبہ توبہ
ہاتوں ہی ہاتوں میں چند ملاقاتوں میں
ہمیں عشق کے استخوان سے دو چار کروں! توبہ توبہ
وہ جن کے قدموں میں دل بچھا دیا مگر وقار نہ ملی
اب میں تم پہ اعتبار کروں! توبہ توبہ

200 سال
Rising
Life
Casualties
No
Side
Effect



رائزنگ
لائف
کپسولز

For Men & Women
Use Rising Be Complete
Energetic Life

برس ہا برس کا آزمودہ فارمولہ

منی بیک گارنٹی

ہر طرح کے
مضر اثرات سے پاک
کامل ہر بل دوا

قبض، جھوک کم لگنا یا نہ لگنا یا نہ کھانے کو دل نہ چاہنا،
جگر اور معدہ کے تمام افعال میں بہترین رزلٹ

دبلے پن سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جاتی ہے

یہ دوا پیچھے ہوئے گالوں کو چند دنوں میں برسرِ دیتی ہے

نظام ہضم اور جگر کے تمام افعال کو کارگر اور تیز کرتی ہے

بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں مفید ہے

روزانہ ایک کپسول ناشتہ کے ایک گھنٹہ بعد ہمراہ پانی اُتال کریں

اور پہلے ہی کپسول سے رزلٹ حاصل کریں، ایک بار اور آزمائیں

حاصل کرنے کیلئے رابطہ کریں
ابوالفضل
علی ہر بل فارما (لاہور، پاکستان)

TM No.337610

031 423339

©2015

پہلی کہانی 02

مجلہ سنیان

انچارج
روبینہ کوثر

کوپن ماہ مارچ 2015ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اقوال ذریعہ لطیفہ اور معلوماتی تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

کھل گستان..... ماہنامہ سنیان 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

نوجوان کنوارہ ہمارے

کل فروش نے اپنے سامنے سے گزرے والے نوجوان سے کہا۔ یہ ہمارا اپنی محبوبہ کے لیے لے جائیے نوجوان نے جواب دیا۔ میری کوئی محبوبہ نہیں۔

تب اپنی بیوی کے لیے لے جائیں۔ میں ابھی غیر شادی شدہ ہوں۔

اے دنیا کے خوش قسمت انسان۔ تب یہ ہمارے میری طرف سے انعام میں لے کے جائیے۔

شاہد جمال۔ سلاوالی سرگودھا

عالم صحبت کی برکتیں

حضرت سمرقندی نے فرمایا کہ۔

”جو شخص عالم صحبت میں بیٹھے اور اگرچہ اس سے علم حاصل کرنے قدرت نہ ہو پھر بھی اس کو سات فضائل حاصل ہوں گے۔“

1۔ وہی طالب علم کی فضیلت پائے گا۔

2۔ جب تک وہ شخص اس عالم کے پاس بیٹھا رہے گا

گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رہے گا۔

3۔ جس وقت وہاں سے رخصت ہوگا تو اس پر رحمت

کا نزول ہوگا۔

4۔ جب تک اس کے نزدیک بیٹھا رہے گا اس وقت تک اس پر برکت اور رحمت اور برکت کا نزول ہوتا رہے گا۔

5۔ جب تک وہ سنتا رہے گا اس کے نامہ اعمال میں برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔

6۔ فرشتے اس کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے۔

7۔ اس کے ہر ایک قدم اس کے گناہوں کے کفارہ ہو جائیں گے اور اس کے درجات بلند ہو جائیں گے اور

اس کی نیکیاں بڑھادی جائیں گی۔

ہمارے پرنس باہر علی خاں بلوچ، چک نمبر 99.9L ساہیوال

زبان کی حفاظت

دین کی حفاظت کے لیے زبان کی حفاظت

ضروری ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب صبح ہوتی

ہے تو تمام آسمانہ زبان سے ہتھام لگتے ہیں کہ۔

”تم ٹھیک رہنا۔ اگر تم ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک

رہیں گے۔“

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ظہور

ماہنامہ سنیان، کوپن 203، مارچ 2015ء

میں بیٹھے زبان کو پکڑ کر سزا دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے اور فرمایا۔

”ابو بکر! یہ کیا کر رہے ہو؟“ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”اس نے مجھ سے غلطیاں کرائیں ہیں اس لیے میں اسے سزا دے رہا ہوں۔“

ایک دفعہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا۔

”یا رسول اللہ ﷺ! جو ہم کلام کرتے ہیں کیا اس پر بھی مواخذہ ہوگا؟“ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

”ہاں بہت سے آدمی قیامت کے دن ایسے ہونگے جنہیں زبان کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے اوندھے منہ ٹھیک کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔“

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

”ارے انسان! زبان کی حفاظت کر یہ سانپ کی مانند ڈستی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو قبرستان میں پڑے ہیں۔ ان کی زبان کے قتل کیا ہے۔“

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ۔

”زبان درندہ ہے۔ درندے کو چھوڑ دو تو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی طرح اگر میں زبان کو چھوڑ دوں تو یہ بھی نقصان دے گی۔“ آدمی زبان کی حفاظت کرے

گالی گلوچ اور جھگڑے سے بارر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ۔

”جو شخص ناحق ہے۔ اگر وہ جھگڑے سے ہٹ جائے تو اس کو جنت کے کنارے پر محل ملے گا اور جو آدمی جھگڑے میں حق پر ہے اور بولنے کی طاقت بھی ہے پھر بھی جھگڑا چھوڑ دے تو اسے جنت کے وسط

میں بھی جھگڑا چھوڑ دے تو اسے جنت کے وسط

میں بھی جھگڑا چھوڑ دے تو اسے جنت کے وسط

میں محل ملے گا۔“

حضرت مولانا اسماعیل شہید عسی جگہ پر تقدیر کر رہے تھے۔ ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ۔

”میں نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں؟“ اور ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ۔

”نہیں تمہیں غلطی ہوئی۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت گواہ موجود ہوں ان سے پوچھ لو۔“ یہ جواب دیا اور تقریر شروع کر دی۔ کمال محل یہ

ہے کہ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا جائے۔ حضرت امیر ایم ادم کو ایک مجلس میں دعوت دی گئی اور جب مجلس میں گئے اور ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اپنے آدمی کی غیبت کر رہے تھے۔ جو ابھی مجلس میں آیا نہ تھا کہ۔

”وہ تو ہماری بھرم ہے۔ کب مجلس میں جلد پہنچ سکتا تھا۔“ آپ نے فرمایا کہ۔

”بھائی! روٹی تو گوشت کے بعد کھاتے ہیں تم نے پہلے ہی کھانا شروع کر دیا۔ اس لیے مسلمان بھائی کی غیبت کرنا۔“ مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے

مترادف ہے۔“ اور فرمایا کہ۔

”میرے لیے ایسی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔“ یہ کہا اور چلے گئے۔

ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے کہ۔

”بڑی زینت کی چیز ہے اور خاموش رہنا سلامتی ہے۔“

جب میں بولتا ہوں تو کثرت سے نہیں بولا کرتا۔ میں خاموش رہنے پر کبھی نادم نہیں ہوا۔ البتہ بولنے پر کئی دفعہ نادم ہوا ہوں۔

جب میں بولتا ہوں تو کثرت سے نہیں بولا کرتا۔ میں خاموش رہنے پر کبھی نادم نہیں ہوا۔ البتہ بولنے پر کئی دفعہ نادم ہوا ہوں۔

جب میں بولتا ہوں تو کثرت سے نہیں بولا کرتا۔ میں خاموش رہنے پر کبھی نادم نہیں ہوا۔ البتہ بولنے پر کئی دفعہ نادم ہوا ہوں۔

☆ عبد المجید شاہد فیصل آباد
موبائل نمبر 0344-7865442

کوشش کر کے اگلی مرتبہ نمک میں شوربہ کم کر دیجی
ہے۔
☆ بشارت صدیق۔ لاہور



اقوال زریں

☆ دنیا میں کبھی ایک جیسی دو لڑکیاں نہیں ہیں
اور دونوں ہی اس بات پر خوش ہیں۔
☆ سمجھ دلا بیوی کبھی اپنے بال کی کھال نہیں
ٹکالتی جو اسے شوہر کے کوٹ پر سے ملے۔
☆ بہترین شوہر کا انتظار کرنے والی لڑکی کو قبر تک
بہترین شوہر نصیب نہیں ہوتا۔
☆ اچھی لڑکی وہی ہے جو صبح سے شام تک
شاپنگ کرتے۔ لیکن خریدے کچھ نہیں اور بہت
اچھی لڑکی وہ ہے جو خریدے کچھ نہ لیکن ہار بہت کچھ
آئے۔

☆ پاگل ہے جو شخص جسے بیوی کے علاوہ
دوسرے لوگ بھی پاگل کہیں۔
☆ بچ بولنے میں ایک فائدہ ہے اسے یاد رکھنے کی
زحمت نہیں کرنا پڑتی۔
☆ شوربے میں نمک زیادہ ہو جائے تو اچھی بیوی

اقوال تاجدار ولایت رضی اللہ عنہ
✽ رشتوں کا نہ ہونا اتنی تکلیف نہیں دیتا جتنا رشتوں
کے ہوتے ہوئے احساس کا مر جانا تکلیف دیتا ہے۔
✽ ہر انسان کی خوشی کی وجہ بنو خوشی کا حصہ نہیں ہر
انسان کے دکھ کی وجہ بنو دکھ کا حصہ نہیں۔

✽ اگر زندگی میں برا وقت نہ آتا تو اپنوں میں چھپی
غیر اور غیر میں چھپی زہر کبھی نہ ہوتی۔
✽ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دو جو
تعلقات توڑے جو تم پر رحم کرے اسے نواز دو اور اگر
کسی سے انتقام لینا ہو تو درگزر کرو غصے میں ایسی بات
نہ کرو۔
✽ لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں بڑی
بات یہ ہے کہ ایسا دوست بنائیں جو اس وقت ساتھ
دے جب لاکھوں دوست تمہارا ساتھ چھوڑ دے
ساتھ دے۔
☆ عبد الغفور۔ حافظ آباد

لطیفہ

بیوی شوہر سے۔
”سمجھ میں نہیں آتا جہاں بھی پیسے رکھتی ہوں بیٹا
چرا لیتا ہے۔“ شوہر بیوی سے۔
”اس کی کتابوں میں رکھو کمینہ ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔“
☆ خضر حیات۔ روڈ تھل تحصیل ضلع خوشاب
لطیفہ

ایک گدھے نے اپنے مالک کو لات مار دی۔
ایسا سخی کہانی لاہور 205 مارچ 2015ء

مالک نے غصے میں آکر گدھے کو چار پانچ لاتیں رسید کر دیں اور ساتھ کہا۔

”آئندہ ایسا مذاق مت کرنا۔“

☆ محمد نعمان۔ روڈہ تھل تحصیل و ضلع خوشاب

کیا آپ اتفاق کرتے ہیں

○ ہونٹ بغیر سرفی کے بھی پرکشش ہو سکتے ہیں اگر وقت پر کھولے جائیں۔

○ چہرے کا رنگ بغیر میک اپ کے بھی صاف نظر آتا ہے۔ اگر دل کا رنگ صاف ہو۔

○ پختہ عمر کی عورت میں ایک عجیب قسم کی دلکشی ہوتی ہے، جوں جوں وہ زندگی کا سفر طے کرتی ہے، نکھر کر خوبصورت ہوتی جاتی ہے۔

○ دل ایک آئینہ ہے، اگر بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔

○ عورت پر زندگی میں تین بار نور آتا ہے۔

الف..... شادی کے بعد

ب..... ماں بننے کے بعد

ج..... اگر ساکن مرتے تو موت کے بعد

☆ حسین بشارت۔ لاہور

ترجمہ

بھی فرصت ملے تو ہنسنا پ، مقبرے، قبروں کے ہاتھ روم، بسوں کے اندر، بسوں کی سیٹوں کے پیچھے ٹیلیفون بوتھ۔۔۔ ان سب جگہوں کا منظر بغیر مشاہدہ کریں۔ آپ کو وہاں کندہ بہت سی تحریریں، تصاویریں، نادر زمانہ فقرات اور بے لباس الفاظ ہماری نوجوانوں کے ذہنوں کی ترجمانی کرتے نظر آئیں گے۔

☆ ناصر صدیقی۔ لاہور

ایمان اور نظم

ایمانی کہانی لاہور (206) مارچ 2015ء

تین

تینوں کی کوشش کریں۔ (نماز، جہاز، رزق حلال) تینوں سے بچیں۔ (آہ، فریاد، بددعا)

تینوں کو قابو میں رکھیں۔ (غصہ، زبان، دل)

تینوں کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ (موت، احسان، نصیحت)

تینوں کو عزیز رکھیں۔ (ایمان، سچائی، نیکی)

تینوں پر ایمان رکھیں۔ (اللہ، رسول، آخرت)

تینوں کے لئے لڑیں۔ (عزت، ملک، حق)

تینوں کو پسند کریں۔ (رحم، دلی، حق، گوئی، انکساری)

تینوں میں اضافہ کریں۔ (دوست، کتب، اچھے اعمال)

تینوں سے پرہیز کریں۔ (جھوٹ، چوری، چغلی)

تینوں کا احترام کریں۔ (قانون، والدین، استاد)

تینوں کو چھلا لیں۔ (علم، محبت، حق بات)

تینوں کو صاف رکھیں۔ (لباس، منیت، گھر)

تینوں کو اپنائیں۔ (محنت، کفایت، سادگی)

تینوں سے نفرت کریں۔ (ظلم، گھمنڈ، احسان فراموشی)

☆ ثناء۔ لاہور

ماں

خدا نے کہا..... ماں میری طرف سے انسان کے لیے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے۔

سمندر نے کہا..... ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اولاد کے لیے راز سینے میں چھپا لیتی ہے۔

بادل نے کہا..... ماں دھنک کی طرح ہے جس میں خوبصورتی کے تمام رنگ نمایاں ہیں۔

دعا نے کہا..... ماں وہ شخصیت ہے جو ہر وقت اولاد کی خوشی کے لیے دعا کرتی ہے۔

جنت نے کہا..... ماں ایک ایسی ہستی ہے کہ میں بھی اس کے قدموں میں ہوں۔

☆ خضر حیات۔ روڈہ تھل تحصیل و ضلع خوشاب

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک دہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئیز

☆ کوپن برائے ماہ مارچ 2015ء ☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹوکاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ انٹریز اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع۔ کٹنگ یا اوور رائٹنگ فوٹوکاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہونا چاہیے۔

1- سوال..... ربڑ کے جنگلات کس ملک میں سب سے زیادہ ہیں.....؟

جواب

2- سوال..... انا کوڈر کس جنگل میں پایا جاتا ہے.....؟

جواب

3- سوال..... قرآن مجید میں سب سے زیادہ ذکر کس پیغمبر کا ہے.....؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ فروری 2014ء کے درست جوابات
(1) دریائے ٹیمز "برطانیہ میں ہے (2) سب
سے چھوٹا براعظم "آسٹریلیا" ہے (3) سورج
کے سب سے قریب سیارہ "عطارد (مرکری) ہے۔

سچی کہانی کوئیز - 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

موبائل نمبر 0314-4008530

خوشخبری شرف مشتری

انشاء اللہ تعالیٰ مال و دولت کا ستارہ مشتری 12 سال کے طویل عرصہ کے بعد اپنے دامن میں لاکھوں خوشیاں لے کر 1 سے 7 ستمبر تک شرف میں آیا تھا۔ یہ نیک وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم انعام ہے۔ مشتری مال و دولت، مالی وسعت اور خوش نصیبی کا ستارہ ہے۔ اسے ہر 12 سال بعد شرف ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص مالی لحاظ سے انتہائی بد قسمت ہو، ہمیشہ فکر و افلاس میں رہتا ہو، مدتوں سے قرض میں گرفتار ہو، ہر مسئلے میں رکاوٹ ہو، لائری کا انعام تو مدت سے نہ لگا ہو، اپنے پرائے دشمن بن گئے ہوں، دن رات کا سکون تباہ ہو چکا ہو، ہر کاروبار میں نقصان ہوتا ہو۔

وہ حضرات نیند سے جاگیں اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے یہ لوح ضرور حاصل کریں۔ یہ وقت 12 سال کے بعد آتا ہے۔ خدا جانے اگلے 12 سال کس کو نصیب ہوں..... اپنے چھوٹے بڑے بچوں کے لیے ضرور بنا کر رکھ دو، تاکہ ان کی قسمت بھی اچھی رہے۔ دنیا کا وہ بڑا خوش قسمت انسان ہوگا جس کے پاس یہ لوح ہوگی۔ اس کا خوش بختی کا دروازہ کھلا رہے گا۔ بذریعہ لائری یا انعامی بانڈ یا تجارت سے رقم برسات کی طرح برستی رہے گی۔ غریب خوشحالی میں بدل جائے گی۔ اس لوح کی برکت سے اچھے گھر میں شادی بھی ہو سکتی ہے۔ بے اولاد اجڑے ہوئے گھر آباد ہو جائیں گے۔ اولاد زینہ ہوگی وہ صالح و خوش بخت ہوگی۔ اس لوح کو رکھنے سے زندگی پرواز کرتی ہے۔ دشمن غالب نہیں آ سکتا۔ سفلی کا علم ختم ہو جائے گا۔ لوح مشتری رکھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ دولت و روپیہ اس طرح پہنچ کر چلا آتا ہے۔ جیسے مقناطیس کی طرف لوہا۔ دولت مشتری پر عاشق ہوتی ہے۔ اس لوح کو رکھنے سے مدتوں کے قرض سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے غیبی امداد ملتی رہے گی اور زندگی سکون سے بسر ہوگی۔ بچیوں کی شادی میں رکاوٹ ہے ان لڑکیوں کا رشتہ ضرور اچھے گھر والے میں ہوگا۔ خدارا ہماری التجا ہے۔ 12 سال کے بعد وقت ملا ہے اس سے ضرور فائدہ حاصل کریں۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان ہے سو برس کا پل کی خبر نہیں

آپ کا خدمتگار و دعا گو۔ صوفی علی مراد

0333-2327650.....0333-3092826